

کھورٹ مارشل

طارق امیل ماگر

پاک سووائیٹی ڈاٹ کام

عرضِ شہادت

”کورٹ مارشل“ ایک فوجی اصطلاح ہے لیکن اس کا مطلب عام سویلین کو بھی آسانی سے سمجھ آ جاتا ہے۔

بات ہی ایسی ہے۔ !

ایک مسلمان پاکستانی کے ناطے میرا ایمان ہے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے اعمال کا، اپنے افکار اور سب سے بڑھ کر اپنے کردار کا کورٹ مارشل کریں۔
وقت آ گیا ہے کہ آج ہر پاکستانی اپنے ضمیر کی عدالت سجائے اور اپنا احتساب کرے۔

لیکن۔ !

سویلین والا احتساب نہیں۔ فوجیوں والا کورٹ مارشل، کہ جہاں عمدے کو انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا جاتا۔

کہ جہاں تختانیدار اور جج بھی اتنا ہی پابندِ سپین ہوتا ہے جتنا ملزم۔ !

آج ہر پاکستانی حالات کا شاکی ہے۔ !

ممکن ہے کچھ خدا کے ایسے درویش صفت بندے بھی موجود رہے ہوں جو بے نیازی کی حد تک قناعت پسند ہو چکے ہوں اور وہ عجب جس حال میں رکھے تو اُس حال پر راضی ہی کے مصداق شکایت لب پر نہ لاتے ہوں لیکن زیادہ تعداد اُن بد قسمت پاکستانیوں کی ہے جنہیں گروشن حالات نے اس بُری طرح رگیدا ہے کہ وہ بلبلا اُٹھے ہیں۔

اور۔

میں نے اس مختصر سی کتاب میں وقتاً فوقتاً لکھے اپنے کچھ مضامین کا انتخاب پیش کیا ہے اس میں تمام سوالوں کا جواب تو نہیں ہے لیکن انشاء اللہ ان مضامین کا مطالعہ آپ کو یہ ضرور بتا دے گا کہ ہمارا دشمن کون ہے؟

کتناز ہر بلا ہے؟

کتنا مکا رہے؟

اور ہر دم ہم پر ٹوٹ پڑنے کو کتنا تیار ہے! میں ایک کمزور اور ناتواں خدا کا بندہ صرف دعا ہی کر سکتا ہوں کہ خدا ہمیں اپنوں اور غیروں کے شر سے محفوظ رکھے۔

طارق اسماعیل ساگر

لاہور

اب تو عالم یہ ہو گیا ہے کہ کوئی دم جاتا ہے جب مظلوموں کی آہوں سے آسمان کا کلیجہ شکت ہو جائے اور خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کہ ہم پھر مکافات عمل کے شکار ہو کر رہ جائیں۔
یاد رکھیے!

ہم دنیا کی پہلی یا آخری قوم نہیں ہیں۔ اس عالم فانی نے وہ کچھ دیکھا ہے کہ بیان کرنے کی ہمت نہیں۔ ایسے ایسے صاحب اقتدار کھڑے جن کے قدم چڑھتا سادت جانتی تھی۔

وہ جن کی ملکوتوں میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔!

وہ کہ جن کے استبداد کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔!

وہ کہ جن کی جاہ و حشمت کے سامنے سورج کی روشنیاں مدھم پڑ جاتی تھیں۔

وہ آج نہیں رہے۔!

اُن کے نام و نشان مٹ گئے کہ اس دار فانی کو قرار نہیں۔ دوام نہیں۔ بیاں جو آیا ہے

وہ جائے گا اور رہ جائے گا اور ہر جہنم والے ایک خدا واحد لا شریک کا نام اور اقتدار ہے۔

بحیثیت پاکستانی ہماری قومی عمر گو کہ ۴۲ سال بنتی ہے اور قوموں کی زندگی میں گو کہ یہ کوئی

بہت زیادہ عرصہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بہت کم مدت بھی نہیں ہے۔

یگاڑ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اصلاح کو کوئی تیار نہیں۔ ہر شخص دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے

پر تکا ہے تو پھر کاروبار زندگی سنبھلے گا کیسے؟ چلے گا کیسے؟

ایک ہم ہیں کہ خدا کے غضب کو لگا رہے ہیں!

ایک وہ ہے کہ اپنی بے پایاں رحمت کے ساتھ ہمارے ملی گن ہوں سے صرف نظر

کر رہا ہے۔

لیکن کب تک؟

جان لیجئے کہ مکافات عمل اٹل ہے۔ دنیا کی تاریخ کا جائزہ لیجئے۔ کون ہے جو اس

سے بچ پائا ہو۔

آج ہمیں جائزہ لینا ہے کہ آخر ہم اس صورت حال کو پہنچے کیسے؟ کہ اب مڑ کر دیکھیں

تو مارے دروازے بند نظر آتے ہیں۔



تیسری دنیا کی سیاست ہو یا معیشت۔ معاشرت ہو یا تجارت غرض کسی بھی شعبہ ہائے زندگی میں سوپر پاورز کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً امریکہ کے جاسوسی ادارے سی آئی اے سے متعلق ایک عرصے سے بہت سی کہانیاں سننے میں آتی ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ آج تیسری دنیا میں کے جی بی اور سی آئی اے دہشت اور خوف کی علامت بن چکے ہیں۔ سی آئی اے پر یوں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن جب کبھی سی آئی اے کے کسی سربراہ کی طرف سے کوئی کتاب دنیا میں اس جاسوسی ادارے کی کارکردگی سے متعلق چھپ کر آتی ہے تو ساری دنیا میں وہ بہت دلچسپی اور ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے اور ایک عرصے تک صحافتی دنیا میں اس کے مندرجات کی گونج باقی رہتی ہے۔

ایڈمرل سیٹھیلڈ ٹرنر کو امریکی صدر جی کارٹر کے دور اقتدار میں سی آئی اے کا سربراہ رہنے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ خیال رہے کہ وہ امریکہ ہی نہیں دنیا بھر کی سیاست میں اہم ترین دور شمار ہوتا ہے کیونکہ ایران کا انقلاب وقوع پذیر ہوا جس نے ایک مرتبہ تو یورپ کے سیاسی ایوانوں میں پھل مچا دی تھی اور ساری دنیا کی نظریں اس پر جم کر رہ گئی تھیں۔ امریکی حکومت کے لیے بھی یہ مشکل دور تھا جس سے صدر جی کارٹر اپنی شدید خواہش اور کوشش کے باوجود کامیابی سے عہد ابراہن نہیں ہو پائے۔ اس دور میں جو شخص سی آئی اے کا سربراہ رہا ہو۔ بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے کیسی اعصاب شکن جنگ لڑی ہوگی۔ جب ایڈمرل ٹرنر کی کتاب *Secrecy & Democracy* شائع ہوئی تو اُس نے دنیا کے صحافت میں تھلک ہی نہیں مچایا بلکہ اسے چونکا کر بھی رکھ دیا تھا کیونکہ اس میں کئی متنازعہ باتیں تھیں کئی تازہ انکشافات تھے اور سی آئی اے کی ٹرینجی

سے بحث کی گئی تھی۔

جاسوسی اور جمہوریت نامی اس کتاب سے کچھ اقتباسات کا مطالعہ سر باشعور پاکستانی کے لیے ضروری ہے تاکہ ہم بین الاقوامی تناظر میں حالات کو جاننے اور سمجھنے کی استعداد سے بہرہ ور ہو سکیں۔ امریکہ سے ہمارے تعلقات آج سے نہیں ۲۰ سال سے ہیں اور آئندہ بھی ہمیں امریکہ سے واسطہ پڑتا رہے گا۔ امریکی دنیا کی سیاست اور جمہوریت کو کسی عینک سے دیکھتے ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے میں ایڈمرل ٹرنر کی یہ کتاب بہت معاون ثابت ہوئی ہے اس کتاب کی تلخیص پیش خدمت ہے۔



گزشتہ ۱۸ ماہ سے میں "ناٹو" کی جنوبی کمان کا نیول کمانڈر تھا اور ان دنوں "نیپلز" اٹلی میں موجود تھا جب ۲ فروری ۱۹۷۷ء کو مجھے ایک فون کال موصول ہوئی ہم عموماً یورپ کے گرد پھیلے ہوئے سمندروں میں نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے میں نے دوران جنگ اٹروفس اور پیدل فوج کی کمانڈ بھی کی ہے اور یونان، ترکی اور اٹلی میں بلور کاٹر خاصا فوج گزرا ہے اس کے علاوہ برطانیہ اور امریکہ کے بحری بیڑوں کی کمان بھی مجھے بحر اوقیانوس میں میسر آ چکی ہے۔ اب بھی میں ایسی جاب کر رہا تھا لیکن مسلسل فوجی ملازمت کی وجہ سے خامی اور بیت محسوس کرنے لگا تھا۔

اپنی نئی ذمہ داریوں کے سبب میں ایک عرصے سے نہ صرف امریکن نیوی سے باہر تھا بلکہ ملکہ میرا تعلق اب امریکی فوج سے بھی نہیں رہا تھا اس کے علاوہ میں مشترکہ افواج کے سپریم کمانڈر جنرل ایگزیکٹو ریگ کو بتا چکا تھا کہ اب میں صرف "ناٹو" کے لیے خدمات انجام دے سکتا ہوں۔ "ناٹو" ایک کثیر القاصد سمجھوتہ ہے نیشنل فورسز کے اپنے اپنے کمانڈر حملے کی منصوبہ بندی طے کرتے ہیں اور مشترکہ مشقیں انجام پاتی ہیں یہ چونکہ سنا سن تھا اس لیے ایک طرح سے مجھ اس سلسلے میں مکمل فراغت تھی۔

نیوی کی طرف سے مجھے ۱۹۷۵ء میں "نیپلز" بھیج دیا گیا تھا اس طرح میں عملانہ مرتب امریکن نیوی سے بلکہ واشنگٹن سے بھی گزشتہ دو سال سے لا تعلق ہو چکا تھا۔ اپنے دیگر رفقاء کار کی طرح میں لوکری کی طرف سے کبھی عدم تحفظ کا شکار نہیں رہا اس سلسلے میں مجھے ایڈمرل ایڈمز و موٹس کی مکمل پشت پناہی حاصل رہی ہے جو بڑے حیران کن طریقے سے ۱۹۷۰ء میں امریکن نیوی کا چیف بن گیا تھا۔ زمولٹس امریکن نیوی کی تاریخ کا سب سے کم عمر چیف تھا جاپانی فلاحیت اور ولیہی میں ہمیشہ سے خاص شہرت کا حامل رہا ہے اس نے آتے ہی نیوی میں تبدیلیوں کا ایک لاقا ہی سلسلہ شروع کر دیا۔

زمولٹس نے عہدہ سنبھالتے ہی امریکن نیوی میں انقلابی تبدیلیوں کا آغاز کر دیا۔ وہ اڑکرافٹ کی ٹرنز کی تعداد بڑھانے اور ان پر انحصار کا قائل تھا۔ اس نے ایسے اقدامات شروع کر دیے کہ امریکن نیوی امریکن عوام کی مقبول ترین فوج بن گئی اور امریکی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس طرف راغب ہونے لگے۔ زمولٹس ہی وہ نیوی کمانڈر تھا جس نے نیوی کے جوانوں کو روایات کے برعکس وارھیاں رکھنے، لمبے بال رکھنے اور جدید طرز کی یونیفارم اپنانے کی مکمل اجازت دے دی تھی۔ ان اقدامات نے امریکن نیوی اور امریکی عوام کے درمیان فاصلہ تقریباً ختم کر دیا تھا۔ زمولٹس کے یہ اقدام عموماً نیوی میں زیر بحث رہتے۔ جہاں کچھ پرانے بیٹی افسران اقدامات سے نالاں تھے وہاں زیادہ تعداد میں نوجوان خوش تھے۔ زمولٹس کے ان اقدامات کا شاید سب سے بڑا حمایتی میں ہی تھا یہی وجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست بنے۔

زمولٹس نے چارج سنبھالتے ہی مجھے رر ایڈمرل بنا دیا اس عہدے کے لیے کسی بحری ہم کے تجربات عموماً ضروری ہوتے تھے اس کا بندوبست بھی اس نے کیا اور بحر اوقیانوس میں اڑکرافٹ کی ٹرنز کے ساتھ ایک بیڑہ میری کمان میں ایک ٹاسک فورس بنا کر روانہ کر دیا کچھ عرصہ بعد اس نے مجھے واپس "پیناگان" بلایا جہاں میری تعیناتی نیوی آف سسٹم انیسٹرز میں بطور راجنچاز کر دی گئی یہ آفس چند سال پہلے ہی قائم ہوا تھا یہاں ایک سال رکھنے کے بعد اس نے مجھے وائس ایڈمرل بنا کر زمولٹس اینڈ میں پرنسپل ڈیپٹ آف دی نیول وار کالج نیویلٹ

یہ سال سیکرٹری آف ڈیفنس کی طرف سے ایک سپیشل فون پر موصول ہوئی تھی مجھے حیرانگی تو اس بات کی تھی کہ یہ نیا سیکرٹری مجھے "ناٹو" کے جنوبی کمانڈر کی حیثیت سے مخاطب نہیں کر رہا تھا حالانکہ میرا اب امریکن نیوی سے براہ راست تعلق ختم ہو چکا تھا۔

"ایڈمرل ٹرنر سیکرٹری آف ڈیفنس نے چھٹے ہی کہا صدر تم سے کل واشنگٹن میں ملاقات کا خواہاں ہے تمہارے لیے کل تک پہنچنا ممکن ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں! میں نے کہا۔ اس مختصر پیغام سے مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر مجھے کیوں طلب کیا جا رہا ہے ذاتی طور پر میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"بیج" کو میں نے سفر کے لئے بندوبست کی ہدایت کی اور اپنی بیوی پٹریشیا سے کہا کہ میرا سفر بیگ تیار کر دے۔ میں نے تب ہی سوچا کہ شاید جی کارٹر مجھ سے دفاعی معاملات پر بات چیت کا خواہاں ہے اور دو سال قبل میرے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہے میری اور کارٹر کی یہ ملاقات دو سال قبل اٹلانٹا میں ہوئی تھی جب وہ وہاں کا گورنر تھا یہاں دوران گفتگو کچھ دفاعی مسائل زیر بحث آئے تھے یا پھر شاید وہ مجھے کسی نئی آسامی پر تعینات کرنے کا خواہشمند ہے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"میرے لیے دعا کرو"..... میں نے اپنی بیوی کے سوالات سے بچنے کے لئے کہا رواں گئی سے پہلے میں نے اپنے چار نائبین کو جو امریکی اعلیٰ افسران تھے اور ڈیفنس کے معاملات پر خاص دسترس رکھتے تھے مشاورت کے لیے طلب کیا کیونکہ میں صدر کی طرف سے ڈیفنس کے حوالے سے ہونے والے سوالات کے لیے خود کو ذہنی طور پر مکمل تیار کرنا چاہتا تھا میں نے ان کے سامنے چند سوالات رکھے جو کچھ اس طرح تھے۔

تمہارے خیال کے مطابق ڈیفنس میں کیا تقاضے موجود ہیں جو ہماری گفتگو میں زیر بحث آسکتے ہیں؟

کیا ہم بی دن بمبار خریدنے چاہئیں اور کیا مزید ایسی بحری طیارہ بردار جہاز حاصل کرنے چاہئیں؟

مقرر کر دیا۔ اس کالج میں مجھے سینئر نیول افسران کو بطور استاد پڑھانے کا تجربہ حاصل ہوا میں نے یہاں آنے ہی کالج کے سابقہ ایجوکیشن سسٹم کو بالکل تبدیل کر دیا اب یہاں شاگردوں کو استاد کے پیش کردہ کسی بھی نظریے پر اپنی رائے اور تنقید کا مکمل حق تھا اور کلاس روم عموماً مباحثے کا منظر پیش کرنے لگے۔

جب زومولٹس کی چار سالہ مدت ملازمت بطور نیول چیف پوری ہونے کو تھی تو مجھے نیوی کی بہترین نوکری میسر آئی اور مجھے دوسرے بحری بیڑے کے کمانڈر کی حیثیت سے بطور وائس ایڈمرل بحراللانگ میں جانے کا موقع ملا۔

زومولٹس کی ریٹائرمنٹ کے ساتھ ہی گھڑی کی دایلی کا سفر شروع ہو گیا اور امریکن نیوی کو روایتی بحریہ بنانے کا عمل دوبارہ جاری کر دیا گیا۔ زومولٹس کے مقرر بننے کو ایک ایک کر کے الگ کیا جانے لگا اور ۱۹۷۵ء میں مجھے ۳۴ ستاروں کے ساتھ مکمل ایڈمرل بنا کر "نیپلز" میں بھیج دیا گیا۔

۱۹۷۶ء کے موسم گرما کے بعد سے میں نے اپنا پیشہ بدلتے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب میں کوئی بزنس کر لوں کیونکہ ۱۹۴۳ء سے میں نیوی میں تھا اور زندگی کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ میری عمر اس وقت ۵۲ سال ہو چکی تھی میں سمجھتا تھا کہ اب مجھے لوشٹے دیوار پڑھ لینا چاہئے اور بطور بزنس مین اگلی زندگی گزارنے کی فکر کرنی چاہئے عین ان دنوں جب میں یہ سوچ رہا تھا میرے ایک قدیم ہم جماعت جی کارٹر کو ڈیموکریٹک پارٹی نے اپنا صدیقی امیدوار نامزد کر دیا۔ تب میں نے جی کارٹر کے متعلق سوچا شروع کیا میری اطلاعات کی حد تک وہ صاف ذہن کا آدمی تھا اور "ڈیفنس" میں تازہ تبدیلیوں کا خواہاں۔ مجھے امید تھی کہ اگر وہ صدر بن گیا تو مجھ جیسے جدت پسند فوجی افسران کو پھر نئے چیلنجوں اور تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا گو کہ یہ اچھا شکون ہوتا لیکن اتنا انتظار کون کرے اسی دوران الیکشن ہوئے اور کارٹر صدر بن گیا۔

اب جنوری ۱۹۷۷ء کو میرے نائب لفٹنٹ کمانڈر والٹر نے مجھے آفس میں اطلاع دی ڈی ایڈمرل تمہارے لیے واشنگٹن سے ایک خاص کال آئی ہے؛

کیا موجودہ حکومت ہماری دفاعی استعداد کار سے مطمئن ہے؟

کیا ہم مزید کسی اضافے کے موجودہ حکومت کے ساتھ چل سکتے ہیں؟

میرے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے مجھے تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے میرے سینیٹر افسران نے بتایا کہ "ٹیڈ سولن" جسے صدر نے سی آئی اے کے لئے منتخب کیا تھا اس عہدے سے معذرت کر دی ہے اور اپنا نام واپس لے لیا ہے سی آئی اے کے نئے سربراہ کاقرر ہی اس وقت صدر کے لیے سب سے اہم مسئلہ ہے جس پر وہ قدرے دباؤ کا شکار ہے اب زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ کیا صدر نے میرا انتخاب اسی عہدے کے لئے تو نہیں کیا؟ ہم نے اس سوال پر کچھ دیر بحث کی لیکن اس وقت سب کا جواب یہی تھا کہ ایسا شاید ممکن نہیں۔

"سینر صدر تمہارا ہم جماعت ہے یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس نے تمہارے لیے ایسا سوچا ہو" ایک دوست نے کہا۔

ہم نے اس امکان کو رد کر دیا اور ہم دوبارہ آرمی مسائل پر بات کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میرا نائب پنج اندر داخل ہوا اور کہا کہ ہمارے پاس پیرس سے "کنکارڈ" میں سوار ہونے کا پانس موجود ہے کنکارڈ امریکہ کے لیے پیرس سے ۸ بجے رات اڑتا تھا ۶ بجے میں اور پنج نیوی کے ایک جیٹ میں سوار پیرس کی طرف محور پر واز تھے جب ہم "کنکارڈ" کے کاؤنٹر پر پہنچے تو وہاں موجود واپس کی کہا "آپ یقیناً ایڈمرل ٹرنر ہیں!" ہم دونوں کنکارڈ میں داخل ہونے والے آخری مسافر تھے۔

۲ گھنٹے اور ۴۵ منٹ کی پرواز کے بعد کنکارڈ نے "ڈاننگٹن" کے "ڈلاس انٹرنیشنل ایرپورٹ" پر لینڈ کیا۔ میں ہیرالڈ ٹرنر بسن کے قون کرنے کے چپک ۹ گھنٹے بعد امریکہ پہنچ گیا تھا پنج نے واقعی معجزہ کر دکھایا تھا۔

۱ اگلے روز ۱۱ بجے کے بعد میں سیکرٹری ڈیفنس رابن سن کے کمرے میں موجود تھا ہمارا باہمی تعارف مشترکہ دوستوں نے کر دیا۔ درحقیقت شیڈول کے مطابق مجھے صدر سے ملاقات سے پہلے ۱۰ منٹ تک سیکرٹری ڈیفنس سے ملاقات کرنی تھی مجھے امید تھی کہ

صدر سے ممکنہ گفتگو کے متعلق یہاں علم ہو جائے گا سیکرٹری ڈیفنس نے مشکل تین منٹ میں یہ ملاقات ختم کر دی اور بتایا کہ مجھے کوئی نئی فرجی مہم نہیں سونپی جا رہی کیونکہ اس کے خیال میں ایک ایڈمرل کو اس سے زیادہ اہم مہم اور کوئی نہیں دی جاسکتی تھی جو میرے ذمے پہلے سے موجود تھی۔

"صدر تمہیں خصوصی ذمہ داریاں سونپنا چاہتے ہیں اور اس کے متعلق وہ خود ہی تمہیں اس ملاقات میں آگاہ بھی کر دیں گے"۔۔۔۔۔ اس نے بالآخر فیصلہ کن لمبے میں کہا۔

اگلے ہی لمحے ہم دونوں وائٹ ہاؤس کی طرف جا رہے تھے اب میں سوچنے پر مجبور تھا کہ مجھے اہم ترین سولین پوسٹ سونپی جا رہی ہے۔ مجھے سی آئی اے سے متعلق کوئی ذمہ داری سونپی جائے گی میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ جب صدر اس مسئلے پر بات کرے گا تو میرا رد عمل کیا ہونا چاہیے فی الوقت تو مجھے یہ بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔ ہم اب پینسلوانیا یونیورسٹی کی طرف مڑ رہے تھے پھر ویسٹ گیٹ سے وائٹ ہاؤس میں داخل ہو گئے۔ ایک حفاظتی گارڈ نے پہلے سے موجود دست سے میرا نام پڑھا اور مجھے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

ہم ویسٹ لابی کی انتظار گاہ میں پہنچے تھے گیارہ بج کر ۲۵ منٹ ہو رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے استقبالیہ والوں نے صدر کو میری آمد سے مطلع ہی نہیں کیا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا جب ایک مستعد بارودی ملازم نے میری رہنمائی اڈول آفس سبک کی۔ میں نے یورپ میں بادشاہوں، ملکہ اور بڑے بڑے حکمرانوں کے دفاتر دیکھے تھے اور میں یہی امید کر رہا تھا کہ یہاں بھی ایک عظیم الشان قسم کے دفتر سے واسطہ پڑے گا لیکن توقعات سے بالکل برعکس صدر کے آفس کا باہری حصہ چوڑا کا دینے کی حد تک سادگی کا حامل تھا یہاں ایک کمرے میں آتش دان کے سامنے دو آرام دہ کرسیاں دھڑکی تھیں جن میں سے ایک پر مجھے بیٹھنے کی ہدایت کی گئی تھی ایک کرنے میں دو کاؤنچ دھرے تھے اور دوسرے میں ایک بیچ۔

میں آتش دان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور آنے والے وقت کے متعلق سوچنے

”سنن! قالو فی طور پر تمہاری ڈیڑھ سالہ فوجی ملازمت محفوظ رہے گی اور یہ چانس تمہیں بعد میں بھی مل سکتا ہے“

”پیٹریشیا ہم لبش والی فلیڈ میں داخل ہو رہے ہیں۔“

ہیں نے تو حسب ہدایت یہ خبر ابھی دبا رکھی لیکن ”ٹائم“ نے میری تصویر متوقع سی آئی اے کے ڈائریکٹر کی حیثیت میں شائع کر دی اور مجھے علم ہوا کہ یہ خبر بھی دہلاٹ ہاؤس نے ہی باہر نکالی تھی۔ اس خبر کو سارے میڈیا نے پکڑا اور بعد میں میرے ہوٹل کی لابی صحافیوں اور ٹی وی والوں سے بھر گئی۔ زندگی نے یکدم نئی کر وٹ لے لی تھی۔

لگا یہی وہ وقت تھا جس کے متعلق میں نے اپنی بیوی پیٹریشیا کو دعا مانگنے کی ہدایت کی تھی۔ اپنے بچے دروازہ کھلنے کا احساس مجھے نہ ہو سکا۔ صدر کارٹر بشکل تین چار منٹ بعد ہی اپنی روماتی مسکراہٹ اور جاذبِ نظر شخصیت سمیت میرے ساتھ گرم جوشی سے مصافحہ کر رہا تھا اس کے ساتھ ایک فولوگر، فرانڈر وائل ہو اور اس نے میری اور صدر کی تصویر اٹاری۔

• پرائیویٹ آفس میں چلتے ہیں۔ میں نہاری ملاقات نائب صدر سے کروانا چاہتا ہوں۔..... صدر نے کھڑے کھڑے کہا۔

پریذیڈنٹ کی معیت میں ایک تنگ سی راہداری سے گزر کر میں اس کے چھوٹے پرائیویٹ آفس میں پہنچ گیا۔ ایک دروازے اوکھڑکی والے اس دفتر میں آتش دان کے سامنے دھڑکے کاؤنچ پر نائب صدر ”الطرمونڈیل“ میرا منتظر تھا۔ اس نے میرے ساتھ گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں اس کاؤنچ پر بیٹھ گئے۔

۱۹۷۱ء میں ایک مرتبہ ہماری ”کلاس دی یونین“ کے موقع پر جس طرح کارٹون نے مجھے سراہا تھا اسی طرح آج بھی صدق دل سے اس نے میری قومی خدمات اور صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے بعد مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ”مٹن! میں تمہیں سی آئی اے کا ڈائریکٹر بنانا چاہتا ہوں“۔

ایک لمحے کے توقع کے بعد وہ بولا..... "میرے ذہن میں اس سلسلے میں دو نام تھے جن میں سے ایک تمہارا ہے دوسرا نام آرمی چیف آف سٹاف جنرل برنارڈ ڈبلیو روجرز تھا، مجھے دراصل ایسا آدمی پابندی جو صرف سی آئی اے کے معاملات ہی کو نہ چلائے بلکہ وہ ملکی انٹیلی جنس سہنسیوں اور حکومت کے درمیان ایک مربوط رابطہ بھی پیدا کرنے میں نے صدر کی طرف نظر سیر کر دیکھا اور گردن جھکا لی:-

کیا سوچ رہے ہو مٹن !

”صدر مقرر آپ جلتے ہیں کروڑیوں سال میں مجھے نیوی کا سیکنڈ اڈمرل بنادیا جائے سمجھ کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا پاتا تھا میں نے کہا۔

کے لئے بعد میں پیش آنی تھی پھر اس نے نہری نوجی کو فون کیا۔ نوجی جارج لیش کے بعد سی آئی اے کا گذشتہ ڈھائی ہفتے سے قائم مقام ڈائریکٹر تھا۔ نائب صدر موزمبیق نے اسے ہاپر کی کہ مجھے سی آئی اے سے متعلق اسرار و رموز سے آگاہ کرے اور ان سنیٹرز تک پہنچنے کا طریقہ بھی بتا دے جن کی مدد مجھے درکار تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں درجنیہ میں دریائے پوٹامک پر سے گزرتا کارڈرائیو کرتا ہر سی آئی اے کے محافظوں سے گھرے ہیڈ کو آرٹر کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔ ایک گارڈ نے زیر زمین کار پارکنگ تک میری رہنمائی کی اور دوسرے کی مدد سے میں اوپری منزل پر ڈائریکٹر کا ٹیک پہنچ گیا جہاں نوجی اور میرا نوجی کا قدیم دوست ڈینیئل جے مرنی میرے منتظر تھے۔ ڈینیئل اور میرے درمیان معاصرانہ چشمک لگی رہتی تھی ہم دونوں اکٹھے رٹرائیڈرل بنے لیکن میں پوچھ فرمائش کے نزدیک حلقے میں شامل تھا اس لیے اس سے ایک سال پہلے ہی وائس ایڈمرل بن گیا۔ بجل ڈینیئل سیکریٹری آف سٹیٹ کا اسسٹنٹ تھا اسی سیکریٹری کی لپشت پناہی سے اب ڈینیئل بھی "فورسٹار" آفیسر بن کر میرے برابر کا ریک حاصل کر چکا تھا اب اگر میں سی آئی اے کا ڈائریکٹر بن جاتا تو وہ میرا ڈیپٹی ڈائریکٹر ہو کر پھر میرا ماتحت ہوتا۔ عجیب صورت بن آتی تو گو کہ یہ ڈینیئل کے لیے معیوب سی بات تھی کہ میرے برابر کا عہدہ رکھنے کے باوجود وہ میرے ماتحت کام کرے لیکن اس نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے فون کر کے کہا کہ وہ میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کرے گا میں اس کی فراخ دلی کی قدر کرتا تھا اس کی قابیلیت ہم شک و شبہ سے بالاتر تھی لیکن ایک خیال بار بار میرے ذہن میں سر اٹھاتا رہا کہ آخر ایک ہی جیسا عہدہ رکھنے پر ڈینیئل میرا ماتحت بن کر کیا اپنے کام سے انصاف کر پائے گا اور دوسری بات کہ امریکہ کی سب سے بڑی انٹیلی جنس کے دو اعلیٰ ترین آفیسرز کا تعلق نبوی ہی سے ہونا کہیں سرکاری حلقوں میں نئی بحث کا موضوع نہ بن جائے۔

ہینگ نوجی سے میرا تعارف پہلے نہیں تھا اسے جارج لیش نے ۶، ۷، ۸ کے موسم گرما میں سی آئی اے کا ڈی سی آئی مقرر کیا تھا۔ نوجی مجھے طوعہ دفتر میں لے گیا یہاں میں ایک مرتبہ پہلے بھی آچکا تھا جب اس وقت کے ڈائریکٹر ولیم کولبی نے ایک کام کے

سلسلے میں مجھے طلب کیا تھا۔ اس وقت تو میں نے خیال نہیں کیا تھا لیکن اب غور سے سمجھنے کا جائزہ دیتا ہوں دیواریں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں چوتھی دیواریں جو اینٹوں سے بنائی گئی تھیں اس میں ایک کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی۔ ہینگ نوجی سے گفتگو خاصی کارآمد اور دلچسپ تھی ایک نئے جہاز کی کمان میرے ہاتھ میں آنے والی تھی اور اس ضمن میں پیش آمدہ حالات کے متعلق وہ مجھے بریفنگ کر رہا تھا جب میں نے اسے بتایا کہ نائب صدر کی خواہش ہے کہ وہ میرے ساتھ ان سنیٹرز سے میٹنگ کرے جو اس سلسلے میں ہمارے مددگار بن گئے تو وہ خاموش ہو گیا تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میں نائب صدر کے اس خیال سے متفق نہیں ہوں لیکن یہ اس کا حتمی فیصلہ ہے۔۔۔۔۔ میں نے اصرار کیا۔

وہ خاموش ہو گیا۔۔۔۔۔ میں یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ یہاں کوئی شخص امریکہ کے نائب صدر کی بات سے اختلاف بھی کر سکتا ہے تب میں نے سوچا کہ مستقبل میں بھی نوجی کی بطور ماتحت میرے ساتھ وفاداریاں شکوک ہو سکتی ہیں لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ میری باقاعدہ تقرری کے بعد اس کے خیالات تبدیل ہو جائیں۔

اگلے چند روز میں نے سی آئی اے سے متعلق کتابوں اور مختلف پیرز کے مطالعے میں بسر کئے ان کے ذریعے مجھ پر سی آئی اے کی قانونی حیثیت متنازعہ معاملات کی صورت میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت پیدا ہو گئی اب مجھے ان حاصل کردہ معلومات کی بنا پر سنیٹر کی طرف سے جرح کا سامنا کرنا تھا اس کے علاوہ نوجی نے سی آئی اے کے اعلیٰ افسران کے ساتھ میرے "ڈنرز" کی باقاعدہ سیریل کا آغاز بھی کر دیا یہ سب لوگ میرے لیے کارآمد ثابت ہونے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں سمجھنے میں مجھے مشکلات پیش آ رہی تھیں میں نے اندازہ لگایا کہ یہ بہت گہرے لوگ تھے بظاہر تو میرے ساتھ تعاون کر رہے تھے لیکن اس وقت تک کوئی شخص میرے ساتھ کلنے کے لیے تیار نہیں جب تک میری مستقل تقرری نہ ہو جاتی۔ میں اب اس بھاگ دوڑ سے تنگ آ گیا تھا روزانہ بھاگ بھاگ کیٹیج بل جاؤں وہاں سے ہوٹل پھر ڈنر اور بے مقصد گفتگو کا لمبا سلسلہ میں نے باقی تمام دعوتیں منسوخ کر دیں۔

مجھے سب سے پہلے اپنے پروگرام کی تفصیلات سے آگاہ کرنا اور اپنے اقدامات کے وضاحت پیش کرنا تھی۔ میرے ذہن میں جو خاکہ موجود تھا وہ میں نے بیان کر دیا جس کے بعد سینیٹ نے مجھ پر سوالات کرنے تھے۔ اس سلسلے میں چیئر مین کمیٹی کی طرف سے ہر سینیٹر کو دس منٹ دیئے گئے تھے۔ محال حکومت کے سامنے قانون کے دائرے میں خود کو محدود رکھ کر میرے لیے اس انداز کی بات چیت کا یہ پہلا موقع تھا اس وقت آکسفورڈ یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ کی تعلیم میرے بہت کام آئی۔ تین بجے سہ پہر تک یہ سلسلہ جاری رہا زیادہ تر سوالات سہ آئی بے اور مقننہ کے تعلقات کے حوالے سے کئے جارہے تھے میں نے تمام سوالات کے جوابات اپنی صوابدید کے مطابق دیئے۔ تین بجے ان لوگوں نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔

۲۶ فروری کو جب میں ”نالو“ کی الوداعی دعوت وصول کر رہا تھا سینیٹ کمیٹی نے اس روز میری تعیناتی کی تصدیق کر دی۔ یہ سب کچھ صرف پانچ روز میں انجام پا گیا۔ میں نالو کی کمانڈ سے الگ ہو کر ایک بالکل علیحدہ کیریئر کا آغاز کر رہا تھا اب میری منزل نیپلز کے بجائے واشنگٹن تھی۔

۱۹۷۳ء میں ڈیفنس سیکرٹری بننے سے پہلے جم کولبی پانچ ماہ کیلے سی آئی اے کا ڈائریکٹر رہ چکا تھا اس کے ساتھ چند مختصر ٹیکنیکل نمائندہ ثابت ہوئی اسی طرح نیویارک سے جیکب جو ممتاز مقام کا حامل تھا میرا مددگار ثابت ہوا۔

۲۲ فروری کو دن کے ۱۰ بجے ۴۰ منٹ پر رسل سینیٹر آفس بلڈنگ میں متعلقہ لوگوں کی ایک بھڑک چکی تھی یہاں میری بطور ڈائریکٹر سی آئی اے تعیناتی سے متعلق سماعت جاری تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میری نامزدگی پر کسی طرف سے مخالفت نہیں ہوئی۔ اس قدرے غیر دوستانہ ماحول میں میرے لیے رہوڈ آئل لینڈ کے سینیٹر جان ایچ چیفس کی موجودگی باعث اطمینان تھی۔ ۱۹۶۹ء میں جب میں نیوی میں کیپٹن تھا تو میری جان سے ملاقات ہوئی جو بعد میں گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ جان بڑا یار باش آدمی تھا بعد میں سینیٹر بن گیا اور اب اس کمیٹی میں جان کا نام بھی شامل تھا جس نے میری ماضی کی کارکردگی کا جائزہ لے کر میرے مستقبل کا فیصلہ کرنا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر سفید رنگ کی ایک سات منزلہ جدید طرز تعمیر کی حامل عمارت میں قائم ہے جس کے چاروں اطراف بڑے بڑے لان اور اندر کڑوں میں کھڑی سے بنے کین ہوئے ہیں۔ اس عمارت میں کسی بے ضابطگی یا بے اختیاطی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسے ہی آپ مین گیٹ سے اندر داخل ہوں دائیں ہاتھ پر ایک گنبد نما آئیڈیوٹریم نظر آئے گا جسے ہم بلی کھتے ہیں یہ بلڈنگ بالکل الگ تنگ کھڑی ہے گو کہ اس کا تعلق ہیڈ کوارٹر سے ہے۔ لیکن دونوں کو ایک زیر زمین سڑک آپس میں ملاتی ہے۔ بلی، عموماً مہانوں یا تقریب کے لیے استعمال ہوتی ہے یا پھر یہ بلڈنگ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شناخت سی آئی اے کے ایجنٹ کی حیثیت سے نہیں کروانا پسند کرتے۔ اسی بلڈنگ میں ۹ مارچ ۱۹۷۷ء کو ایسی سی ایٹ جسٹس آف سپریم کورٹ بائرن وائٹ نے مجھ سے حلف و فاداری لیا میں نے تین حیدرآباد سے حلف اٹھا یا تھا (۱) انٹیلی جنس ایڈوائزر ٹورپریڈیٹ (۲) امریکی کی تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں میں رابطہ کی حیثیت سے (۲) اور سی آئی اے کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے۔

صدر کارٹر میری درخواست پر اسی تقریب میں خاص طور سے تشریف لائے بعد میں انہوں نے میرے آفس میں تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہان سے خطاب کیا اور ہمیں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا جب اس ٹینگ میں آرمی انٹیلی جنس کے چیف نے مجھے ”ٹائیٹلر ہیڈ“ آف انٹیلی جنس کیونٹی کہا تو صدر کارٹر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا ”ٹائیٹلر ہیڈ“ نہیں ”ہیڈ“ کہو۔ پتھوڑی ویر بعد جب باقی تمام لوگ یہاں سے ”بلی“ میں واپس جا چکے تھے صدر اور میں اپنے کمرے میں موجود تھے تو صدر کارٹر نے مجھے کہا۔ ”سین ٹم انٹیلی جنس کیونٹی میں انقلابی اصلاحات کا آغاز کب کرو گے کسی بات سے گبرانا نہیں“

بلور ڈی آئی گو کہ میں عدالت کی کمیٹی میں شامل نہیں تھا لیکن بطور ایڈوائزر میری حیثیت بہت اہم تھی خصوصاً انٹیلی جنس سے متعلق معاملات پر میں اسے ہر طرح کی ”ایڈوائز“ دینے کا پابند تھا گو کہ صدر کارٹر سے میرے زیادہ روابط کبھی نہیں رہے تھے لیکن مجھے صدر کا مکمل اعتماد حاصل ہو چکا تھا اس تقریب میں امریکہ کی فریڈاسب ہی مقتدر سیاستدان موجود

تھیں جن میں زیادہ تر لوگ سیکورٹی سے متعلق تھے سی آئی اے میں ڈی سی آئی کی تہری ذمہ داریاں سنبھالنا کوئی کچھل کا کھیل نہیں یہ ایک جان لیوا اور تھکا دینے والا کام ہے آپ کو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے صدر کو رخصت کرنے کے لیے میں خود ان کی لمیوٹن کار تک ان کے ساتھ گیا پھر میں نے اپنے اہل خانہ کو بھی الوداع کیا اب میں ساتویں منزل پر واقع اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

میری ترجیحات میں سے اولین سی آئی اے پر مبنی میں ہونے والی بے تماشا تنقید سے نمٹنا تھا۔ میں سی آئی اے یا اپنے لیے مسائل پیدا کرنے کے بجائے مسائل کو ختم کرنا چاہتا تھا اس کے لیے کچھ انقلابی اصلاحات ضروری تھیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ۱۹۶۴ء کے آغاز ہی سے امریکن پریس اور غیر ملکی پریس میں سی آئی اے کے متعلق عجیب عجیب اور پریشان کن انگشتانات ہونے شروع ہو گئے تھے مزے کی بات تو یہ ہے کہ باقی تمام ایجنسیوں کے کارنامے بھی سی آئی اے کے کھاتے میں ڈال دیئے جاتے تھے اور اکیلی سی آئی اے ہی تنقید کا نشانہ بنی رہتی تھی۔

صورتحال یہ تھی کہ ۱۲ لاکھ مشتبہ امریکن شہریوں کی تفصیلات سے آئی اے کے کمپیوٹر میں محفوظ تھیں جو کسی بھی وقت ملکی تحفظ کے لیے خطرات کا باعث بن سکتے تھے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۵ء کے درمیان لاکھوں کی تعداد میں ہونے والی خط و کتابت کا ریکارڈ اس سے سوائے مشتبہ شہریوں کے ٹیلی فون ٹیپ کئے جاتے تھے ان کی خواب گاہوں میں خفیہ مائیکروفون نصب کئے جاتے تھے اس کے علاوہ جدید سائنٹفک آلات کی مدد سے ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاتی تھی۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیان ایسی ایک لاکھ سے زائد فائلیں جمع ہو چکی تھیں علاوہ ان کے شمار کیا نیاں اندھا کوئل ہی میں دفن ہو کر رہ جاتی تھیں خصوصاً ان لیڈروں سے متعلق جو امریکہ کے دورے پر آتے تھے۔

بیس ہزار سال تک سی آئی اے سے وابستہ رہا جب وہ ۱۹۷۳ء میں

لوگوں نے دروایاں تبدیل کر کے اپنے پرانے محکموں میں جانا شروع کر دیا۔ ان واقعات کے سرف پاچ ماہ بعد میں نے سی آئی اے کی کمان سنبھالی تھی

۵۰۔ مکے عشرے میں سی آئی اے نے اطلاعات کے حصول کے لیے نشتر اور اسٹار کے تجربات شروع کئے تھے۔ اس سلسلے میں سان فرانسسکو اور واشنگٹن میں سی آئی اے نے کچھ پرائیویٹ جنگلے بھی کرائے پر حاصل کر رکھے تھے۔ یہ معاملہ جاری تھا جب امریکی عوام میں "ایل ایس ڈی" جیسی خطرناک نشتر اور گولیوں نے شہرت حاصل کی اور اس کے سلسلے میں سی آئی اے سے ملائیے گئے اس پر باقاعدہ چیچ نے ایک کمیٹی قائم کی اور ۱۹۵۵ء میں یہ مطالبہ سامنے آیا کہ سی آئی اے نے مٹی ادویات سے جو تجربات کئے تھے ان سے قوم کو آگاہ کیا جائے اور متعلقہ فائلوں کے معائنے کی اجازت بھی دی جائے۔ اس سلسلے میں سی آئی اے کے ایک وفادار ایجنٹ نے اہم کارنامہ انجام دیا اور ایک خصوصی فائل کو غائب کر دیا تاکہ یہ کمیٹی کے سامنے نہ آ سکے۔ ۷۷ء میں اس بات کا علم کٹی کے اراکین کو ہوا تو اس پر بڑی دے دے ہوئی اور بر ملا کہا گیا کہ امریکی عوام کے "فریڈم آف انفارمیشن ایکٹ" کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

ابھی سی آئی اے ان حالات سے نمٹ ہی رہی تھی کہ ٹھیک ایک سال بعد ایک اور مہمیت آن پڑی اور پھر گڑے مودے اکھاڑے جانے لگے۔ اس مرتبہ معاملہ کے جی بی کے ایک معروف انفریورری نوٹسکو کا تھا جو ۱۹۶۳ء میں صدر جان ایف کینیڈی کے قتل کے چھ ماہ بعد امریکہ میں بناہ گزین ہوا تھا۔ ۱۹۷۸ء میں لوری نوٹسکو ایک مرتبہ پھر اخبارات کا مینووع بن گیا جب امریکن "ٹووس آف رپرزیٹٹیو" نے کینیڈی کے قتل کے محرکات کا جائزہ لینے کے لیے ایک خصوصی کمیٹی دوبارہ قائم کی۔ لوری نوٹسکو کینیڈی کے قتل کے دنوں میں کے جی بی میں آفریہ تھا۔ لی ماروے اور سوالڈ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۲ء تک روس میں قیام پذیر رہ چکا تھا جب نوٹسکو کے جی بی سے بھاگ کر امریکہ آیا تو تقریباً سب ہی امریکن انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اس کی تفتیش کی تھی۔ خاص طور سے اس امر کا جائزہ لیا گیا تھا کہ اس سوالڈ کا کے جی بی سے تو کوئی تعلق نہیں ملا۔ اس نے بتایا کہ کے جی بی نے اس سوالڈ کو کبھی دھور

ڈی سی آئی بنا تو اس نے سی آئی اے کے تمام ملازمین سے کہا کہ اگر ان کے علم میں اندرون خانہ ہونے والی کسی بھی بہرہ پیری کی اطلاع ہو تو وہ اسے ضرور بتائیں۔ ملازمین کی فراہم کردہ اطلاعات پر اس نے ۹۸ صفحات پر مشتمل فائل تیار کی جس کا نام دی فیلی جیولنز رکھا گیا اس کی ریٹائرمنٹ کے بعد جب بل کوہی سی آئی اے کا ڈائریکٹر بنا تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ فیلی جیولنز کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

کوہی نے اس سلسلے میں کچھ پیش رفت کی پہلا تب پچھا جب نیویارک ٹائمز کے ساکی مورٹری نے سی آئی اے کے متعلق زبردست کہانی شائع کی اور امریکی عوام کو سی آئی اے کے اندر کی کہانی کے ذریعے پہلی مرتبہ یہ علم ہوا کہ ایجنسی بروئی معاملات کے علاوہ اندرونی معاملات میں بھی مکمل مداخلت کرتی ہے اور سی آئی اے کے ذریعے کئی امریکیوں کی ذاتی سرگرمیوں پر نظر رکھی جا رہی ہے اسی کہانی کا چھپنا تھا کہ قیامت آگئی پہلے تو سرکاری اہوالوں میں اس کی گونج زور شور سے سنائی دینے لگی پھر عوام کی طرف سے اعلیٰ سطح پر معاملے کی تحقیقات کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔

۱۹۷۵ء میں صدر فورڈ نے نائب صدر نلسن راک فیلڈ کی سربراہی میں قائم کردہ ایک کمیٹی کو حکم دیا کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کرے کہ کیا سی آئی اے امریکی شہریوں کی جاسوسی بھی کراتی ہے؟ اس کے ساتھ ہی سینیٹر فرینک چرنج کی سربراہی میں سینیٹ سے ایک کمیٹی منتخب ہوئی اور ایک کمیٹی ہاؤس سے لی گئی۔ تینوں نے ۱۵ ماہ کی تگ و دو مختلف گواہیوں اور فائلوں کے معائنے کے بعد رپورٹ دی کہ سی آئی اے، این ایس ایف بی آئی اور آرمی انٹیلی جنس اپنے شہریوں کی جاسوسی کراتی ہیں اصولی طور پر کوئی غلط بات نہیں تھی لیکن چونکہ اسے چھپایا گیا تھا اس لیے خاصی دے دے ہوئی اور عوام الناس میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کے وقار کو زبردست دھچکا لگا جلجی پرتیل کا کام دیتنا اکی جنگ کے آخری دنوں میں سامنے آنے والے واقعات نے کہا: مالی لائی، اس کا قتل عام، کبوتریا پر خفیہ ہماری اور فونکس پر اکیٹ جیسے سینڈل سامنے آئے تو عوام نے بر ملا نفرت کا اظہار کرنا شروع کر دیا اس صورتحال نے انفران کو خاصا بد دل کر دیا خصوصاً فوج سے آنے والے

کرنے کے باوجود سی آئی اے نے نوٹس کو اپنا بیان بدلنے پر مجبور نہ کر سکی اور اسے بے گناہ قرار دینا پڑا۔

نوٹس کے کہیں میں سی آئی اے نے جو طریق کار تفتیش کے لیے اختیار کیا تھا اس پر عوام میں بڑی بے دے ہو رہی تھی اور سی آئی اے کے کامیج نامہ بگڑ رہا تھا۔ سی آئی اے کے سیکرٹس دوسرے شعبہ جات سے عموماً زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ خصوصاً وہ اطلاعات جو ہمارے جاننا ریکٹوں سے متعلق ہمارے پاس محفوظ رہتی ہیں ان کا ریکارڈ بہت خفیہ رکھا جاتا ہے۔ ان آلات کی تفصیلات بھی ہوتی ہیں جو سی آئی اے کے زیر استعمال رہتے ہیں۔ ہمارے ریکٹوں کی زندگیوں کا دار و مدار دراصل انہی خفیہ معلومات کا مرکب ہوں منت ہے ہمارا طریق کار یہ ہے کہ ہم متعلقہ امریکی اداروں کو درکار اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں جو تصدیق شدہ ہوتی ہیں لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اطلاعات حاصل کرنے کے ذرائع کیا ہیں؟ کون ہیں؟ کہاں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہم یہ بھی رپورٹ دیتے ہیں کہ ان حاصل کردہ اطلاعات پر متعلقہ ملکی ادارہ مستقبل میں کب تک انحصار کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے کہ معلومات اور ایجنٹ کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ ایک آپریشن کے کئی حصے بنائے جاتے ہیں اور کوئی ایک شخصیت ایسی نہیں ہوتی جسے تمام حصوں کا علم ہو۔ سولے چند ایک خاص لوگوں کے ہر کسی کو اس کے متعلقہ کام سے باخبر رکھا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو کسی بھی وقت کسی ایجنٹ کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے اور ہماری لازوری بھی اسی طرح برقرار رہتی ہے۔

میں نے اندازہ لگا یا کہ نوٹس کے کہیں کی طرح ہمارے اندرونی آپریشنز میں بسا اوقات چیک سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی فشکار تہذیب آسکتی ہیں میں حکمتانی تقسیم کو تو تسلیم کرتا تھا لیکن میں نے نوٹس کو جیسے کسی اور ایسے سے بچنے کے لیے ضروری سمجھا کہ ہر ڈیپارٹمنٹ کو متعلقہ اطلاعات سے ہی باخبر رکھا جائے اور سب پر ایک مشترکہ نگرانی ضرور ہونی چاہیے۔

جاسوسی کی دنیا میں دو طرح کے جاسوس ہوتے ہیں جن کی جانوں کو ایک ہی طرح

اعتنا ہی نہیں جاتا تھا۔ اب ۱۹۷۸ء میں قائم ہونے والی اس کمیٹی نے مطالبہ داغ دیا کہ وہ یوری نوٹس کی تفتیشی رپورٹوں کا از سر نو جائزہ لینا چاہتی ہے۔ اس صورت نے ایک مرتبہ پھر سی آئی اے کے لیے نیا امتحان کھڑا کر دیا تھا اسے جائزہ لینا تھا کہ یوری نوٹس کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہا؟

سکاؤٹر ٹیلی جنس کے معاملات سے نمٹنے کے فرائض میں اینگلن انجام دیتا تھا اور اس کی یہ رپورٹ تھی کہ میں نے اور والڈ کی ڈیوٹی "یوٹو سہ پائی منصوبے" پر وگائی تھی وہ کے جی بی کی نظروں میں رہا تھا۔ عین ممکن ہے کہ کے جی بی نے نوٹس کو اس لیے امریکہ بھیجا ہو کہ وہ امریکن انٹیلی جنس کی تفتیش کو غلط راستے پر لگا دے۔ اس طرح اس کا کردار شکوک ٹھہرتا تھا۔ دوسری طرف ان دنوں روس سے بھاگ کر آنے والے ایک اور کے جی بی کے ایجنٹ اناطولی گولڈسٹن نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ یوری نوٹس کو ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا ہے اور اسے ایک کہانی کے سانچے کے جی بی نے خود امریکہ میں پلانٹ کیا ہے۔ یوری نوٹس کے حق میں صرف یہ بات جاتی تھی کہ اگر وہ واقعی کے جی بی کا مفور ہے تو اس نے جو اطلاعات ہمیں کے جی بی کے مختلف آپریشنز کے متعلق بہم پہنچائی تھیں وہ اناطولی سے زیادہ معتبر اور اہم تھیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس کی اہمیت اناطولی سے زیادہ تھی۔ یہ سب تو ٹھیک تھا لیکن اب نوٹس کو شکوک ہو چکا تھا۔ نوٹس نے ہمیں بہت اہم اطلاعات بہم پہنچائی تھیں۔ اس نے ماسکو کے امریکی سفارت خانے میں کے جی بی کی طرف سے نسب شدہ گمرانی اور ریکارڈنگ کے مکمل نظام سے ہمیں آگاہ کیا تھا اور مغربی یورپ کے ایک ملک میں کے جی بی کے ایک طاقتور اور مضبوط اڈے کا بھی انکشاف کیا تھا لیکن ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ اب وہ ڈبل ایجنٹ تھا اور اینگلن کی یہ ڈیوٹی تھی کہ اس سے بزور اس کا اعتراف کروائے۔

یوری نوٹس کو بہت مضبوط اعصاب کا ایجنٹ تھا۔ سی آئی اے نے اسے ساڑھے تین سال قید تنہائی میں رکھا اس دوران اس پر ہر ممکن حربہ آزمایا گیا۔ اسے ذہنی اور جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ ادویات کے سہارے بھی سچا گلے پر مجبور کیا گیا۔ اس دوران ۲۹۲ دن تو ایسے تھے جب ۲۴ گھنٹے روزانہ اس کی تفتیش ہوتی تھی۔ ہر ممکن غیر انسانی حربے استعمال

کی ایسی معلومات درکار ہوتی ہیں جن کا علم نہ تو کسی افسر کو ہوتا ہے نہ ہی ایجنٹ کو۔ ایسی صورت میں ایجنٹ سے ماہرین کی ملاقات ضروری ہوتی ہے تاکہ اسے سمجھا جاسکے۔ یہی آئی اے اپنی معلومات کو خفیہ رکھنے کے لیے ایجادات کرتی رہتی ہے لیکن اس دوطرفہ کا خاتمہ کبھی نہیں ہوا۔ گاہم عوام کو خفیہ ہتھیار یا طریق کار اختیار کرتے ہیں وہ بالآخر دوسری متحارب جاسوسی تنظیموں کی نظر میں آ جاتا ہے اور ایجادات کی یہ دوطرفہ جاری رہتی ہے۔ یہی آئی اے اور کے جی بی میں مقابلے کی دوطرفہ سطح پہلگی رہتی ہے گو کہ ہم نے ایسی "جاسوسی جنگ" سے ہمیشہ سزاوارتہ ہے لیکن اس کا جواب دینے میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔

جولائی ۷۷ء میں روس نے امریکی سفارتی عملے کی ایک رکن مارٹھا پیٹریشیا کو روس سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ مارٹھا پر بڑے سنگین الزامات لگائے گئے اور کہا گیا کہ وہ یہاں منشیات اور زہریلے کیپسول بھی تقسیم کر رہی تھی اس کے علاوہ اس نے روس میں باقاعدہ ایک جاسوسی گروہ قائم کر رکھا تھا۔ روس کے سرکاری اخبار "ازویستیا" نے اس خبر کو بہت اچھلا اور خوب مزاح مسلحہ لگا کر ایک لمبے عرصے تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔ جبکہ اس میں سلیت بالکل نہیں تھی اور ہمارے ملحد مس پٹرسن کے معاملے میں بالکل صاف تھے سب کچھ کے جی بی نے ایک منصوبے کے تحت کیا تھا۔

متحدہ ریاستوں نے امریکی سفارت کاروں کو غلط الزامات لگا کر ملک سے نکالا۔ ایک مرتبہ ایک روسی باشندے کو پکڑا کر اس پر مقدمہ چلادیا اور اس کی کارروائی ساری دنیا میں نشر ہوئی رہی بعد میں اسے چھانسی بگاڑا گیا۔ دراصل روس یہ حرکتیں اپنے شہریوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے کرتا رہتا ہے تاکہ وہ سی آئی اے کے چکر میں نہ پھنسیں اور اگر کوئی ایسا ارادہ رکھتا بھی ہے تو وہ نرا کے خوف سے محتاط ہو جائے۔

بعض معاملات پر بھی مسکت جواب دینا ہی پڑتا ہے مارٹھا پیٹریشیا کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا جس کا جواب الف بی آئی کی طرف سے ۸ ماہ بعد مئی ۷۸ء میں دیا گیا۔ جب ایک امریکی اور دوسری شہریوں کو امریکہ میں جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ چکر امریکن

کے خدشات لاسن رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کیس آفیسر اور دوسرا ایجنٹ کہلاتا ہے۔ کیس آفیسر عموماً امریکن شہری ہوتا ہے۔ خواہ وہ امریکہ میں ہو یا دنیا کے کسی بھی حصے میں موجود ہو اس کا رابطہ براہ راست سی آئی اے سے ہوتا ہے۔ یہی کیس آفیسر سی آئی اے اور ایجنٹ کے درمیان "رابطے" کے فرائض انجام دیتا ہے۔ ایجنٹ عموماً غیر ملکی ہوتے ہیں جنہیں امریکہ کے لیے خدمات انجام دینے کے متمنی رہتے ہیں کچھ ایجنٹ نظریاتی بنیادوں پر کچھ پیسے کے لیے، کچھ اپنی حکومتوں سے نفرت کے سبب اور کچھ ذاتی دوستی کے حوالے سے جو ان کی کیس آفیسر کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہی کیس آفیسر انہیں بھرتی کرتا ہے۔ ایجنٹوں کی بھرتی کے وقت سی آئی اے کے ماہرین نفسیات ان سے انٹرویو کرتے ہیں۔ یہ انٹرویو دنیا کے کسی بھی ملک میں ہو سکتا ہے۔ ماہرین اپنے علم کے سہارے اور دیگر معلومات کے بل بوتے پر یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ ایجنٹ کس حد تک قابل اعتبار ہے۔ متعلقہ ملک کے شہری ہمارے لیے اپنے ممالک میں بہترین ایجنٹ ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ایسے میں وہ زیادہ آسانی سے کام کر سکتے ہیں۔ غیر ملک کے ایجنٹ کے لیے یہ بڑا جان جو کھوں کا کام ہے۔ مثلاً اگر ہمیں کسی ملک کی کاہنہ کے فیصلے کے متعلق اطلاعات درکار ہیں تو اس کا بہترین ذلیعہ کاہنہ کے اندر کے لوگ ہیں خصوصاً وہ آدمی جس نے فیصلے ٹاپ کرنے میں یا پھر اندر کا ایسا آدمی جو باآسانی ہر کرے میں آ جاسکتا ہے یہی شخص کسی بھی کرے میں مانگیر وفون نصب کر سکتا ہے کسی امریکی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اتنی آزادی سے کام کر سکے زبان ہی بسا اوقات بہت بڑا مسئلہ بن جاتی ہے۔ ایجنٹ کی بھرتی میں بھی خاص احتیاط ملحوظ رہتی ہے۔ اکثر ممالک میں کسی غیر ملکی کے ساتھ اپنے شہری کی ملاقات پر ہی اس کی نگرانی شروع ہو جاتی ہے۔ حفظ اتقدم کے لیے ایسے ممالک میں کام کرنے کے لیے اس ملک کے شہریوں کی بھرتی کسی تیسرے ملک میں کی جاتی ہے۔

کسی بھی ایجنٹ کی بھرتی کے بعد اس سے مسلسل رابطہ ایک خطرناک اور حساس نوعیت کا کام ہے۔ کیس آفیسر کو کم از کم ایک دوسرے اس سے براہ راست "اطلاعات" حاصل کرنا ہوتی ہیں اور اس ملاقات میں بہت سے خطرات شامل رہتے ہیں بسا اوقات ممکنہ نوعیت

کسی بھی انٹیلی جنس کے لیے ایک ضروری اور اخلاقی ذمہ داری اپنے ایجنٹوں کا تحفظ ہونا ہے اور سی آئی اے نے اس معاملے میں کبھی کوتاہی نہیں دکھائی۔ میری چار سالہ مدت ملازمت کے دوران ہم نے بعض ناقابل یقین حد تک مشکل آپریشنز اس سلسلے میں کئے اور کئی مقامات سے اپنے ان ایجنٹوں کو نکالا جو شکوک ہو جاتے تھے اور جن کی گرفتاری کا خطہ درپیش رہتا تھا۔ اپنے ایجنٹ کے لیے سی آئی اے ہر ممکن تحفظ فراہم کرتی ہے۔ ہیڈ کوارٹر میں اس کا علم کسی کو نہیں ہونا سوائے ایجنٹ کے کیس انویسٹر کے۔ ہم نے ہزاروں ایجنٹس بیرون ممالک بھرتی کئے ہوتے ہیں۔ ہماری کئی خفیہ کانفرنس ان ایجنٹوں کے ساتھ سی آئی اے کے مختلف اڈوں پر ہوتی تھیں۔ ان مقامات پر حفاظت کے خصوصی اقدامات کئے جاتے ہیں اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں کہ یہاں کوئی بیرونی مداخلت نہ ہو سکے خصوصاً یہاں کوئی مائیکروفون نہ آکر نصب نہ کیا جاسکے لیکن اس کے باوجود ہمارے ذہن میں یہ بات موجود رہتی ہے کہ کیا ہم محفوظ ہو گئے ہیں یا کیا الیاتو

نیوی کے ایک انویسٹر کے ذریعے چلایا گیا جو جاسوسی تو روس کے لیے کر رہا تھا لیکن یہ منصوبہ ایف بی آئی کا بنایا ہوا تھا۔ روڈلف اور ولڈی ایگر نامی دوروی جن کے ذریعے وہ جاسوسی کر رہا تھا لوہا ان کے دفاتر میں کام کرتے تھے اور انہیں مس مارٹن کی طرح ڈپلٹیک سٹیس بھی حاصل نہیں تھا۔ ہم انہیں کورٹ میں لے گئے۔ روسیوں نے تو مارٹن کو صرف اپنے ملک سے نکالا تھا ہم نے ان کے آدمیوں کو جیل کی ہوا بھی کھلا دی۔

ان دنوں جی کارٹر اور صدر برزنیف کی ملاقات ہونے والی تھی اور انہوں نے سالٹ II معاہدے پر بات کرنی تھی۔ ہم پر بڑا دباؤ تھا کہ اس صورت حال میں جاسوس ایجنٹوں کو الیا کیل نہیں چرانا چاہیے تھا۔ لیکن میں نے اس بات کی مخالفت کی۔ جیسے ہی ہم نے روسیوں کو جیل بھیجا۔ روس نے اس کا جواب دیا اور ایک امریکی شہری کو روس میں بلیک مارکیٹنگ کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ اسے چند ہفتے جیل میں رکھ کر رہا کر دیا۔ اس کے فوراً بعد پہلی مرتبہ روس نے عالمی سطح پر مس مارٹن کی سرگرمیوں کی تفصیلات سنائیں حالانکہ یہ ایک سال پہلے ہی بات تھی۔

سی آئی اے کا جاسوسی سیارہ

کر دل کا خدا ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ کسی پاس مزید اطلاعات نہیں یا وہ اس لالچ میں آ گیا کہ اس نے میری بات سے اتفاق کر لیا۔

میں نے چھان بین شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی دال میں کالائفا اور جس واقعہ کی طرف وٹو نے اشارہ کیا اس کا علم ایجنسی کے کچھ لوگوں کو ہے اس معاملے میں ادول اور ہیلڈ وٹو ضرور نظر آتے تھے میں انہیں سخت مزاحیہ کے حق میں تھا جبکہ کونسٹرڈاس کی مخالفت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں معمولی سزائیں کی جائیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ کچھ پرانے گھماکے لوگ میری اتھارٹی کو چیلنج کر رہے ہیں اور میرے لیے آئندہ بھی مشکلات پیدا کر سکتے ہیں مجھے سی آئی اے میں آئے چھ ہفتے ہوئے تھے اور فیصلہ یہ کرنا تھا کہ اس گروپ کی ہاں میں ہاں ملا جاؤں یا پھر ان کے خلاف ڈٹ جاؤں؟ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ادول اور ہیلڈ وٹو کو برخاست کر دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنا کنٹرول ایجنسی پر کمزور ہونے دوں۔ ۱۲ اپریل کو میں باب وٹو سے ملا اور اسے اصلیت سے آگاہ کیا۔ باب نے اگلے مضمون میں یہ کہانی بیان کرتے ہوئے لکھا کہ میں نے ولسن کیس میں ذمہ دار دو ملازمین کو برطرف کر دیا ہے اور میری یہ پالیسی مستقبل میں سی آئی اے میں غیر ذمہ دار لوگوں کے لیے خطرے کا سنگل ہے اس کہانی کے بعد سے مجھے امریکی پریس نے کبھی نظر انداز نہیں کیا اور کچھ سال بعد جب ولسن جیل پہنچ گیا تو بھی میں اخبارات میں زیر بحث رہا۔

ایک طرف اگر ہم غیر ملکیوں کو سی آئی اے کے لیے کام کرنے کو تیار کرتے ہیں تو دوسری طرف ملکی ایجنسیاں امریکیوں کو اپنے کام کے لیے بھی تیار کرتی ہیں۔ ایسے غداروں پر نظر رکھنا کاردار ہے۔ بسا اوقات تو امریکیوں کا غیر محتاط رویہ اور گنگو و دیگر جاسوسی اداروں کو نامہ پہنچاتا ہے لیکن زیادہ خطرناک وہ ہوتے ہیں جو ہماری متحارب تنظیموں کے ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ خطرے والی بات یہ ہے کہ جب ہمارا اپنا کوئی ملازم دوسری ایجنسی کے قیام آجائے۔ ایک تو وہ ملکی راز فاش کرتا ہے اور دوسری طرف اس ملک میں موجود ہمارے ایجنٹوں کے لئے بھی خطرہ بن جاتا ہے اس طرح متحارب جاسوسی تنظیم کو ان کے تدارک کا موقع مل جاتا ہے اور ہماری تمام ماسعی خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔

نہیں کہ کوئی روسی ایجنٹ ہمارے درمیان موجود ہے؟

اس کے علاوہ ایک اور پریشانی ہمیشہ لاحق رہتی ہے وہ امریکی عوام اور پریس کا سی آئی اے سے رویہ ہے۔

۱۹۷۷ء میں جب میں نے ڈی سی آئی کا چارج سنبھالا تو نئے بھرتی شدہ ملازمین نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا کہ انہیں معاشرتی تحفظ مہیا کیا جائے۔ آخر وہ ایک باعزت پتہ اختیار کر رہے تھے کوئی غلط کام نہیں کرنے جارہے تھے سی آئی اے پر امریکی پریس کی طرف سے ہونے والی بے جا تنقید اکثر لوگوں کو دل برداشتہ کر دیتی ہے۔

۱۲ اپریل ۷۷ء کو میری تعیناتی کے بشکل ۵ ہفتے بعد ہی واٹر گیٹ سکینڈل کے شہرت یافتہ صحافی باب وٹو نے "واٹنگٹن پوسٹ" میں ایک رپورٹ شائع کی جس نے مجھے چونکا دیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ستمبر ۷۶ء میں واٹنگٹن میں چلی کے

سفیر کو جس ہینسل بم سے قتل کیا گیا تھا وہ سی آئی اے کے ایک سابقہ آفسیر ایڈیٹر جنرل ولسن کا کارنامہ تھا۔ اس کے سانحہ یہ بھی کہا گیا کہ ولسن نے صدر فڈائی کے کہنے پر یہ کارنامہ انجام دیا اور اب بھی سی آئی اے میں موجود کئی افسران سے "ہینسل بم" کے ضمن میں اس کا رابطہ قائم ہے۔

میرے لیے پریشانی کی بات یہ تھی کہ کیا سی آئی اے میں آستین کے سانپ موجود ہیں؟ اور وٹو نے تفصیلات کے ساتھ کب نئی کہانی شائع کرے گا؟ میری وٹو کے ساتھ ملاقات ۶۶ء میں ہوئی تھی جب وہ نیوی میں ایک جوئیز آفسیر تھا۔ دوسری ملاقات پھر کچھ عرصہ بعد ڈی وی کی طرف سے منعقدہ ایک مذاکرے میں ہوئی۔ ان ملاقاتوں میں مجھے وہ ایک سمجھدار انسان دکھائی پڑا تھا میں نے اپنے پبلک آفسیئر انچارج ہرب کے ذریعے اسے یہ پیشکش کی کہ وہ اگر کچھ دن تک اپنی اگلی کہانی شائع نہ کرے اور مجھے یہ موقع فراہم کر دے کہ میں اس کے الزامات کی تحقیقات کر سکوں تاکہ وہ کالی بھیڑیں میری نظر میں آجائیں تو میں اس کا نہ صرف شکریہ گزاروں گا بلکہ اسے ایک شاندار نیوز سٹوری بھی فراہم

ایک تو دوزخ جہانوں کے سٹو فر لوائس اور ڈولٹن کی کیلے فز نیاسے گرفتاری تھی۔ یہ دونوں نوجوان اچانک دولت مند ہو گئے تھے اور اکثر لاس انجیلز کے گروگرو پائے جاتے تھے۔ لوائس تو ایک کالج سے اخراج شدہ طالب علم تھا اور ڈی آر ڈبلیو کارلوپرشن میں سول کی کرتا تھا۔ لوائس اپنے حالات سے خاصا غیر مطمئن تھا خصوصاً ویت نام میں امریکی کے داس پر کڑھتا رہتا تھا۔ لی کو شراب اور جوئے کی لت پڑ گئی تھی۔ ۱۹۷۵ء کے آغاز میں انہوں نے منصوبہ بنانا شروع کیا کہ لوائس ڈی آر ڈبلیو سے راز اڑائے اور لی وہ لازمی کیوے جاکر روسیوں کے ہاتھ فروخت کر دے۔ اپریل ۷۵ء میں لی نے پہلا پھیرا لگایا۔ اس دوران وہ میکین کی نظروں میں آگیا۔ انہوں نے نوٹ کیا کہ لی روسی سفارت خانے کے کچھ زیادہ ہی چکر لگا رہا ہے۔ جنوری ۷۷ء میں لی گرفتار ہو گیا۔ عدالت میں مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی تو ایک نئی قیامت آن پڑی۔ یہیں عدالت میں وہ خفیہ دستاویزات پیش کرنی تھیں جو چوری ہوئی تھیں اور ان پر بحث بھی ہوتی۔ ٹھیک ہے یہ راز روس تک مینچ گئے تھے لیکن ہم نہیں چاہتے تھے کہ دنیا کے باقی ممالک بھی اس سے آگاہ ہوں۔ بہر حال کیس چلا لوائس کو ہم سال اولی کو عرق قید کی سزا ہوئی۔

دوسری مثال سی آئی اے کے ملازم کپاٹن کی ہے جو مارش ۷۷ء میں بھرتی ہوا۔ اس کی ڈیوٹی "سویج سنٹر" میں لگائی گئی جہاں ہم دنیا بھر میں موجود اپنے ایجنٹوں اور برقی تنصیبات کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ نومبر ۷۷ء میں اپنی ملازمت کے صرف ۸ ماہ بعد کپاٹن نے اپنے سپروائزر سے معاصرانہ چشمک کی بنا پر "جاسوسی براخ" میں جانے کی درخواست کی لیکن اس کی کارکردگی کے پیش نظر یہ درخواست رد کر دی گئی۔ جس پر کپاٹن نے استعفیٰ دے دیا۔ جانے سے پہلے وہ سی آئی اے کے ایک فوٹو گرافر ٹیلاٹ سسٹم کے ایچ اکیمنٹل بھی اپنے ساتھ لے گیا جو اس نے بعد میں تین ہزار ڈالر کے عوض روسیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کپاٹن نے اپنی صفائی میں کہا کہ اس کا مقصد سینیٹلے جانے سے یہ تھا کہ وہ اسے روسیوں کے ہاتھ فروخت کر کے سی آئی اے سے دوبارہ رابطہ کرنے کا۔ اور اس طرح "ڈبل ایجنٹ" بن کر ملکی خدمات انجام دے گا کیونکہ سی آئی اے نے تو

بسا اوقات دوسری جاسوسی تنظیموں کے ڈبل ایجنٹ ہم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اتنی اہم اطلاعات لاتے ہیں کہ ان کی خدمات مشکوک نہیں رہتیں لیکن اگر کے عوض وہ ہمارے ہاں سے زیادہ اہم اطلاعات حاصل کر کے اپنے ملک پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے ان ملکوں کو زیادہ فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہیں کچھ اطلاعات کا چارہ ڈال کر وہ سی آئی اے کے طریق کار سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ اس کیل میں روسیوں کو کمال کا ملکہ حاصل ہے روسی ٹھنڈے دماغ کے اور صبر والے لوگ ہیں۔ وہ اس مقصد کے لیے کئی سال تک انتظار کرتے ہیں اور ایک ایجنٹ کئی سال پہلے ہم میں داخل کر کے سارا بعد اس کی محنت کا پھل کھاتے ہیں۔

ایجنسی میں موجود غیر ملکی ایجنٹوں کا متنازعہ ایجنسیاں خوب خوب استعمال کرتی ہیں۔ سی آئی اے میں ایسی دو مثالیں مشہور ہیں ایک تو فلپ جس نے ۱۹۶۸ء میں سی آئی اے سے بوجہ استعفیٰ دے دیا اور پھر کیو بی اے جاکر کتاب لکھی جس میں سی آئی اے کو خاصا بڑا نام کیا گیا۔

دوسرا کیس ڈیوڈ ایچ برنٹ کا ہے جس نے ۱۹۷۰ء میں سی آئی اے سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۸۰ء میں جب وہ گرفتار ہوا تو اس نے اقرار کیا کہ ۷۶ء سے ۸۰ء تک روسیوں کے لیے جاسوسی کرتا رہا ہے۔ اس نے کہی کہ یہ راز فراہم کیا تھا کہ سی آئی اے نے کس طرح روس کی طرف سے ایڈونٹیا کو دیئے جانے والی خفیہ جنگی امداد کا کھونٹ لگایا تھا ایسے ہم رازوں کا انکشاف قابل گرفت اور حرم ہے برنٹ کو ۱۰ سال قید کی سزا دی گئی تھی۔ قسمتی سے ایسا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ دوران ملازمت وہ کہی کہی کے لیے کام کرتا رہا ہے۔ بصورت دیگر وہ زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن لوگوں نے سی آئی اے کے ملازمین ہوتے ہوئے کہی کہی کے لیے جاسوسی کی اور بہت سی اہم اور ستر رساں اطلاعات دشمن کو فراہم کیں۔ لیکن وہ اصل میں دوران ملازمت ڈبل ایجنٹ نہیں تھے۔ علاوہ ان میں سے بہترین بہت چھوٹے درجے کے ملازمین تھے۔ میری مدت ملازمت میں ہم نے دو اہم جاسوس گروہ گرفتار کر لیے تھے۔ جن میں سے

وہ ہیں ہماری کٹھ تپتیاں بن جاتی ہیں جنہیں ہم اپنی مرضی کا نایج بچا سکتے ہیں۔ اس طرح کار سے سی آئی اے کے بسا اوقات غیر ممالک میں اپنے ہم خیال گروپوں کو بآسانی مدد پہنچا دیتی ہے اور ہمارا نام بھی درمیان میں نہیں آتا۔ امریکی تنظیمیں ہماری پشت پناہی پر طلبہ اور مزدوروں کی مختلف تنظیموں کے غیر ملکی دوروں کا اہتمام بھی کرتی ہیں۔ مثلاً جب روس اپنے پراپیگنڈے کے لیے ورلڈ سٹوڈنٹس مومنٹ چلانے کا پروگرام بنا رہا تھا تو سی آئی اے نے ۲۵۰ امریکی طلبہ کا ایک گروپ ماسکو، وی آنا اور ویلنکی میں یوتھ فیسٹول میں شرکت کے لیے بھیج دیا تاکہ سیاسی سطح پر ہم روس کی پیش بندی کر سکیں۔ اس کے بہت مثبت اثرات برآمد ہوئے اور روس کا یہ منصوبہ بین الاقوامی سطح پر ریپٹ کر رہ گیا۔ ایسی طلبہ تنظیمیں اپنے ممالک تک ہی محدود ہو کر رہ گئیں۔

عموماً یہ کام امریکی پرائیویٹ فزموں کی وساطت سے انجام پاتا ہے گو کہ سی آئی اے اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً مختلف ناموں سے اپنی فزموں میں قائم کرتی رہتی ہے لیکن فورڈ، راک فیڈر اور کارپنچی نامی فزموں کے ذریعے ۱۹۶۳ء سے ۶۷ء تک سی آئی اے نے اوجھ سے زیادہ ادائیگی اپنے غیر ملکی طفیلوں کو کی۔ اس رقم کا ایک تہائی حقہ عوامی صحت کی بہبود اور سوشل سائنسز کی بہتری کے کام پر ادا کیا گیا سی آئی اے کی ایسی کارروائیاں کبھی خفیہ نہیں رہ سکیں۔ ایک بڑا انکشاف نیشنل سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے سلسلے میں ۱۹۶۷ء میں ہوا۔ ہم ہر مہرے دار کو تو اعتماد میں لیتے نہیں تھے۔ پہلے پہلے کچھ لوگوں کو اعتماد میں لیا لیکن ہر سال انتخابات ہوتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر جانے والے نے آنے والے کو اس راز سے آگاہ کر دیا۔

۶۷ء میں ایک طالب علم لیڈر نے ”ریم پارٹس“ نامی ایک رسالے کو انٹرویو دیتے ہوئے ہمارا جائزہ پھوڑ دیا جس پر امریکی پریس میں خاصی لے دے ہوئی۔ مزدور طلباء اور دیگر تنظیموں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے ساتھ ساتھ سی آئی اے غیر ممالک میں پراپیگنڈہ مشنری کو بھی ہاتھ میں رکھتی ہے۔ جن کے ذریعے رائے عامہ پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے ایران، چلی اور دنیا کے بہت سے ممالک میں سی آئی اے نے پریس کے ذریعے مطلوبہ

اسے جاسوسی براہیج کے لیے ناکارہ قرار دے دیا تھا اس طرح وہ اپنی اہمیت منوا کر جاسوس براہیج میں جاسکتا تھا۔ اگر اس کی بات مان بھی لی جاتی تو یہ انتہائی مضحکہ خیز اور خطرناک طریقہ تھا۔ عدالت نے اسے ہم سال کے لیے جلی بھیج دیا۔

”پولی گراف“ یعنی جھوٹ پکڑنے کی مشین ہمارا بہترین ہتھیار ہے لیکن اکثر بیچارے بھی جلی دے جاتے ہیں۔ خصوصاً کے جی بی تو پولی گراف پر قابل اعتماد نہیں رہی۔ ”کوورٹ ایکشن“ ہماری ایک خفیہ اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی بھی ملک میں ہماری خفیہ تحریکی کارروائی جس میں بظاہر ہم سامنے نہیں آتے۔ اس کھیل میں ہم اپنے ہتھیار لوگوں کی پشت پناہی کے لیے مطلوبہ مقاصد حاصل کر لیتے ہیں۔ ستمبر ۶۴ء میں سی آئی اے کے قیام کے وقت کوورٹ ایکشن کے متعلق کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی لیکن ۱۹۵۳ء میں ۴۸ ممالک میں ہم مختلف انداز سے مداخلت کر رہے تھے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت یو این او کے ممبر ممالک کی تعداد ۷۰ تھی۔ ان خفیہ آپریشنز کا دراصل مقصد یہ تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپی ممالک میں روسی کمیونزم کی تحریک کو کچلا جائے اور ان طلبہ، مزدور اور سیاسی گروپوں کی حمایت کی جائے جو ہمارے مقاصد پر پورے اترتے ہوں۔ اس سلسلے میں پراپیگنڈہ کا ہتھیار بھی خوب استعمال کیا جاتا ہے۔ یورپ کے بعد ”کوورٹ ایکشن“ کا دائرہ دنیا کے دیگر ممالک تک پھیلا دیا گیا اور یوں یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا۔ ۵۰ء اور ۶۰ء کے عشروں میں سی آئی اے کی دنیا کے مختلف ممالک میں مداخلت اتنی بڑھ گئی کہ ”چرچ کیٹی“ کی رپورٹ کے مطابق اس سے امریکن معاشرے کا ہر حصہ بری طرح متاثر ہونے لگا۔

۱۹۶۷ء میں اپنے ہم خیال اور دوست گروپوں کی مدد کے لیے سی آئی اے نے ۱۰ بلین ڈالر خرچ کئے۔ اس رقم کا بیشتر حصہ امریکی مزدور طلبہ اور مختلف جماعتوں کو ہم پہنچایا گیا تاکہ ان کے ذریعے ہم دنیا کے دوسرے حصوں میں اپنے ہم خیالوں کے ہاتھ مضبوط کر سکیں۔ امریکی تنظیمیں ہمارے اور دوسرے ممالک کے درمیان رابطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن غیر ملکی سیاسی مزدور اور طلبہ تنظیموں کو ہم پیہر دیتے ہیں

مقاصد حاصل کئے۔

ستمبر ۷۷ء میں مجھے پہلی مرتبہ انٹیلی جنس کے تکنیکی ذرائع سے حاصل شدہ معلومات سے واسطہ پڑا۔ میں ان دنوں امریکہ کے دوسرے بحری بیڑے کا کمانڈر تھا اور نیوی کے ایک بیڑے حصے کے کمانڈر تھا ہوا اٹلانٹک عبور کر رہا تھا۔ جب ہمارا بیڑہ نارویجن سمندر میں داخل ہو کر اٹلانٹک کے فلیٹ ہیڈ کوارٹر ناموک ورجینیا پہنچا تو مجھے ایک پیغام کے ذریعے خبردار کیا گیا کہ دوروی بحری جہاز ہماری سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے ہمارے نزدیک پہنچ رہے ہیں ان سے ہوشیار رہا جائے۔ پیغام سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے نے یہ اطلاعات اپنے تکنیکی آلات کے ذریعے حاصل کی ہیں لیکن اس زمانے میں سی آئی اے اس کا اقرار نہیں کرتی تھی۔ سچی کہ فلیٹ کمانڈر کو بھی لاعلم رکھا جاتا تھا صرف ڈھائی سال بعد وہ موڈیا بیڑہ بطور ڈی سی آئی اے مجھے ہیکنگ انٹیلی جنس سسٹم کے ذریعے حاصل کردہ معلومات سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ یکم اکتوبر ۷۸ء کو صدر کارٹر نے فیصلہ کیا کہ ہمارے اس سسٹم کے متعلق امریکی کا اور نیول کمانڈر کو بے خبر نہیں رکھا جائے گا اور انہوں نے انکشاف کر دیا کہ ہم سٹیلٹ سسٹم کے ذریعے جاسوسی مقاصد کے لیے تصاویر حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح صدر کارٹر اور اصل دنیا کو باور کروانا چاہتے تھے کہ اگر روس سالٹ ۱۱ معاہدے کی کوئی خفیہ خلاف ورزی کرے گا تو ہمیں اس کا علم ہو جائے گا۔

امریکی عوام اس نظام کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھے لیکن انہیں صرف ایک حد تک ہی اطلاعات بہم پہنچائی گئیں۔ یکم ستمبر ۷۸ء کو جب روس نے کوریائی اٹلانٹک کا ایک جہاز تباہ کیا تو امریکی وزیر خارجہ شلڈن نے یہ بیان دے کر تھک چکا کہ ریکارڈوں نے اپنے ریڈیو رپورٹ جہازات چیت کی تھی وہ ہم نے اپنے ایکٹرونک سسٹم کے ذریعے ریکارڈ کر لی ہے۔ ایسے بیان کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے ذریعے خواہ مخواہ رسوا کو ہشیار کر دیا گیا اور ہمیں پھر نئی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

میں ایک مرتبہ کسی ملک کی انٹیلی جنس کے سربراہ سے ملاقات کر رہا تھا۔ ہماری ملاقات مشترکہ مفادات کے حوالے سے ترتیب پائی رہی تھی۔ یہ شخص

اپنے بزنس میں خاصا سٹریٹجک ہیں ایک طرح سے نو اور تھا ہماری آفیشل گفتگو کے خاتمے پر جب ہم غیر رسمی بات چیت کر رہے تھے تو اس نے کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے کہا ”تم نے اطلاعات کے حصول کے لیے کبھی مقامی ذرائع کو بھی استعمال کیا ہے؟“ میں نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے اس معاملے پر کبھی زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اس نے کہا۔

”بسا اوقات تم اپنے کسی ایجنٹ کو بعض اہم نوعیت کی اطلاعات کسی غیر ملک میں حاصل کر کے لیے بھیجتے ہو جبکہ وہ تمہیں بڑے آرام سے بیٹھے بٹھائے اپنے ملک میں مل جاتی ہیں۔“

اس کا اشارہ صحافیوں، اساتذہ اور تاجروں کی طرف تھا جو دیگر ممالک میں اپنے ہمسکروں کے ساتھ فلک ہونے کی وجہ سے وہاں کے پل کی خبر رکھتے ہیں۔ کچھ ایسے اساتذہ ہوتے ہیں جن کے غیر ملکی شاگرد اپنے ممالک میں اعلیٰ عہدوں پر فائز اور خاصے باخبر ہوتے ہیں صحافی بنی الاقوامی نوعیت کے سیاست دانوں اور دانشوروں سے رابطہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کے بزنس کا تقاضا ہے۔ تاجروں کے دوسرے ممالک کے تاجروں سے بڑے گہرے مراسم ہوتے ہیں۔ گو کہ ان لوگوں سے کسی ملک کی کینیٹ یا پولیٹ میورڈ کے حساس ترین معاملات کا علم نہیں ہو سکتا لیکن کم از کم ان لوگوں کو متعلقہ ملک کے معیشت، عوامی سوچ اور بے چینی اور سیاسی اتار چڑھاؤ کا علم ضرور رہتا ہے۔ میں نے غور کرنا شروع کیا کہ کوئی خطرہ مول لیے بغیر میں ان لائنوں پر کیسے کام کر سکتا ہوں۔ جن دنوں میں ڈی سی آئی بنا ان دنوں ہمارے میڈیا میں یہ روش عام پائی جاتی تھی کہ وہ لوگ جھلا انٹیلی جنس کے لیے کیا کارآمد ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اسال پیشتر سی آئی اے اور امریکن پریس میڈیا میں بڑا تعاون ہوا کرتا تھا۔ کسی غیر ملکی سٹیشن پر سی آئی اے کا سٹیشن چیف یا میور و چیف اور امریکی نمائندہ اخبار اکثر ایک دوسرے سے خاص تعاون کرتے تھے۔ چونکہ دونوں پارٹیوں کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ معلومات کا حصول ہوتا تھا۔ جذبہ حب الوطنی کے تحت وہ اکثر معلومات کا موازنہ اور تبادلہ بھی کرتے رہتے تھے کبھی کبھی اخبار نویس سی آئی اے کی خواہش پر اس کے لیے خصوصی راز حاصل کرتے تھے

ظاہر کی۔ ہماری ایک غیر رسمی ملاقات بھی ہوئی۔ اس کے بعد میں اس سے ایک ”کاک ٹیل“ پارٹی میں ملا اور اسے دعوت دی کہ وہ ہمارے آفس ”ہنگلے“ آئے۔ جس پر اس کا جواب بالکل غیر متوقع اور میرے لیے قدرے پریشان کن بھی تھا۔ اس نے کہا۔
 ”میں آپ کے دفتر نہیں آ سکتی۔ مجھے اپنی برادری کو بھی بہر حال منہ دکھانا ہے۔“
 تحقیق پر علم ہوا کہ اس کے ہمیشہ کچھ لوگوں کو میری اور اس کی ملاقات کا علم ہو سکتا تھا اور انہوں نے طعنہ زنی شروع کر دی تھی۔ اب جبکہ میں صحافیوں سے تعلقات استوار کرنے جا رہا تھا تو میری پوزیشن دفاعی نوعیت کی تھی۔ کیونکہ میرے پیشرو جارج بش نے اورل میں ایک تحریری بیان دے دیا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ سی آئی اے کسی امریکی تشہیری ادارے، اخبار، ٹی وی، ریڈیو سے وابستہ یا فری لانس جرنلسٹ کی خدمت کبھی کسی معاملے میں مستقلاً یا عارضی بنیادوں پر حاصل نہیں کرے گی۔
 یہاں میں نیویارک ٹائمز کے ایپے اوئسٹل سے ہوئی گفتگو کا حوالہ ضرور دوں گا۔ میں ایپے کی بہت عزت کرتا تھا۔ ایک ڈنر پارٹی میں جہاں ایپے اور ”ٹائمز“ کے

جس کا انہیں خطر معاوضہ بھی دیا جاتا تھا۔
 یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ پھر طرفین پر اکٹھی ہی چھت آن گری سی آئی اے نے محسوس کیا کہ سٹیشن چیف کے ساتھ وہاں موجود امریکی نامہ نگار کے تعلقات بسا اوقات رازداری کا پردہ فاش کر دیتے تھے۔ جیسے ہی اس چیف کا تبادلہ کسی اور ملک میں ہوتا۔ متعلقہ اخبار نویس کسی حوالے سے اس کے متعلق خبر لگا دیتا اور اس کی شخصیت ظاہر ہو جاتی۔ اس خدشے کے پیش نظر سی آئی اے نے غیر ممالک میں امریکی صحافیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ میری تعیناتی سے کچھ عرصہ پہلے اخبار نویسوں سے رابطہ بہت محدود کر دیا گیا تھا اور اب اگر کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو سی آئی اے کے ”ہنگلے“ آفس سے ہی کسی اخبار نویس سے درخواست کی جاتی کہ وہ فلاں ملک میں ”نوز“ ”ٹور“ کی تلاش کے لیے چلا جائے۔

ان تعلقات پر سب سے زیادہ ۱۹۷۶ء میں چیروچ کیٹی کی رپورٹ اثر انداز ہوئی جس میں بتایا گیا کہ ۵۰ نامور امریکن صحافی سی آئی اے کے تنخواہ دار ملازم تھے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھی سی آئی اے کو اطلاعات پہنچا کر ”فرڈیم آف انفارمیشن ایکٹ“ کی سرکھانوں خلاف درزی کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی صحافیوں میں یہ نظریہ جڑ پکڑنے لگا کہ اس طرح ان کی حیثیت ”ٹاؤٹ“ کی بن کر رہ جاتی ہے اور اپنے ساتھیوں کی نظروں میں ان کا مقام گر جاتا ہے۔

کچھ ہی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے سی آئی اے اور صحافیوں کے تعلقات میں خلیج سی مائل ہو کر رہ گئی تھی۔ بہت سے اخبار نویسوں نے غیر ممالک میں سی آئی اے کے سٹیٹس چیف یا مقامی ہیڈ کوارٹر کے ساتھ کسی بھی قسم کی خدمات پر معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ ایک روز ”وائٹنگن پوسٹ“ کی پبلشر کھیرٹران گراہم کا فون آیا کہ اس کی ایک صحافی دوست جس نے حال ہی میں چین کا دورہ کیا ہے، سی آئی اے کو اپنی معلومات میں حصہ دار بنانے کو تیار ہے۔ اگر ہم اس کی مرضی کے مطابق اس کے لیے ایک اور تقریبی دورہ ترتیب دے سکیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے فوراً اس سے ملاقات کی خواہش

بہت سے لوگ شامل تھے۔ اس نے دلائل دینے شروع کر دیئے کہ کسی امریکن یا دیگر غارت
جزیہ تسلط کی مدد سے آئی اے کو حاصل نہیں رہی۔ میں نے اس سے کہا۔

”اپنے اتم کو علم ہے کہ دانشگاہ میں موجود ”پراودا“ کا نمائندہ ہمارا تنخواہ دار
ملازم ہے۔“

اس نے جبرانگی سے میری طرف دیکھا اور خاموشی اختیار کر لی۔ اس بات
سے اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ اگر امریکن صحافی ہمارے ساتھ تعاون نہیں کریں
گے تو ہم اس معیار کے کسی اور غیر ملکی صحافی کی خدمات بھی حاصل کر سکتے ہیں خواہ وہ
روسی ہی کیوں نہ ہو۔

ایک ”آزاد پریس“ کا وجہ جمہوریت کی بقا کے لیے ناگزیر ہے لیکن یہ بات بھی
غلط ہے کہ جب سی آئی اے اور امریکن معافیت دونوں قوم و ملک کی بھلائی کے لیے کام
کر رہے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے بالکل ہی تعاون نہ کریں یا پھر سی آئی اے کو پابند

میں نے فوراً ایک ریگولیشن جاری کیا جس کے ذریعے ناگزیر حالات میں اخبار
نویسوں کے تعاون کو ضروری قرار دیا۔ میری مدت ملازمت میں دو ایسے مواقع آئے
جب ہم نے اخبار نویسوں کا تعاون حاصل کیا۔ ایک تو ایرلین میں امریکی سفارت کاروں کی
حبسوں کے ایام میں ہم نے ایک اخبار نویس کی مدد حاصل کی۔ حالات نے یہ مدد ہمارے
لیے ناگزیر کر دی تھی۔ ہم نے اس شخص کو استعمال نہیں کیا اسے اطلاعات کے حصول کا ذریعہ
ضرور بنایا۔

اخبار نویس عموماً ایک بات کہتے ہیں کہ جیسے وہ ہماری خفیہ مدد کریں لیکن جب بھی
وہ کسی غیر ملک میں ہوں اور متحارب لیجنسی کو یہ علم ہو جائے کہ ہم ایک دوسرے سے تعاون
کرتے ہیں تو ان کی جان کو خطرہ درپیش رہتا ہے لیکن میں اس دلیل سے متفق نہیں۔
ساری دنیا کو اس بات کی خبر ہے کہ سی آئی اے اور امریکی صحافیوں کے درمیان
ملاقاتیں معمول کی بات ہے۔ جس دوران ہم ایک دوسرے سے معلومات کا تبادلہ بھی
کرتے ہیں۔ اس لیے کوئی ضابطہ جاری کرنے سے تو یہ ممکن نہیں کہ ان پر یہ الزام ہی
نہ آئے گا۔ اس کے برعکس یہ بھی وہ جانتے ہیں کہ روسی صحافی کے جی بی سے مکمل تعاون
کرتے ہیں بلکہ ”براودا“ کے بیشتر غیر ملکی نامہ نگار تو ان کے تنخواہ دار ملازم ہیں۔ اس
کے برعکس اگر سی آئی اے کسی قانونی موٹہ گائی کے ذریعے امریکی صحافیوں کی مدد کو غلط
قرار دیتی ہے تو ساری دنیا یہی سمجھے گی کہ ہم انہیں دھوکہ دینے کے لیے یہ ڈرامہ رچا
رہے ہیں، جھوٹ بولی رہے ہیں۔

میں نے پریس کے معاملات پر توجہ دی اور ایک مرتبہ پھر سی آئی اے اور پریس
کے درمیان اچھے تعلقات استوار ہو گئے۔ دوسرا امیدوار اساتذہ کا تھا۔ یہاں ایک مجبور
یہ تھی کہ امریکن یونیورسٹیوں کے قانون کے مطابق اس کے ملازمین کو اگر وہ کوئی

کوئٹا باغی لیدر

سی آئی اے کا نمائندہ

کی شکایت ہے جو صدر نے مجھ سے کی تھی۔

ابھی چند روز پہلے ہی صدر نے ایک محفل میں میری خدمات کی تعریف کرنے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا اور مجھے کہا تھا کہ ان کی خواہش ہے کہ میں بطور ڈی سی آئی زیادہ دیر تک اس عہدے پر فائز رہوں۔ یہ ایک ہفتہ پہلے کی بات تھی اور آج صدر نے یہ کہہ دیا مجھے شک گزرا کہ اس سرزنش کے چھپے برزنسکی کا ہاتھ کارفرما ہے میرے شکوک کی تصدیق بعد میں اخبارات میں چھپنے والی ایک کہانی کے ذریعے ہو گئی میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ کہانی کن ذرائع سے اخبارات تک پہنچی۔ نیوز سٹوری کے ذریعے یہ تاثر پیدا کیا گیا تھا کہ میں ایران کے معاملے میں ایک ناکام اور کسی حد تک مشتبہ سی آئی اے کا ڈائریکٹر ہوں اور مجھے اس عہدے پر فائز رکھنے کا بظاہر کوئی جواز نہیں دکھائی پڑتا۔ کیا واقعی ایران کے معاملے میں ہماری پالیسی ناکام تھی؟

اس سوال کا جواب بیک وقت مل اور نہیں ملے۔ بظاہر تو اس کا جواب ہاں میں ہی ہو گا لیکن اس انداز میں ”نہیں“ میں اس کا جواب نہیں تھا جس انداز میں اس مسئلہ کو برزنسکی نے اٹھایا تھا۔ برزنسکی نے اپنے نوٹ میں لکھا تھا کہ ہم شاہ ایران کو بروقت مطلع نہیں کر سکے کہ وہ کسی نوعیت کی مشکلات کا شکار ہو چکا ہے۔ حالانکہ کسی بھی انقلاب سے بروقت مطلع ہو جانا، انٹیلی جنس کے دھندے میں یہ بات خاصی مشکل ہے۔ کسی ملک کے عوام، دانشور، اساتذہ اور مذہبی رہنماؤں کی سوچ سے باخبر تو رہا جاسکتا ہے لیکن یہ ایک برپا ہونے والے انقلاب کی بے اوقات خبر نہیں ملتی۔ جاسوسی ذرائع سے حاصل کردہ رپورٹوں کی مدد سے آپ ایک رائے تو قائم کر سکتے ہیں لیکن اس میں بھی وقت لگتا ہے۔ ایسی تمام رپورٹیں اکٹھی کی جاتی ہیں اور ان پر بحث اور غور و خوض کے بعد ہی کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

ایران میں بھی ہوا۔ ہم جب تک کسی نتیجے پر پہنچے اور اپنی اطلاعات صدر تک پہنچائیں وہاں انقلاب آگیا۔ میرے خیال سے کم از کم دو ایسی بنیادی وجوہات تھیں جن کا سراغ لگانے میں ہمیں اور ہم سے پہلے فورڈ انتظامیہ کو ناکامی ہوئی۔ ان میں سے ایک بنیادی وجہ تو

”پارٹ ٹائم جاب“ کرتے ہوں تو وہ بتانا ہوتی تھی۔ جبکہ ہمارے ساتھ تعاون کرنے والے اساتذہ کا مطالبہ تھا کہ ان کی خدمات کو غنیمت رکھا جائے۔ ہم نے رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں ٹی وی سے دو پروگرام ”۹۰ منٹ“ اور ”گڈ مارنگ امریکہ“ شروع کئے۔ پروفیسر حضرات سے ہماری ڈیمانڈ بھی ہوتی تھی کہ وہ ہمیں مختلف موضوعات پر ہونے والی لکچر سے آگاہ کریں یہاں ہماری یہ کوشش بھی ہوتی تھی کہ ان کے ذاتی نظریات کے بجائے عوام کے بدلتے رجحانات کے حوالے سے ان کی تحقیق سامنے آئی چاہیے تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک اہم کام ہم ان پروفیسر صاحبان سے یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے غیر ملکی شاگردوں اور سی آئی اے کے درمیان رابطہ پیدا کر فائیں تاکہ ان لوگوں کو امریکہ حاکم بنایا جاسکے اور جب وہ اپنے ممالک کو واپس جائیں تو ہمیں ان کے ذریعے بہترین ایجنٹ اپنے کام کے لیے میسر آسکیں۔ ان کے اپنے ممالک میں بسا اوقات سخت سیکورٹی کی وجہ سے ہیں ایجنٹوں کے حصول میں دشواری پیش آسکتی تھی جبکہ یہاں یہ کام قدرے آسان تھا۔ چرچ کیٹی کے سامنے اس مسئلے پر خاصی دے ہوئی اور یہ کہا گیا کہ غیر ممالک سے جو نوجوان طلبہ یہاں امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ ان کی ہر طرح کی حفاظت امریکہ کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اس کے برعکس سی آئی اے انہیں درغللہ کا پاناؤ سیدھا کرنے لگتی ہے۔

۱۱ نومبر ۸۷ء کو حادثہ لاؤس سے ایک انتہائی اہم لفافہ ”یگلے“ اس ہدایت کے ساتھ پہنچا یا گیا کہ اسے صرف میں ہی کھولوں۔ میں نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں صدر امریکہ جی کارٹر کی تحریر موجود تھی۔ صدر نے لکھا تھا کہ وہ ہماری ”سیاسی انٹیلی جنس“ سے مطمئن نہیں ہے اور اس کی خواہش تھی کہ انہیں جلد از جلد ایک منضبط رپورٹ پیش کی جائے کہ دنیا بھر میں کن کن ممالک میں امریکہ کی سیاسی حیثیت کیا ہے اور اس کو مزید مضبوط بنانے کے لیے اور کیا اقدامات کئے جاسکتے ہیں حالانکہ اس خط میں میرے علاوہ سیکریٹری آف سٹیٹ اور صدر کے مشیل سیکورٹی ایڈوائزر کو بھی مخاطب کیا گیا تھا لیکن میں بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ دراصل یہ ایران سے متعلق ہماری کمزور رپورٹنگ

ایرانی عوام کی شاہ سے روز بروز بڑھتی ہوئی نفرت اور دوسری ایران میں مذہبی بنیاد پرستوں کی تحریک کی شدت جو ہمارے انداز سے کہیں زیادہ متحرک اور فعال ثابت ہوئی۔ ہم یہ جانتے تھے کہ ایرانی ملاحقہ شاہ کے لادین نظریات، مغربی تہذیب کی طرف سے ایران کی تیزی سے پیش قدمی، بے حیائی اور ملک کو خالصتاً لادین معاشرے کی طرف سے جانے کے تو مخالف ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے رہے کہ شاہ کی طرف سے کیونکہ مولویوں کو دلفینے کا

شکل میں ایک خطرہ رقم بطور رشوت ملتی رہتی ہے۔ اس لیے شاید وہ سر نہ اٹھائیں اور مطمئن رہیں یہ بھی علم تھا کہ لادین حلقے خصوصاً سیاسی حلقوں میں شاہ کی آمرانہ پالیسیوں کی وجہ سے اس کے خلاف شدید نفرت کی فضا جنم لے رہی ہے اور میں یہ بھی علم تھا کہ جھوٹا تاجر طبقہ جو ایران میں بڑے سرمایہ دار کے ہاتھوں پس کر رہا گیا ہے۔ شاہ سے غیر مطمئن ہے جس بات کا اندازہ ہمیں نہ ہو سکا وہ یہ بھی کہ تینوں طبقات کی براہ راست کمان

۹۷ سالہ آیت اللہ خمینی کے ہاتھوں میں ہے جس نے ان دنوں فرانس میں جلاوطن حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ایک مرتبہ تو یہ نظر آتا تھا کہ عوام الناس سیاست دان اور تاجر طبقے سے تو شاہ نمٹ چکے ہیں اور ان میں پھوٹ ڈالتے ہیں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن ہماری توقعات کے بالکل برعکس اور حیران کن حد تک مذہبی بنیاد پرست طاقت کچھڑ گئے اور یکساں

نے ان تمام طبقوں پر برتری بھی حاصل کر لی۔ ہم اندازے کی غلطی کا شکار کیوں ہوئے؟ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سی آئی اے کے پیشتر تجربہ کار شاہ کے جلال کی چکا چوند سے آگے کچھ دیکھ سکے۔ ۱۹۷۸ء کے موسم بہار میں جب ہم نے شاہ کو دیکھا تو ہمارے علم میں یہی بات تھی کہ پہلے عوام اس کے خلاف ہوں لیکن شاہ ایک طاقتور حکمران ہے فوج "مرفورس" اور

پولیس پر اس کا مکمل کنٹرول ہے علاوہ ازیں "ساواک" کی صورت میں ایک طاقتور خفیہ فورس اس کے ماتحت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ ہمارے خدشات کے جواب میں یہ تشفی موجود کہ اگر کسی نے سراٹھایا تو شاہ کا معمولی اقدام اس طاقت کو کمپل کر رکھ دے گا۔ بد قسمتی سے ایسا کبھی نہ ہو سکا۔ افسوس شاہ نے ہماری اطلاعات کو کبھی درخور اعتنا ہی نہیں جانا۔ وہ شخص اپنے ملک کے حالات کی تو جیسے خبر ہی نہیں رکھتا تھا۔ جب شاہ نے حالات کو سمجھ کر سخت

اٹھایا تو ایرانی علماء کے پیروکاروں نے وہاں خون کی ندیاں بہا دیں۔ شاید شاہ نے حالات کا مقابلہ کرنے سے ذہنی طور پر دستبرداری اختیار کر لی تھی کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ اب معاملہ اس کے بس میں نہیں رہا اور اس کی حیثیت ایک مرتے ہوئے انسان سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو شاہ سی آئی اے کی توقعات پر پورا نہ اتر سکا۔ امریکہ نے کسی معاملے میں براہ راست مداخلت اس لیے نہیں کی کیونکہ ہمارا یہ خیال تھا کہ امریکہ کو اس خطے میں جس قسم کا رد بھی ادا کرنا ہو گا وہ شاہ ایران کر رہا ہے۔ ہم اس کی طرف سے مطمئن تھے اس کو صرف اٹلی جنس کی ناکامی نہیں کہا جاسکتا۔ ہمارے ساتھ "پالیسی ساز" بھی اس ناکامی میں برابر کے شریک تھے۔ اٹلی جنس کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کو حالات سے مطلع کرتی رہے۔ ہم نے اپنا فریضہ ادا کیا۔ اس کے بعد پالیسی سازوں کا کام ہے کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ہم نے ایران کے حالات کی مکمل رپورٹ صدر کو پہنچا دی تھی۔ جب شاہ ایران ایک سال پیشتر امریکہ کے دورے پر آئے تو صدر کارٹر نے انہیں متنبہ کیا تھا کہ وہ اپنے ملک کے سیاسی ڈھانچے میں تبدیلی کریں اور اس سلسلے میں اپنا رویہ لبرل بنائیں کیونکہ حالات بگڑ رہے ہیں اور بصورت دیگر ان کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

محقر الفاظ میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاہ کو دستپیش خطرات کا اعلان ہم نے ڈھول بجا کر نہیں کیا تھا لیکن کوئی ایسی اطلاع بھی نہیں تھی جو صدر کو نہیں پہنچانی گئی اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پالیسی سازوں کو اس سے بے خبر رکھا گیا لیکن کے دورے سے یہ سلسلہ جاری تھا۔ سی آئی اے تو رہی ایک طرف ان دنوں تو صورتحال یہ تھی کہ ٹیل الیٹ سے نکلنے والے پیشتر اخبارات میں ایسے مضامین شائع ہو رہے تھے جن سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی تھی کہ ایران میں ایک خاموش انقلاب جنم لے رہا ہے اور صورتحال کسی بھی لمحے کوئی ڈرامائی موڑ لے سکتی ہے جب زیر زمین تبدیلی کو ٹیل الیٹ کے دانشور اور معاشی سونگہ سننے تھے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سی آئی اے اس سے بے خبر رہی ہو؟

میں نے سی آئی اے میں آکر ایک اور کوشش بھی کر ہم وہ اطلاعات جن سے

میں آئے اور نہ کوئی اس پر تنقید کرے جبکہ میرا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر سی آئی اے کے ماہرین کی آراء کے بعد مرتب کی گئی رپورٹوں کو عوام میں بحث کے لیے رکھا جائے تو ہمیں ان کے "حیثیت" کا تعین کرنے میں آسانی رہے گی۔

ہم نے ۷۷ ع میں انرجی پر اپنی دوسری رپورٹ شائع کی جس میں کہا گیا تھا کہ ۱۹۶۹ء کے فوراً بعد سے روس اپنی تیل کی پیداوار میں کمی کرنا شروع کر دے گا۔ سی آئی اے سے

ماہر جو ماہرین تھے انہوں نے معمولی سے اختلاف کے ساتھ اس بات سے اتفاق کیا اور یہ کہا گیا کہ ہماری رپورٹ کے مطابق البتہ فرق نہیں ہوگا۔ ہماری رپورٹ غلط نہیں تھی۔ اصل میں بات یہ تھی کہ اس کی اشاعت کے بعد روسیوں نے اپنا طریق کار تبدیل کر لیا۔ انہوں نے تیل کی پیداوار میں کمی سے بچنے کے دوسرے طریقے تلاش کر لیے۔ کچھ بھی ہو بہر حال یہ ایک اہم رپورٹ تھی جس میں روس کو پیش آنے والے ایک بحران کی نشاندہی کی گئی تھی۔

اس روز میں اور صدر جی کارٹر دوپہر کا کھانا کھاتے کھارہے تھے صدر نے میرے لئے خصوصی کھانے کا اہتمام کیا تھا لیکن مجھے کبھی کھانے سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں تو یہاں ایک تجویز لے کر آیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ہفتے میں کم از کم صدر مجھے ۲۰ منٹ بالمشافہ ملاقات کے لیے دے دیا کریں۔ جب میں نے یہ تجویز صدر کے سامنے رکھی تو اس کے جواب نے چونکا دیا صدر کے ذہن میں بھی یہی تجویز تھی۔ وہ ہفتے میں کم از کم تین مرتبہ ایسی ملاقات کا خواہاں تھا۔ اور ہر ملاقات اس کے خیال میں ۲۰ منٹ کی ہونی چاہیے تھی۔ یہ میری توقعات سے بڑھ کر تھا۔

صدر کی سیکرٹری استقبالیہ ٹوٹھی گرافٹ نے مشکل سے جمعہ کے درمیان کے دن ان ملاقاتوں کے لیے منتخب کئے تھے۔ اور میں نے باقاعدگی سے اس پر وگرام پر عمل شروع کر دیا تھا۔ گو کہ یہ ملاقات ۲۰ منٹ کی ہوا کرتی تھی لیکن مجھے اس کی تیاری پر دس بارہ گھنٹے صرف کرنے پڑتے تھے۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وائٹنگ روم میں ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۶ء جب میں نیوی میں لفٹیننٹ تھا میں کمانڈر کو ارد گرد کے سیاسی حالات کا خبر کرتا تھا۔ یہ تجربہ کام آیا۔ صدر کا رٹرنڈے مضبوط اعصاب کا انسان تھا کیا مجال جو کبھی کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس نے تشنگی کا احساس پیدا ہونے دیا ہو۔ وہ حاضر و ماغ اور بیدار مغز انسان تھا

امریکی عوام کا بہرہ درمیان ضروری ہے انہیں شائع کر دیا کریں۔ گو کہ اس میں ہم اپنے ذرا معلومات "چھپا لیتے تھے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی تو ہماری "انرجی کرائس" رپورٹ تھی جو اپریل ۷۷ ع میں صدر کارٹر کی ایک تقریر کے بعد ہم نے شائع کی۔ اس کی اشاعت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں اس پر متضاد آراء موصول ہوئیں۔ کچھ نے اس سے اتفاق کیا اور کہنے اختلاف میں نے ان لوگوں کو "ٹھیکے" آنے کی دعوت دی۔ اس طرح ہمیں مزید اور بروقت معلومات حاصل ہو گئیں۔

دوسری مثال اس رپورٹ کی اشاعت کی ہے جو روس سے متعلق تھی۔ اس میں بنایا گیا تھا کہ اٹمی حملہ ہونے کی صورت میں روس اپنے عوام کو کیا تحفظ دے سکتا ہے۔ رپورٹ کے ذریعے انکشاف ہوا کہ اٹمی حملے کی صورت میں روس صرف ۵ فیصد شہریوں کو بچا سکتا ہے۔ بقیہ ۹۵ فیصد جزیرہ زیادہ تر دیہاتی علاقے میں قیام پذیر ہیں ان میں سے بیشتر کو تو اس حملے کی اطلاع دینے کا بھی بندوبست نہیں ہے۔ ۹۵ فیصد لوگوں کو بچانے کے لیے جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا وہ عوام کے علم میں نہیں تھا۔ میرے خیال کے مطابق عوام انسانی کو ایسی معلومات بہم پہنچانا ضروری تھیں ان رپورٹوں کی اشاعت پر بہت لے دے ہوئے کچھ لوگوں نے اس کو برا کہا اور کچھ نے اچھا۔ بہر حال کوئی کچھ بھی سمجھے میرے خیال سے یہ ایک بہترین فیصلہ تھا جس کے دور رس نتائج برآمد ہوئے جب ہم نے پولینڈ کی معیشت پر رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ مغرب کی طرف سے امداد کے باوجود وہاں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی تو برزنسکی جو پولینڈ کا پیدائشی تھا۔ اس پر بہت جزبہ ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس فوجیت کی رپورٹوں کی اشاعت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ صدر امریکہ کی پالیسی ناکام رہی ہے مجھے اب یہ خلوہ نظر آئے لگا تھا کہ دائرے ہاؤس کی طرف سے ہمارے معاملات میں مداخلت ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ہماری اپنی آزادی کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ میں برزنسکی کی اس بات سے متفق ہوں کہ ہمیں صدر کی پالیسیوں کی اندرون خانہ مخالفت کا حق نہیں پہنچتا میں صدر کے ہر اقدام کو تنقید سے بالا سمجھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ حالانکہ میرے لیے یہ آسان بات تھی کہ ہم کچھ شائع ہی نہ کریں یہی تو یہ لوگ چاہتے تھے کہ ان کی کارگزاری نہ کسی کے

ان دنوں میرے سامنے ایک ایسا ہی کیس رکھا گیا۔ ہماری ایک غیر ملکی جاسوس بلینچ
ساربراہ پیٹر بروک ایک ملک میں اسلحہ کی بڑی کھیپ کی غیر قانونی ترسیل کا تقاضا کر رہا
تھا۔ اس نے چارٹس اور دیگر دستاویزات کی مدد سے آپریشن کے لیے مجھے تقریباً قائل کیا
تھا لیکن وہی قباحت اڑے آ رہی تھی کہ ہم اس معاملے کو بحث کے لیے نیشنل سیکورٹی کونسل
کے سامنے پیش کریں جس کی منظوری کے بعد بات آگے بڑھے۔

میں نے اس معاملے کو براہ راست صدر کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں ایک
بات مجھے ضرور کہنی ہے کہ اکثر سی آئی اے کے معاملات سے متعلق معلومات کا افشاء اس
لوگوں سے ہی ہوا کرتا تھا۔ اس میں صدر کا ذاتی سٹاف پیش پیش رہتا تھا۔ دراصل صدر
کے ماتحتوں کی یہ کوشش بھی ہوتی تھی کہ ان کے ہاتھ کوئی ایسا راز لگ جائے جس سے صدر
کی پوزیشن کو خطرہ لاحق ہو اور وہ اس کا پہلے سے تدارک کر سکیں۔ صدر کا رٹ کے لیے بھی
دنیا کے دیگر صدور کی طرح اپنے ذاتی سٹاف کو ایک خاص ڈسپن کے تابع رکھنا ممکن نہیں
تھا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کچھ ہو رہا ہے میری یہ عادت تھی کہ مخصوص معاملات پر کبھی
ضرورت سے زیادہ بات ہی نہیں کرتا تھا اور اس گفتگو میں بھی صدر نائب صدر سپر نیشنل
سیکورٹی کونسل کے سربراہ موجود ہوتے تھے۔

میں نے پٹ والے معاملہ پر نیشنل سیکورٹی کونسل کے ممبران برزنسکی ہیرالڈ براؤن
اور سائی وینس سے الگ الگ اور مشترکہ میٹنگوں میں بات کی۔ قدرتی طور پر وینس کی خواہش
یہ جانے کی تھی کہ اس آپریشن کے عوض ہیں سفارتی سطح پر کتنی قیمت ادا کرنی پڑے گی برزنسکی
باقی تمام تفصیلات جاننا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی تشفی کے لیے پٹ سے اس کی علیحدہ
ملاقات کا بندوبست بھی کر دیا جس میں پٹ نے اسے مرحلہ وار تمام تفصیلات سے آگاہ کر
دیا۔ جس کے بعد مزید تفصیلات کی گنجائش باقی رہ ہی نہیں جاتی تھی۔ کونسل نے مطمئن ہونے
کے بعد آپریشن کی اجازت دے دی۔ پٹ اس ملک میں پہنچ گیا۔ ہم نے منصوبے پر
عمل شروع کر دیا۔ عمل درآمد کے دن تک ہمارے درمیان کچھ تو ہیں خاصا اضافہ ہو چکا تھا
مجھے آپریشن کے آغاز اور اختتام کے بالکل صحیح وقت کا علم تھا۔ ہم ایک ایک لمحے سے باخبر تھے

میں نے کبھی اسے کسی معاملے میں پریشان نہیں پایا سوائے اس موقع کے جب ۱۹ فروری ۱۹۶۱ء
کو ایرانی طلبہ کے ایک گروپ نے تہران میں ہمارے سفارت خانے پر قبضہ کر کے وہاں
عمل کو ریغالی بنالیا اور ایک ایسے کرائس کی بنیاد رکھی جس کا خاتمہ چھ ماہ بعد ہوا تو غیر
محکومت نے طلبہ کو منتشر کر دیا تھا لیکن ایک امریکی سارجنٹ اس ہنگامے میں شدید زخمی
ہو گیا جسے بعد میں ہسپتال لے جانا پڑا۔ جب اس سارجنٹ کی ریغالی بنانے والوں کے
ہاتھوں رملٹی عمل میں آئی تو صدر کا رٹ کرنے خود اس کی والدہ کو ہسپتال میں فون کر کے
مبارکباد دی تھی۔ صدر نے بتایا اس ایک پریشانی نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ میرے لیے
ایک امریکی کے ساتھ یہ سلوک ذہنی اذیت کا باعث بنا رہا۔ اس واقعے کو نو ماہ بعد صدر
کو ایسے پراس پر غامضیوں کی وجہ سے جس اذیت ناک ماحول سے گزرنا پڑا اس کا تصور ہی بڑا
مشکل ہے۔

صدر جی کا رٹ نہ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اسے ساؤتھ ایشیا میں بی بڑا
چاول کی پیداوار کے متعلق بتایا تو چھ ہفتے بعد میں نے بھارت کے متعلق ایسی ہی رپورٹ
پیش کی۔ صدر نے جھٹ سے دونوں کا موازنہ کرنا شروع کر دیا حالانکہ مجھے پہلی بات بھول چکی
تھی۔ تاہم صدر کو جو معلومات دے کر ہوں وہ ہم بسا اوقات فوری نوٹس پر فرما رہے نہیں کر سکتے تھے
روزانہ ایک اٹھ گھنٹہ کیلکولیشن پر مشتمل رپورٹ صدر کے لیے تیار کی جاتی تھی جسے ہم "پی ڈی
بی" کہتے ہیں۔ سی آئی اے کے غیر ملکی جاسوسی آپریشن میں چرچ کیٹی اکثر آڑے آتی تھی۔ اس سے
پہلے عموماً کوئی بھی آپریشن بحث کے لیے کیٹی کے سامنے پیش ہوتا تھا جس کے بعد اس پر بحث
کا لمبا سلسلہ چلتا اور عمل درآمد کی نوبت آنے تک معاملہ کہیں سے کہیں نکل جاتا۔ ۶۷ میں
سی آئی اے نے کچھ خصوصی اختیارات اس سلسلے میں حاصل کئے تھے جب میں نے ۶۷ میں چاہا
سنبھالا تو محسوس کیا کہ ابھی حالات ہماری توقعات کے مطابق کام کرنے کے لیے سازگار
نہیں ہیں۔ میں نے اسی سلسلے میں کچھ اور پیشرفت مناسب جانی اور اب اسی نوعیت کے
معاملات ہم صدر کے سامنے رکھتے تھے۔ اس سے پہلے یہ معاملہ نیشنل سیکورٹی کونسل میں
زیر بحث آتا تھا۔

منصوبے کے خاتمے سے چند ہی منٹ بعد میں ایک انتہائی اہم پیغام موصول ہوا۔
”ہم گرفت میں تو نہیں آئے لیکن آپریشن کامیاب نہیں رہا۔ پیغام کا پہلا حصہ میرے لیے باعث تسلی تھا۔ دوسرا حصہ انتہائی پریشان کن۔“

پٹ واپس آیا اور اس نے منصوبے کی ناکامی کی وجوہات بیان کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ خوش قسمتی سے ہمارا راز محفوظ رہا اور کسی کو علم نہیں ہو سکا کہ اس معاملے میں سی آئی اے کا ملوث ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر ہم دوبارہ کوشش کریں تو صدفی مدد کامیابی ہو سکتی ہے پٹ میرا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں دوبارہ معاملہ کو دل میں لے گیا جس کی منظوری بھی مل گئی۔ ہماری دوسری کوشش کامیاب رہی اور آپریشن توقعات کے عین مطابق انجام پا گیا۔ اکتوبر ۸۰ء میں کانگریس نے نیشنل سیکورٹی ایکٹ ۱۹۴۷ء میں ایک ترمیم کا بل پاس کر دیا جس کی رو سے ہر انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ وہ انٹیلی جنس کمیٹی کو تازہ ترین جاسوسی سرگرمیوں سے مکمل طور پر باخبر رکھے۔ انٹیلی جنس کمیٹی کو ہر دم تازہ ترین معلومات سے باخبر رکھنا ناممکن تھا۔ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھی ڈی سی آئی اور انٹیلی جنس کمیٹی کے درمیان یہ معاملہ ہمیشہ متنازعہ رہا ہے کہ کمیٹی کو کس حد تک معاملات سے باخبر رکھا جائے۔

جب میں نے عہدہ سنبھالا تو میرے اوکھیٹی کے درمیان یہی مسئلہ زیر بحث آیا کہ انٹیلی جنس کمیٹی کو کس حد تک کوئی معلومات ورکار رہے اور متعلقہ اطلاعات کا کتنا حصہ کمیٹی کے علم میں لانے سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے درمیان جلد ہی ایک سمجھوتہ طے پایا جس کی رو سے پہلی بات تو یہ تھی کہ سی آئی اے کبھی اپنے ایجنٹ کی پہچان ظاہر نہیں کرے گی۔ پاؤل ایل جے میں نے ۱۹۷۸ء میں کاؤنٹر انٹیلی جنس میں اعلیٰ عہدے پر فائز کیا نے پہلے رپورٹ دی کہ ایک ہمارا سینئر آفیسر جسے ہم نے کسی ملک میں سٹیشن چیف مقرر کیا تھا۔ مشتبہ ہے۔ پاؤل کا کہنا تھا کہ اس شخص نے کے جی بی سے رابطہ قائم کر لیا ہے اور ان کے لیے کام کر رہا ہے اس سلسلے میں اس نے کچھ شواہد بھی فراہم کئے تھے میرے لیے فوری طور پر اس شخص کو بکدوش کر دیے کے بارے میں اختیارات موجود تھے کیونکہ ۱۹۷۴ء کے بعد سے ایسا ایک خاص

اختیار ڈی سی آئی کو مل چکا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کم از کم میں یہ تو اندازہ ہونا چاہیے کہ اگر متعلقہ شخص واقعی ”ڈبل کر اس“ ہے تو اس نے کس حد تک ملکی سلامتی سے متعلق اطلاعات کے جی بی کو فراہم کر دی ہیں اور ہم اس نقصان کا انزال کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے باقاعدہ ایک منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے کے تحت پاؤل نے مشتبہ سٹیشن آفیسر کو کچھ اہم اطلاعات پہنچائیں۔ یہ اطلاعات اس نوعیت کی تھیں جن کو حاصل کرنے میں کے جی بی بہت سرگرم رہتی تھی ہیں امید تھی کہ اب ہمارا مشتبہ آدمی ان اطلاعات کو اپنے کے جی بی کے کسی آفیسر تک پہنچانے کے لیے اس سے ملاقات کرے گا۔ اور ہم نے اس لمحے اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

ہم نے بڑی مہارت سے اس کے گرد جال باندھا۔ سٹیشن چیف درجہ بدرجہ ہماری توقعات پر پورا اتر رہا تھا۔ جرت کی بات یہ تھی کہ ابھی تک میں اس کے خلاف کسی غیر ملکی طاقت سے ملاپ کا ثبوت نہیں ملا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا میں یقین کر لوں کہ ہماری اطلاعات اس کے متعلق غلط تھیں۔ یا وہ شخص ہماری توقعات سے زیادہ چالاک ثابت ہوا تھا یا ہمارا نظام احتساب اتنا کمزور ہے کہ ہم آستین کے سانپوں کو بے نقاب نہیں کر سکتے؟ کیا ہمارا چیک سسٹم ناقص ہے۔ بہت سے ایسے سوالات پیدا ہوتے تھے۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کیا میں اس شخص کو بے گناہ تصور کر لوں یا پھر اس کی آزمائش کے لیے ایک اور جال اس پر پھینکا جائے کیا یہ ممکن تھا کہ میں دوبارہ اٹارنی جنرل کو اس بات کا قائل کر دوں کہ ہم اس مشتبہ شخص کو غیر ملکی طاقت کا ایجنٹ ثابت کرنے کے لیے ایک اور چال چلنے والے ہیں اور اس طرح کچھ اور ملکی راز داؤ پر لگا دیئے جائیں۔

ثبوت نہ ملنے کی صورت میں ہم اس کے خلاف قانونی کارروائی مکنے کے مجاز نہیں تھے۔ اور خواہ مخواہ تحقیقات کے ضمن میں متعلقہ شخص ہمیں عدالت میں گھسیٹ سکتا تھا۔ میں نے اس ضمن میں فوری طور پر احکامات دیے کہ اگر آئندہ کسی شخص کو مشتبہ خیال کیا تو اس کے خلاف تحقیقات اس کی ذاتی فائل میں نہ رکھی جائیں اور اس سلسلے میں ایک الگ

کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لیز پر حاصل کردہ عمارت کی چینی کو توڑا ہے۔

ہیں علم تھا کہ روسی اس نوعیت کے برقی آلات کے ذریعے امریکہ کے اندر کی خبریں بھی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً نیویارک میں اپنی ایسی ہی انہوں نے ایسے آلات نصب کر رکھے تھے جن کے ذریعہ وہ سان فرانسسکو، شکاگو تک ڈومیسٹک ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو بھی اپنے مائیکرو ویو نظام پر سن سکتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے کیوبا کے شمال مغرب میں ایک طاقتور اسٹینا نصب کر رکھا ہے جس کے ذریعے وہ امریکہ سے دوسرے ممالک میں ہونے والی ٹیلی فونک گفتگو سٹارٹ سسٹم کے ذریعے سن لیتے تھے۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں ٹیلی فون پرسیکوریٹی سے متعلق گفتگو کرنے کی روایت ماہ ہے۔



۲۱ دسمبر ۸۲ء کو کانگریس نے ایک بل پاس کیا جس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔
 ۱۱ اس ایٹم کی روسے سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی اور وزارت دفاع کو نکاراگوا کی حکومت کے خلاف باغیوں کو مسلح کرنے، ان کی معاونت کرنے، انہیں تربیت دینے، ہتھیار سپلائی کرنے یا کسی کو انفرادی حیثیت میں امداد دینے کے لیے فنڈز مہیا نہیں کئے جائیں گے۔
 صرف ایک سال بعد سی آئی اے نے اس بل کی محرک کمیٹی کو مطلع کیا کہ ہم نکاراگوا کی حکومت کے خلاف پانچ سو باغی گوریلوں کے ایک گروپ کو مسلح کر رہے ہیں۔ اس بریفنگ کے خاتمے پر کمیٹی کے سربراہ سٹروینڈونے فوراً ڈی سی آئی کیسی کو ایک احتجاجی مراسلہ لکھ دیا جس میں سی آئی اے کے اس ایشن پر زبردست تنقید کی گئی تھی۔ ہمیں یہ تو علم نہیں کہی نے اس پر کیا رد عمل ظاہر کیا تھا لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ سی آئی اے نے اس منصوبے پر عمل ضرور کیا اور کسی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا پروگرام نہیں بدلا بلکہ بعد میں اس آپریشن کا دائرہ میں گنا بڑھا دیا گیا اور سی آئی اے نے نکاراگوا کے خلاف دس ہزار مسلح گوریلوں کو متحرک کر دیا۔ پونڈ کو شروع میں ہی حقیقت سے بے خبر رکھا گیا اور یہی بتایا گیا کہ ہم ایک ”چھوٹے گروپ“ کو متحرک کر رہے ہیں جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ ایک انٹیلی جنس کمیٹی کے سربراہ کو جب ایسی صورت حال کا سامنا ہوا تو سوال یہ پیدا

فائل کھولی جائے اسے مستقل ”زیر نگرانی“ رکھا جائے اور اگر دوبارہ کبھی تحقیقات کی ضرورت پیش آئے تو اس کی الگ فائل ہی کھولی جائے۔ کانڈراٹیل جنس کے سلسلے میں پیش آنے والی قانونی پیچیدگیوں کی یہ ایک مثال ہے۔ جس سے آپ ہماری مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں اس کے برعکس ہماری حریف کے جی بی کی اس ضمن میں کسی تردد کا سامنا نہیں ہوتا نہ انہیں کانڈراٹیل جنس کے لئے کسی قانونی دشواری کا سامنا ہے نہ کوئی مدد رتی حکم اس راستے میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔

برقی جاسوسی کے ضمن میں بھی ہماری کانڈراٹیل جنس کو کے جی بی پر ابھی برتری حاصل نہیں تھی ہم نے ۹۰ء میں نوٹسکو کی اطلاع پر روسیوں کی طرف سے امریکن ایسی ہی ماسکو میں خفیہ جگہوں پر نصب کردہ ۵۲ مائیکروفون جو آمد کئے تھے۔ ہمیں اچھی طرح علم تھا کہ روسیوں نے ہمارے سفارت خانے پر برقی جاسوسی آلات کی بمباری کی ہوئی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ کم و بیش ۲۰ سال سے جاری تھا۔

۱۹۷۸ء میں جب ماسکو میں ہمارے سفارت خانے کے ایک حصے میں آگ لگی تو امریکہ کے دوران ہمارے سیکورٹی کے ایک ہوشیار آدمی نے دیکھا کہ ملحقہ عمارت کی ایک چینی ہماری طرف جھکی ہوئی ہے۔ اس چینی کا جائزہ لیا گیا تو اس میں تاروں کا ایک وسیع سلسلہ موجود تھا۔ اس چینی میں روسیوں نے اسٹینا نصب کر رکھا تھا۔ جس کے ذریعے وہ ہمارے ایسی ہی سگنلز بھیجے جتنے جن کے ذریعے اندر ہونے والی گفتگو سنی جاتی تھی۔

ہمارا یہ آدمی چینی سے داخل ہو گیا اور اندر ہی اندر سفر کرتا ہوا ادھر والے کمرے تک جا پہنچا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا یہاں تو برقی آلات کا مکمل گورکھ دہندہ چھپا ہوا تھا اس چھوٹے سے کمرے سے وہ ایک سرنگ میں داخل ہوا جس کے آخری کمرے پر اسے ایک روسی فلش لائٹ چمکا تا نظر آیا خوش قسمتی سے یہاں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ ہمارا آدمی بحیرت واپس لوٹ آیا۔ ہم نے اس صورت حال پر ایک پریس ریلیز جاری کی اور حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس پریس ریلیز کو اخبارات نے معمولی سی کو بیج دی تھی۔ پریس ریلیز کے دوسرے دن ہمارے پاس روسی دفتر خارجہ کا احتجاج ضرور پہنچ گیا جس میں کہا گیا تھا کہ ہم نے روسی قوانین

مشرقی یورپ کے ممالک میں کلمہ کلاماخذت کی پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہے؟ امریکی عوام کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ آخر ہم روس کو اس نوعیت کی کارروائیوں سے کس طرح منع کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ سات ماہ پہلے ہم اس نوعیت کے ایک ایکشن کی زبردست مذمت کی تھے جیسا کہ ہم اب نکار اگوا میں کر رہے تھے یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ۲۲ مارچ میر بن بیروت میں ایک ٹرک ہم کے دھماکے میں مارے گئے تھے۔ یہ ٹرک ان کی بیکرے کھانا کر تباہ ہوا تھا۔ ہم نے اسے ”حکومتی سطح کی دہشت پسندانہ کارروائی“ کہا تھا اور اس کے لیے شام اور ایران کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔ ہمارے آپریشن کی نوعیت ایسی تھی کہ بندرگاہ میں بارودی سرنگیں بچھائی تھیں۔ اس کارروائی کے نتیجے میں جو جہازران مارے گئے تھے ان کی موت کے ذمہ دار ”کونٹرا باغی“ تھے اور یہ بھی ایک نوعیت کی حکومتی سطح کی دہشت گردی تھی۔“

اس حادثے کے بعد اس مسئلے نے اتنا طول پکڑا کہ پھر ولیم کیسی کو نہ صرف معافی مانگنا پڑی بلکہ اس نے سی آئی اے کے پانچ نچلے درجے کے افسران کو معطل بھی کر دیا ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا تھا۔ اس ”غضبہ آپریشن“ کے قلوب سے باہر ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ کونٹرا باغیوں کے اپنے مقاصد اور طریق کار پر اور ہم اس نوعیت کی صورت حال میں ایک خاص حد تک ہی ان لوگوں پر کنٹرول کر سکتے تھے علاوہ ازیں ”نکار اگوا“ کے ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۲ء تک کے حالات کا موازنہ ۱۹۵۳ء کے ایران یا ۱۹۵۴ء کی گرتے مالاک کی صورت حال سے نہیں کیا جاسکتا جہاں سیاسی صورت حال بیخ کنج کر تبدیل کا تقاضا کر رہی تھی۔ نکار اگوا میں بہت سے لوگ ”سٹنڈنٹ“ حکومت سے نالاں تھے لیکن ۱۹۷۹ء کی صورت حال کا وقوع پذیر ہونا دور کی بات تھی۔ تب سی آئی اے نے ایک الیمیشن انجام دینا چاہا تھا جو ان حالات میں ناممکن تھا اور اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بالآخر انہیں کونٹرا باغیوں کی بھرتی کرنا پڑی۔ جس کے بعد انہوں نے باغیوں کو بارودی سرنگیں سپلائی کیں جنہوں نے تباہی پھیلانی اور قاتلانہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا جس کی اجازت سی آئی اے کو نہیں تھی۔“

ہوتا ہے کہ وہ پھر کیا کرے؟ جب اس معاملے پر سے شروع ہوئی تو سیکرٹری آف سٹریٹس مشنلر نے کہا کہ ہم نکار اگوا کے خلاف گوریلوں کو مسلح نہیں کر رہے بلکہ یہ امداد السلوڈور کو دے رہے ہیں تاکہ وہ اپنا دفاع مضبوط کر سکے لیکن جب اسلحے کی ایک بڑی کھیپ جو باغیوں کو جاری تھی پکڑی گئی تو مشنلر نے کہا ہمارا مقصد یہ ہے کہ نکار اگوا کے انقلاب کو السلوڈور میں منتقل ہونے سے روکا جائے اور اس کے خلاف برسر پیکار قوتوں کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ سکاٹگریس نے اس پروا دیا کہ حکومت کی طرف سے معزز اسلحہ کو غلط اطلاعات ہم پہنچائی جا رہی ہیں۔ پولنڈ کی طرف سے متعدد درجنہ حکومت کو تنبیہ کی گئی کہ وہ ”کونٹرا باغیوں“ کو اسلحہ کی سپلائی نہ کرے۔

۱۹۸۲ء میں مجبور ہو کر چیئر مین پولنڈ کو یہ کہنا پڑا: ”سی آئی اے ایک بھڑا ہوا ہاتھی ہے اور اپنی من مانی کرتا ہے۔“

جب نکار اگوا سے متعلق حقائق سامنے آئے تو سکاٹگریس کی طرف سے کہا گیا کہ ہم اسے پاس شدہ ایکٹ کی جان بوجھ کر خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ولیم کیسی سے کہا گیا کہ وہ سب سے پہلے تو گولڈ واٹر کیٹی کے سامنے پیش ہو اور اپنے اس عمل پر معافی مانگے اس کے بعد وہ وعدہ کرے کہ آئندہ سے رولز کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ منیر واد ہٹلن نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہم نے آج تک اس معاملے کو ڈھیل دے رکھی تھی لیکن اب یوں دکھائی پڑتا ہے کہ سی آئی اے کی ٹانیاں کھینچی پڑیں گی اور ہم کوئی چور دروازہ کھلا نہیں چھوڑیں گے۔

آخر اس پولنڈیشن کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آخر کونٹرا باغیوں نے نکار اگوا میں کسی دوسرے ملک کی مداخلت کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔ اسی صورت حال نے عام امریکیوں کے ذہن میں کئی پریشانی کن سوالات پیدا کر دیئے تھے۔ ہمارا یہ اصول رہا ہے کہ ہم اپنے سٹرل امریکہ کے ہمسایوں کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کرتے لیکن یہاں صورت حال اس کے متضاد تھی۔ ویلے دیکھا کہ ہم نے نکار اگوا کے خلاف کسی اعلان کے بغیر جنگ کی یا کیفیت پیدا کر رکھی تھی اور اس کو اپنی ناک کا مسئلہ بنایا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روس

سی آئی اے کو صرف خفیہ آپریشن کرنے کی اجازت ہے۔ ہم کھلی جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس صورت حال سے نمٹنا فوج اور اس کے متعلقہ اداروں کی ذمہ داری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپریشن کی نگرانی کرنے والوں نے صدر کی ان ہدایات کو نظر انداز کیا اور اپنی حدود سے تجاوز کر گئے۔ ریگن انتظامیہ کے سامنے دیکمبہری ۱۹۸۳ء میں جو بیان دیا تھا ممکن ہے اس کی لفاظی نے اس کے حاضرین کو متاثر کیا ہو لیکن ہر خیال میں وہ بالکل لایعنی اور کسی حد تک خطرناک تھی یہی وہ رویہ ہے جس نے ریگن کی ٹیم کو عوام کی عدالت میں مباحثے کے لیے لاکھڑا کر دیا اور ہماری انٹیلیجنس کے مستقبل کے لیے خدشات بھی پیدا کر دیئے۔

ریگن کا انٹیلیجنس طریقہ کار دوسری جنگ عظیم والی ادالیں الیں، جیسا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان دنوں ادالیں الیں کا طریق کار کامیاب تھا لیکن وہ زمانہ جنگ تھا آج ۸۰ء میں زمانہ امن کے حالات میں ہم اس طریقہ کار کو نہیں اپنا سکتے ریگن اور کسی کی دانست نے کہا کہ اس کا مظاہرہ کیا اس کا اظہار ہگزریان ترمیم میں لکھے اس جملے سے ہوتا ہے جس کے مطابق ”کوئی بھی خفیہ آپریشن ہو اس میں قومی تحفظات کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیئے۔“

ایک روز مجھے صدر جی کارٹرنے اپنے پاس طلب کیا اور بیٹھتے ہی مجھ سے گویا ہوا ”ہٹن! تمہارے پاس جدید تکنیکی نظام موجود ہے میں جنگ سے متعلق کچھ فولو گرافس دیکھنا چاہتا ہوں“ صدر کی یہ عام سی درخواست ایک نئی بحث کی بنیاد رکھ گئی۔

ان دنوں تمبری دنیا کے دو مالک کے درمیان جنگ ہو رہی تھی اور صدر نے اس کی تصاویر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں جانتا تھا صدر امریکہ کو اس جنگ کی تصاویر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پس پردہ کوئی ادبات ہے۔ دراصل صدر اس طرح میری استعداد کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ جیسے ہی اپنے دفتر واپس لوٹا میں نے ہینک نوچی کو طلب کیا اور اسے صدر کی خواہش سے آگاہ کر دیا میں نے یہ معمول کی کارروائی جان کر کیا اور کسی قسم کی

ہنگامی صورت حال کا اعلان نہیں کیا کہ چونکہ صدر نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے اس لیے فوری اس پر عمل ہو۔ نوچی نے مجھے کہا صدر کی یہ خواہش ہمارے لیے ایک کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ ہمارے لیے یہ بالکل معمولی کام ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ صدر کے ساتھ میری اگلی ملاقات تین روز بعد ہونے والی تھی اور میں اس ملاقات پر تصاویر سے مسلح ہو کر جانا چاہتا تھا۔ ملاقات سے ایک روز پہلے میں نے ہینک سے تصاویر کے متعلق دریافت کیا۔

”ہمارا اسٹارٹ سسٹم متعلقہ تصاویر حاصل نہیں کر سکا سٹن! دراصل جنگ ایک چھوٹے سے علاقے میں ہو رہی ہے اور ہم ابھی تک اس مخصوص علاقے میں جہاں لڑائی جاری ہے کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔“

میں نے اگلے روز صدر سے معذرت کی اور یہ وعدہ کیا کہ تین روز بعد ہونے والی ملاقات میں ہم ضرور اس خواہش کو عملی جامہ پہنادیں گے۔ واپسی پر میں نے اگلے روز سی آئی اے کے اعلیٰ افسران کی جنرل ٹینگ میں یہ مسئلہ رکھا اس میٹنگ میں تمام شعبوں کے سربراہ موجود تھے۔ میں نے اس مسئلے کو ایک چیلنج بنا کر ان کے سامنے پیش کیا لیکن میں حیران رہ گیا جب مجھے جواب ملا۔

”ابھی نہیں!“

میں نے اس پر ناسف کا اظہار کیا اور اسے متعلقہ لوگوں کی نااہلی سے تعبیر کیا لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سی آئی اے کے چیف کی حیثیت سے میری عزت نفس داؤ پر لگ جائے اگر انٹیلیجنس کا شعبہ یہ کام نہیں کر سکتا تو جاسوسی کا شعبہ یہ کام کرے اس پر جاسوسی برانچ کے سربراہ بل الیس نے مجھے کہا کہ ہم جس طرح کے فولو گرافس چاہتے ہیں اس کے آدمی ان کا بندوبست کر سکتے ہیں۔

کیسے؟ میں نے دریافت کیا۔

منصوبہ کچھ لوگوں تھا کہ ہم منتخب ممالک میں سے کسی ایک سے ایک پائلٹ کی خدمات حاصل کرتے، ایک چھوٹا جہاز حاصل کرتے۔ اسے کیمرہ اور معمولی سی تربیت

کوئی نیا پلان سوچا جائے۔

مرے پر سو درے۔ ہمارے علم میں یہ بات نہ آسکی کہ وہاں فضا میں اور «ریڈیرین» بھی محویراز تھے ایک امریکی ملٹری ایچی کرنل کو شوق چڑھا اور اس نے اپنے نبرٹانے کے لیے یہ مہم اکیلے سر کرنے کی ٹھانی۔ کرنل جہاز اڑا تا میدان جنگ میں پہنچ گیا اور اس نے درجنوں تصاویر حاصل کر لیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ خود صدر امریکہ ان تصاویر کو دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ نہ ہی اسے ہمارے مشن کی اطلاع تھی اس نے خود بھی یہ آپریشن کسی کے علم میں لائے بغیر محض اپنی کارکردگی بڑھانے کے شوق میں انجام دیا تھا۔ اس لیے وہ کچھ عجیب سے محسوسات کا شکار تھا۔ اس نے اس مشن میں دلچسپی اٹیلی جنس سے رابطہ کیا، انہیں تو خائف و حائل کا علم نہیں تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے انہوں نے معمول کی کارروائی کی اور تصاویر کی فائل آگے بڑھا دی۔

کئی ہفتے گزر گئے اس دوران مجھے صدر اور نائب صدر کی طرف سے متعدد مرتبہ شرمندگی کا سامنا ہوا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں ابھی تک اپنا اعتماد بحال نہیں کر سکا۔ بالآخر میں نے ایک روز اپنے دفتر میں فولڈر گرانک ایکسپریس کی ایک ٹیم کو بلا لیا اور پوچھا کہ آخر خرابی کہاں واقع ہوئی۔

ان کا سادہ سا جواب مل گیا کہ ہم نے کبھی اس لڑائی کو اہمیت ہی نہیں دی اور جب ایسا کرنے کو کہا گیا تو میدان جنگ بہت سمٹ چکا تھا جہاں پر ہم پہنچ نہیں سکے۔

اس معاملے میں تین فولڈر گرانٹی کی تنظیمیں شامل تھیں۔ فضائی بحران کے انتظام کی ذمہ داری پینٹا گن کی تھی، ملٹری ایچی نے اپنے طور پر یہ کوشش کی تھی اور سی آئی اے کی طرف سے سولین ائیر کرافٹ مقامی سٹیشن چیف نے اس مشن پر روانہ کیا تھا۔ تینوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ دوسرا کیا کر رہا ہے۔ سی آئی اے کو خصوصی ہدایت تھی کہ وہ اس معاملے میں امریکہ کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑے گی۔ نینول تنظیمیں ایک دوسرے سے الگ اور بے خبر کام کر رہی تھیں۔

دیتے اور میدان جنگ میں جھونک دیتے۔ جہاں سے وہ مطلوبہ تصاویر حاصل کرتا تو یہ بتایا گیا کہ یہ طریقہ ہمارے سلاٹ سسٹم سے آسان ہے کیونکہ چھوٹا جہاز ہمدولوں پر محفوظ رہے گا میرے ہمارے تو مجھے تسلی دے رہے تھے لیکن میں مطمئن نہیں تھا۔

جب میں نے پوچھا کہ اس سے کیا خطرات وابستہ ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ خطرہ کا امکان نہیں کیونکہ سی آئی اے کا کوئی رابطہ ظاہر نہیں ہو گا نہ تو جہاز پر امریکہ کا نشان ہو گا، نہ ہی کسی دستاویز پر اور نہ ہی کیمرے کا کوئی نشان باقی رہے گا۔ اگر ہمارا منصوبہ بچھا بھی جاتا تو اس بات کا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ امریکہ کے اس جنگ میں ملوث ہونا کا کوئی ثبوت سامنے آتا اور عالمی رائے عامہ ایسا سوچتی کہ ہم اس لڑائی کے فرائض پورے کر رہے ہیں۔ بل نے مجھے بتایا کہ ان لوگوں نے ۲ ملین ڈالر کا جہاز بھی اس مقصد کے لیے حاصل کر لیا ہے میں نے منصوبے کی منظوری دے دی۔

میں اب بے چینی سے ایڈمرین کے ٹیک آف کا منتظر تھا۔ جاسوسی شعبہ کے لوگوں نے اپنی ذہانت اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہمارا فضائی نگہانی کا نظام ابھی تک اندھیرے میں ٹامک ٹوٹیاں مار رہا تھا جب یہ جہاز پائلٹ سمیت فضا پر پہنچ گیا پہلی اطلاع ملی کہ جہاز فضا میں پرواز کر گیا ہے چند گھنٹے بعد دوسری رپورٹ آگئی بعض تکنیکی وجوہات کی بنا پر جہاز اپنے میں پرواپس پہنچ گیا ہے اگلے روز یہ افسوسناک خبر ملی کہ جہاز تباہ ہو گیا۔

جہاز کوئی لمبا رد نہیں کر سکا تھا بلکہ پائلٹ کی نالائقی کے باعث جہاز تباہ ہوا۔ پائلٹ خود محفوظ رہا۔ اس کے باوجود ہمیں امید تھی کہ کیمرہ چونکہ محفوظ ہے اس لیے ممکن ہے اس میں کچھ تصویریں محفوظ ہو گئی ہوں۔ جب فلمیں ایکسپوزر کی گئیں تو وہ جنگلات، سڑکوں اور پہاڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ کسی تصویر میں فوجی بھی دکھائی نہ دیا۔ دوسری طرف فضائی نظام سے بھی کچھ کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ اب میری تشویش بجا تھی جب اس سلسلے میں ۲ ملین کا بل میرے سامنے پیش کیا گیا تو مجھے پریشانی لاحق ہوئی کہ اس بل کو کس کھاتے میں ڈالاجائے۔ بلا ہر اس کا ایک ہی حل دکھائی پڑتا تھا کہ اس کے

زوں کیو با میں روس کے قومی دستوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا اور ہماری زیادہ تو جہ اس طرف مبذول تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ایران میں ہم ناکام رہے۔ ہم شاہ ایران کے زوال سے چھ یا سات ماہ پہلے اس کے زوال کی پیش گوئی کرنے میں ناکام رہے۔ ہماری توجہ زیادہ تر سالٹ II معاہدے پر لگی تھی اور کیو با میں روسی فوجوں کی آمد سے اس معاہدے پر کسی بھی طرح کے اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔

جون ۷۹ء میں صدر کارٹر اور برزنیف کی ملاقات ہوئی جس میں سالٹ II معاہدہ طے پا گیا۔ ۱۸ جولائی کو جب امریکن سینٹ میں اس معاہدے کے محرکات پر بحث ہو رہی تھی تو "واشنگٹن سٹار" نے لکھا کہ روسی فوجوں کی کیو با میں موجودگی اس مسئلے کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش ہے جو ۱۹۷۲ء میں کیو با میں میزائل نصب کرنے سے متعلق پیش آیا تھا۔

صورتحال یہ تھی کہ اگر روسی ایک پرانے معاہدے پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں تو سینٹ ایک نئے معاہدے کی منظوری کس طرح دے سکتی تھی۔ جن دنوں سالٹ II طے پا رہا تھا انہی ایام میں دسمبر ۷۹ء میں روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہو گئیں اور معاہدہ صحیح طور پر نہ طے پاسکا۔ دکھائی بھی پڑتا تھا کہ اب بد قسمتی کا یہ سلسلہ طویل ہوتا چلا جائے گا۔ واقعات کی مختلف کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط تھیں۔ اس سلسلے کا آغاز ۱۹۷۹ء کے عرم بہار سے ہوتا ہے جب برزنسکی کی طرف سے تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کو ہدایت جاری ہوئی کہ کیو با میں روسی فوج کی نقل و حرکت کا سخت نوٹس لیا جائے اور اس پر کڑی نظر رکھی جائے۔ وہ روس اور کیو با کی مشترکہ افواج کی طرف سے سنٹرل امریکہ میں بڑھتی ہوئی مداخلت پر متفکر تھا۔ میں نے تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کو مزید متحرک ہونے کی ہدایت کی جس پر صوبائی انٹیلی جنس سیکورٹی ایجنسی ایک پرانی لیکن نئی اطلاع کے ساتھ موجود تھی۔

پرانا کیا تھا؟ ہماری فائلوں میں دبا ایک مسئلہ جس کے مطابق روسی کیو با میں ایک نیا بریگیڈ تیار کر رہے تھے لیکن یہ خبر تنازعہ حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ مختلف ایجنسیوں کی اس پر متضاد رائے تھی۔ اب نیا پین یہ آیا تھا کہ این ایس اے نے مختلف

ایک طرف تو یہ تین محاذ کھلے تھے دوسری طرف اس درمیان میں اپنے شعبہ تکنیک برائے حصول اطلاعات سے معاملہ مٹا رہا تھا۔ ان کے علاوہ اطلاعات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی رہ جاتا ہے کہ ہم آرمی کے ریڈیو سے نشر ہونے والے سگنل پر کرنے کی کوشش کریں یا وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے احکامات کا جائزہ لیں۔ ان سگنل کے ذریعے آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ منہارب گروپس جنگ سے متعلق کیا حکمت عملی اختیار کر رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے نیشنل سیکورٹی ایجنسی جو برقی تکنیک آلات برائے جانہ کی زیادہ تر نگہبانی کرتی ہے کی ایک "خفیہ سروس پوسٹ" میدان جنگ کے نزدیک موجود تھی۔

اتفاق سے یہ جنگ ان دنوں شروع ہی ہوئی تھی جب مجھے صدر نے مطلوب حکم سنایا۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی تھی کہ ہم این ایس اے کے اس انٹیلیجنس شارٹ ریج ریڈیو کو میدان جنگ کے نزدیک ترین بے جا میں اور ان کی ایک ٹیم وہاں جا کر سگنلز موصول کرے۔ گو کہ یہ ایک معمولی نوعیت کے کام کے لیے ایک لگا دینے والا تجربہ تھا۔ لیکن مجھے بہر صورت اس تجربے سے گزرنے پڑا۔

میکینا لوجی نے جاسوسی کی قیمت اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا ہے۔ تجزیہ نگار اگر ایک طرف متعلقہ ڈیٹا پروگرام، تازہ ترین اطلاعات وغیرہ سے باخبر رہنا چاہتے ہیں تاکہ ان کا تجربہ سائنسی بنیادوں پر صحیح ثابت ہو تو دوسری طرف ان کی یہ خواہش بھی رہتی ہے کہ متعلقہ پروگرام حاصل کر کے ان تک پہنچانے والی تمام ایجنسیاں اس ضمن میں ہونے والی معمولی تبدیلی سے بھی انہیں بروقت آگاہ کریں۔ اس سلسلے میں وقت بھی پیش آتی ہے اور عین ممکن ہے کہ کسی ایک کی کوتاہی کا فہم دار بھی سی آئی اے کو ہٹھرا دیا جائے۔

ایسی بد قسمتی کا ایک بہترین نمونہ ۱۹۷۹ء کے موسم گرما کے واقعات ہیں۔ میرے دور ملازمت میں یہ انٹیلی جنس کی ناکامی کا بد نما وہ تھا جو پھر پر لگا۔ ہماری اس دور میں شاہ ایران سے متعلق معلومات بروقت حاصل نہ کر لینے کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان

میں آمد کی خبر کی تصدیق کرنا چاہتا تھا لیکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اس پر خاموشی اختیار کر لی۔
۱۵ دسمبر کو روسی فوجیں افغانستان میں گھس آئیں اور سالٹ II سے منعلق تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

بلاشبہ امریکہ کے پاس دنیا کی بہترین ایٹمی جنس موجود ہے۔ ہمارا متحارب صرف
روسی ہے جس کی ہماری طرح دنیا کے ہر کونے میں پہنچ ہے لیکن امریکہ اس میدان میں
بہر حال آگے ہے۔ ہمارے انسانی ذرائع تو براہیں ان کے پاس ہم سے زیادہ کہیں آفسیر
ہیں لیکن کے کے جی بی کا طریق کار فرسودہ اور پرانا ہے۔ یہ لوگ ابھی تک شارٹ گن
سے شکار کے قائل ہیں۔ ہمیں روس کے مقابلے میں دنیا میں زیادہ ہمدرد حاصل ہیں اور یہی
ہماری کامیابی کا راز ہے۔

جہاں تک تکنیکی جاسوسی کا معاملہ ہے ہم روس سے بلاشبہ آگے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا
تو روسیوں کو دنیا بھر میں ہماری تکنیکی صلاحیتیں چوری کرنے کا زور دینا پڑتا۔ ہم دونوں
کے معاملے میں بھی بہت خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ برطانیہ، فرانس، اسرائیل اور دیگر
دوست اس میدان کے تجربہ کار کھلاڑی ہیں جن کی ہمدردیاں ہمیں حاصل رہتی ہیں لیکن یہ
بھی حقیقت ہے کہ یہ دو دشمن کا دور ہے اس میں انسانی ذرائع پر زیادہ اعتماد نہیں کیا
جاسکتا اس لیے تکنیکی برتری کے حصول کے کے لئے روس اور امریکہ میں دوڑ لگی رہتی ہے
ہمیں ایک سبکی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہمیں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ روس
کے جارحانہ عزائم پر نظر رکھنی ہے۔ روس کو دو میدانوں میں ہم پر برتری حاصل ہے۔
کانڈرٹرائیڈل جنس اور ملکی راز کو چھپانے کے معاملے میں وہ ہم سے آگے ہیں۔

یہ برتری روسیوں کو حاصل کرنے کے لیے کچھ زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑی۔ بلکہ
قدرتی ایسا ہو گیا اس کی وجہ روس کا سماجی ڈھانچہ ہے۔ ہم روسیوں والا طرز عمل نہیں اپنا
سکتے کوئی آزاد پسند انسان اس کی حمایت نہیں کرے گا۔ ہمارا سماجی ڈھانچہ اس نوعیت
کا ہے جہاں شخصی آزادی کو مکمل تحفظ حاصل ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس حقیقت
کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

تصدیق کنندہ اطلاعات اور جاسوسی کے ذریعے اس خبر کی مکمل تصدیق کر دی تھی۔ امریکہ باخبر
تھا کہ روسی ایک بڑی جنگی تربیتی مشق کے ساتھ کیوبا میں موجود ہیں۔ اب وارنٹ ہاؤس
کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ روسی فوج کا ایک یونٹ ایک بریگیڈ کی شکل کیسے اختیار کر گیا؟
۱۷ جولائی کی صبح ایک کھلے اجلاس میں سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کے سربراہ
سینٹر سٹون نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ این ایس اے کی اطلاع صحیح ثابت ہوئی
ہے۔ اس کے چند ہی روز بعد ایک خفیہ اجلاس جس میں میرے علاوہ دیگر متعلقہ لوگ
بھی موجود تھے، میں نے یہ کہا کہ روسیوں نے کیوبا میں موجود اپنی فوج میں کوئی اضافہ نہیں
کیا اور اس کی تعداد ابھی تک وہی ہے۔ میں اس سے متفق تھا۔ وارنٹ کا کہنا تھا کہ سوئے
ایک ٹریننگ گروپ کے اور کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اسی صورتحال نے ایک نئی دوڑ شروع
کر دی اور ہمیں اب این ایس اے کی مصدقہ اطلاع کو چیک کرنا تھا۔

اس درمیان واشنگٹن سٹار میں یہ خبر چھپ گئی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی
ایجنسی سے یہ خبر آؤٹ ہوئی ہے۔ خدا کا شکر ہو کہ اس سٹوری کو اور کسی اخبار نے مسترد
نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ معاملہ عوام میں زیادہ زیر بحث نہ آیا اور نہ ایک نئی قیامت
کھڑی ہو جاتی۔ اس صورتحال نے ایٹمی جنس کے حلقوں میں پیدا شدہ تناؤ کو مزید بڑھا
دیا۔ اس خبر کی تصدیق ہو گئی تھی کہ محض چند ہفتے بعد یعنی اگست میں اس بریگیڈ کا قیام
عمل میں آجائے گا۔ ہم نے اس تربیت کی نگرانی کا بندوبست کر لیا تھا اور ٹریننگ
نگرانی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ واقعی ان مشقوں کی نوعیت ہمارے اندازے سے
بڑھ کر خطرناک تھی۔

سی آئی اے کی طرف سے اس رپورٹ کی باقاعدہ اشاعت نے صورتحال کو
اور بھی گھمبیر کر دیا۔ اور یہ دکھائی دینے لگا کہ سالٹ II خطرے میں پڑ جائے گا۔ ۱۹ اگست
کو اس رپورٹ کی اشاعت کے کچھ ہی دنوں کے بعد ایک اور اخباری نمائندے کا فون
سیکریٹری آف سٹیٹ کے ایک سٹاف آفسیر کو آیا یہ نمائندہ ایک نئی روسی فوجی یونٹ کی

آج کی دنیا میں معاشی تحفظات اور برتری کی جو دوڑ لگی ہے اور جس طرز پر انسانیت کی بقا بھی عزیز ہے۔ دنیا میں جمہوری اقدار کا فروغ ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔ اٹلی، میکسیکو، برطانیہ، سوویت یونین، ایران، پاکستان، ایران، انڈونیشیا، ناٹجیریا، سعودی عرب، برازیل، میکسیکو، مراکو اور جنوبی کوریا ان ممالک سے ہمارے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔ ان میں سے ہر ملک کے حالات کا تجزیہ کرنے کے لیے سی آئی اے کو ہر ملک کے لیے ایک الگ تجزیہ نگاروں کا گروپ ترتیب دینا ہوگا۔ جو ان ممالک کے بود و زبان اور روایات پر مکمل و متحرک رکھتے ہوں۔

ہمیں معاشی تجزیہ کاروں کی ضرورت ہے۔ ہمارے طرز زندگی کے لیے بین الاقوامی سطح پر فزائات جنہیں لیتے رہتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ خیال سے سی آئی اے کی مزید بہتری کے لیے ڈی سی آئی کے رول کو سی آئی اے کے سربراہ کے رول سے الگ کرنا ضروری ہے۔ جاسوسی اور تجزیاتی شعبہ جات کو ایک ہی شعبہ بن کر دینا چاہیے۔ ڈی سی آئی کو نیشنل سیکورٹی ایجنسی پر اتھارٹی ہونا چاہیے۔ ڈی سی آئی ایجنسی کی مدد کے اس کے معیار تجزیہ کاری کو بلند کرنا ہوگا۔

ہمیں اس امر پر کڑی نظر رکھنا ہوگی کہ ہمارے ملال اطلاعات کہاں سے جاتی ہیں۔ ان چور دروازوں پر کڑی نظر رکھنا ضروری ہے۔ اٹلی جنس برادری کے بنیادی اصولوں پر مبنی ایک چارٹ بنانا ضروری ہے۔ دیگر ممالک میں خفیہ ایجنٹیں انحصار کرنا چاہیے اور ڈی سی آئی کی سیاسی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔ ہماری اٹلی جنس کا کردار ایسا ہونا چاہیے کہ ہمیں اپنے ملکی تحفظ کے علاوہ

پاکستانیات

میجر جنرل ریٹائرڈ ممتاز علی راجہ کا تعلق پنجاب رجمنٹ سے ہے ۱۹۴۷ء
میں جنگ کشمیر میں اہم رول ادا کیا اور جنرل اکبر خان کی کمانڈ میں پانڈو پہاڑی پر قبضہ
کیا۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں اہم فوجی آپریشن کامیابی سے کرنے سے ستارہ جرات
سے نوازا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں راجہ جتھان سیکرٹری میں لڑے اور فقیہہ انشال کامیابیاں
حاصل کیں۔ ۱۹۴۷ء کی جنگ میں سیالکوٹ سیکرٹری میں داد شجاعت دی۔ پاکستان آرمی
کے پہلے افسیر بن جنہوں نے بیک وقت دو ستارہ جرات حاصل کئے۔
سوال ... جنرل صاحب آپ ۶۵ء میں رن کچھ کے ہیرو کہلائے آپ کو ستارہ
جرات بھی ملا۔ اس معرکے کی تفصیلات۔

جواب ... یونان باؤ ایک ریلوے سٹیشن ہے۔ اس سٹیشن کو میں نے خود
فتح کیا تھا یہ انڈیا کی سرحد کا آخری ریلوے سٹیشن ہے اس وقت ہمارے پاس صحرا میں
صرف دو ٹالین تھے ایک میری ٹالین تھی جس کو ۱۸ پنجاب کہتے ہیں وہ میں کمانڈ کر رہا
تھا۔ اس وقت کئی میل لمبے علاقے میں انڈیا کی فوجیں تھیں میرے خیال میں ۲ یا ۳ ڈویژن
سے زیادہ تھے اس وقت میری ٹالین ڈیفنس لیے ہوئے تھی اور ہم یونان باؤ پر قبضہ
کرنے کیلئے پلاننگ کر رہے تھے یونان باؤ میں ان کی ۲ کمپنیاں تھیں ایک مرہٹہ رجمنٹ
ایک پیرامیٹری فورس اور ایک بی ایس ایف اور ایک ڈویژن ان کے پاس تھی۔
ہم پلاننگ بنا ہی رہے تھے کہ ہمیں اچانک ان کے دائر لیس پر ایک ہم خبر ملی ہم نے فوج

سے ان پر بباری شروع کی تو اس سے وہ گھبرا گئے۔
 اچانک ہمیں خبر ملی کہ وہ اپنے دوسرے اعلیٰ افسروں کو پیغام بھجوا رہے قریب ہم نے قیدی پکڑے ۶۵ میں کسی اور نے اتنا نہیں کیا یہ میری ٹالین ۱۸۔
 تھے کہ پاکستانی بڑا باؤ ڈال رہے ہیں ہمارا حامد شکل میں ہے مجھے حکم ملا کہ جلد پنجاب نے کیا۔ پھر ایک اور جگہ "ٹلوں کا قلعہ" اس پر ہم نے قبضہ کیا۔ اس میں کافی ٹالائی ہوئی
 مونا باؤ پر حملہ کرویں نے تقریباً میل پیدل ہی سفر کر کے اپنی ٹالین کو ان کے پاس... جنرل صاحب آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم ۶۵ میں انڈیا سے بتر فوجی
 کر دیا وہ دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ہم نے ان پر ایک فائرنگ پوزیشن میں تھے؛

غیر ہی قبضہ کر لیا۔ اور ہمارا کوئی آدمی بھی کام نہیں آیا۔ وہ لوگ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ گئے جس میں کافی فوجی سامان تھا۔ ریلوے پر اپنی بہت ساری سٹی جو کہ میں سنبھال رہا تھا۔ اس سارا سامان ہتھیار وغیرہ بہت اچھے تھے۔ کیونکہ امریکہ سے امداد ملی تھی اس
 سکتا تھا اس لیے ہم نے پیچھے خبر دے دی کہ کسی متعلقہ آدمی کو بھجوا یا جائے تاکہ یہ سب سے قبل جنہیں ہم استعمال کر رہے تھے اور ہندوستانیوں کے پاس ۱۹۶۲ء تک
 مال اپنے قبضے میں کر لے اور سنبھالے۔ پھر ریلوے کسٹم اور فوج کے آدمی آگئے اور وہ پرانے ہتھیار تھے۔ ان کو اس وقت تھوڑا سا لگانا پڑا جب کہ چین نے انڈیا پر حملہ
 انہوں نے وہ سنبھال لیا۔ اس کے بعد میں نے اس کے آگے جا کر آدمی بھیجے تو دشمن سیٹھا۔ اس کے بعد انہوں نے یکدم تیز رفتار سے اپنے آپ کو اچھے ہتھیاروں سے
 آٹھ دس میل تک بھاگ چکا تھا۔ لیکن بڑی تیزی سے کہ ہمارے پاس فورس تھوڑی سی تھی۔ اس طرح ان حالات میں ہماری حالت ان سے بہتر تھی۔

دس میل اور بھی آگے جا کر قبضہ کر سکتا تھا اگر ہم قبضہ کر لیتے تو اس کو سنبھال نہیں سکتے سوال... یہ سنتے ہیں کہ پاکستان کا توپ خانہ اس وقت زیادہ اچھی
 پوزیشن میں تھا لیکن ہمارے سامنے کوئی ایسا فعال کرکٹر نہیں آتا اس توپ خانے
 تھے۔ لہذا اسی پر اکتفا کیا۔

اس میں ایک اور بات یہ ہے کہ وہ لوگ کاریلوے سٹیشن ماٹریک مسلمان کا جب ہم کشمیر کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ کشمیر پر حملے کا آپ بطور ایک جنرل کیا
 جاتے ہوئے ہندوستانیوں نے اسے مار دیا۔ اور اس کی بیوی کو لے کر بھاگ کر تیرے یہ۔

گئے انہوں نے اس پر الزام لگایا کہ تم چونکہ مسلمان ہو اس لیے تمہاری اطلاع پڑا۔ جواب..... جہاں تک توپ خانے کا سوال ہے میرے خیال میں ہمارے
 پاس پاکستانی توپچی بہت اچھے ہیں۔ ۶۵ء کی جنگ میں، میں نے جن علاقوں پر قبضہ
 کیا وہاں سے ان کے کئی کاغذات ملے جو کہ توپ خانے کے استعمال اور فائر کرنے

سوال... آپ ۶۵ء میں صرف اسی علاقے میں رہے؟ جواب... نہیں میں آگے بھی گیا۔ مونا باؤ کے علاوہ شکر پور پر قبضہ کیا۔ ڈال کے طریقے ہوتے ہیں۔ اور یہ کافی حساب کے سوال ہوتے ہیں۔ وہ اسی طریقہ سے
 اپنا توپ خانہ استعمال کر رہے تھے۔ جو دوسری عالمی جنگ کا تھا۔ لیکن ہم نے اس
 دوران میں اور بہت سے طریقے استعمال کر لئے تھے اس لیے ہمارے توپ خانے کا

ایک جگہ ہے اس پر قبضہ کیا۔ سوال... کسی جگہ آپ کو دشمن سے اچھی طرح لڑنے کا بھی موقع ملا؟ جواب... ایک جگہ شکر پور ہے۔ ایک ڈالی تھی جہاں پر ہمارا حملہ داران
 رہا جس میں ۲ ٹالین ۵ سرٹریجنٹ اور ۱۷ مارٹر رجمنٹ کا ہم نے صفایا کیا اس میں

ہم نے پورے سیالکوٹ، لاہور کے علاقوں میں اس سے فائدہ اٹھایا

فوج چلی گئی کہ یہاں کے لیے کم ہوگئی اور بذریعہ جہاز جاتے رہے۔ انڈیا نے چونکہ اوپر راستہ بند کر دیا تھا اس لیے فوج بذریعہ برما جاتی تھی تربت سے ہو کر۔

یہاں پر بڑی کم ہوگئی تو دوسری بات یہ کہ انہوں نے جب مشرقی پاکستان کو ختم کر دیا تو سارے مغربی پاکستان کی طرف کوئٹہ کی طرف گئے تو یہاں پر اس وقت اتنا ڈپریشن ہو گیا تھا کہ مشرقی پاکستان چلا گیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ کئی انٹرویو نے استغنیٰ دے دیا تھا کہ ہماری ہوئی فوج کے انفرسٹریکچر رہنا چاہتے۔ ہر ایک کے دل میں دکھ تھا ہمارے دل میں بھی دکھ تھا تو یہ بات ہے۔ اور ہمارے پاس اس وقت وہی پرانا ہتھیار تھے جو کہ ۶۰ء کے عشرے میں امریکی امداد میں ملے تھے۔ اس کے بعد کوئی نہیں ملے تھے جبکہ انڈیا کے ہتھیار نئے تھے کیونکہ انہوں نے چین سے جنگ کے بعد روس سے مدد لی تھی۔

سوال ... قیام پاکستان کے فوراً بعد یہ اصول طے پا گیا تھا کہ ہم مشرق کا دفاع مغرب میں بیٹھ کر کریں گے ہم مشرق میں دفاع کریں گے اور مغرب سے حملہ کریں گے۔ جبکہ ہماری پالیسی اس وقت یہ تھی کہ ہم حملہ مشرق سے کر رہے تھے اور دفاع مغرب سے شروع کر دیا تھا کیا یہ منطقی نہیں تھا کہ ہم مشرق پر ہونے والے حملے کا مغرب سے دفاع کرتے؟

جواب ... میرا خیال ہے مشرق میں ہم نے حملہ نہیں کیا۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہوا یہ تھا کہ جب اندرونی خلفشار مشرقی پاکستان میں شروع ہو گیا اور اس کے بارے میں آپ کو علم ہے تو اس کے بعد گوریلا جنگ شروع ہو گئی پھر ہندوستانیوں نے بڑی چالاکی کے ذریعے ملک سے آسام کی طرف سے مغربی بنگال کی طرف سے بارڈر کے اوپر سے اندر نفاذ جنگ کرنا شروع کر دی۔ چونکہ انہوں نے یہ کیا کہ اپنے علاقے میں گئیں رکھ کر نافرمانی بہا رہے علاقے میں شروع دیا۔ اس لیے ہماری فوج کو پورا بکھرنا پڑا۔ اور یہ بڑی چالاکی حرکت تھی۔ ہمارے بکھرنے کے بعد ان کی فوج

لیکن مطلب یہ ہوتا ہے کہ کتنی توہینیں ان کی تعداد ان کی خاصیتیں وغیرہ۔ انڈیا نے فوج تعداد میں ہتھیاروں کی تعداد میں کافی زیادہ ہے تو ہم جب دیکھتے ہیں کثیرتہ سے کر رہے ہیں کچھ تک انیا تو پ خانہ پھیلائے ہوئے ہیں تو قدرتی بات ہے زمین پر وہ کم نظر آتا ہے۔ جب ایک جگہ پر فائر کرتے ہیں تو عموماً دیکھتے ہیں کہ اس کی مقدار کم ہے اور کتنے کتنے نام ملے پر گن لگی ہوئی ہے تاکہ اس کا کوئٹہ لین اچھی طرح ہو سکے تو اس کی کمی ہمیں ہمیشہ محسوس ہوئی ہے۔ ہمارے آدمیوں کی فوج کی کمی کیونکہ انہوں نے فوج اور سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

سوال ... جنرل صاحب ہم صرف دسٹریکشن فرنٹ کے حوالے سے باز کریں گے۔ ۶۵ء میں پاکستانی فوج کا رول ہماری مغربی سرحدوں پر بہت اہم رہا اور دنیا نے تسلیم کیا۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں یہی فوج بہت زیادہ بہتر ہتھیاروں کے ساتھ لڑا تو کیا وجہ تھی مشرقی پاکستان کو تو چھوڑیں کہ وہاں حالات اچھے نہیں تھے لیکن مغرب پاکستان میں ہماری سپلائی کی وجہ کیا تھی ہم نے خاصا علاقہ انڈیا کے قبضہ میں دے دیا۔ جواب ... اس چیز کے لیے بہت گہرائی میں جانا پڑتا ہے۔ پہلے تو یہ کہ حالات جن کا آپ کو علم ہے ان کو زیر بحث نہیں لانا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ مشرقی پاکستان میں ایک قسم کی گوریلا جنگ شروع ہو گئی تھی۔ لوگ تعاون نہیں کر رہے تھے اور حیران ہوں گے کہ فوج کو راشن کے لیے آٹا۔ بنری تک نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ وہ مارکیٹ سے خرید کر دینا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک وائرس سیلٹ ہے۔ پر آپ خبریں دیتے ہیں وہ ایک سیل سے چلتا ہے وہ وہاں موجود نہیں تو سیلٹ کرے گا۔ اس کا مطلب کہ ہم ایک دوسرے سے بات نہیں کر سکتے تھے تو اس طرح کی چیزیں۔

جو ہمارے کمانڈرز سمجھتے انہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ انڈیا کی چالاکی تھی جس کو کل گوریلا داریا کو کل ڈسٹریکشن شروع کر دی تھی اس طرح وہاں کافی فوج بھجوا گئی اور حقیقت حملہ ہونے سے ایک دن پہلے بھی بھیجتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں

سوال.... ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی سرحد پر ہماری پلاننگ ناقص تھی۔ اس لیے ہم کچھ نہیں کر سکے۔ یہ تو عام سوچیں بات کہہ سکتے ہیں لیکن فوجی نہیں کہہ سکتا فوجی میں تو جذبہ انتقام بنیاد ہونا چاہیے کہ انہوں نے اگر مشرقی پاکستان لیا ہے تو ہم مغرب میں بقیہ کریں:-

جواب..... جہاں تک جوش اور دلوے اور جذبے کا تعلق ہے وہ تو ہے لیکن دہلی لینے کے لیے آپ کو وسائل چاہئیں۔ مطلب خود بازوؤں سے تلوار سے جڑے اس کے لیے کافی نہیں۔ میں ایک اور بات بتاتا ہوں کہ مشرقی پاکستان کو آزادی دینے پہلے کٹ آف کر لیا۔ بنگال کے ساحل سے ہمارے جہاز بندویٹے دہلی سے لنگا جہاز کا معاملہ تھا۔ اور ساتھ ہی فلاٹ بند کر دی۔ ابھی آج کل کی بات ہوتی ہے کہ ایک جہاز ہوتا ہے جو کہ بہت اونچا پرواز کرتا ہے جو کہ میرا خیال ہے پاکستان آرمی یا ائرفورس کو پتہ نہیں تھا۔ انہوں نے روس سے لیا تھا۔ اس کا نام میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔ وہ ہزاروں میٹر بلندی پر اڑتا ہے اسی میں کیمرے نصب ہیں اسی میں ریڈار ہے اب یہاں سرگودھا سے پشاور جیسے ہی جہاز اٹھتا تو اسے خبر ہوتی ہے اور وہ جہاز اتنا اونچا ہے کہ آپ اس کو مار نہیں سکتے جس کی وجہ سے ان کی ائرفورس ۱۷ء کی جنگ میں ہماری ائرفورس سے زیادہ بہتر کارکردگی دکھا سکتی تھی۔ مطلب یہ کہ جو لڑائی ہوتی ہے وہ سالانہ کے لحاظ سے سائنس کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ ۶۵ء جنگ میں حالت ان سے بہتر تھی۔

سوال.... ہم نے ۶۵ء میں بھی کچھ نہیں کیا۔ کم از کم ہم کشمیر تو لے لیتے۔
جواب..... دیکھئے اس میں کافی چیزیں ہیں۔ کشمیر بڑی مشکل جگہ ہے وہاں بھی آپ کو کافی وسائل درکار ہیں۔ مین پاور کافی ضروری ہے۔ وقت کافی چاہیے۔ آپ ایک پہاڑی پر حکم کر سکتے قبضہ کریں گے تو اس کے بعد کافی دنوں کے بعد درمیانی پہاڑی پر کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ اتنا آسان کام نہیں ہوتا۔ اس کے لیے کافی وقت چاہیے ہماری ایک لویٹ ہے تو اس کی ۵ یونٹ آگے لگی ہوتی ہیں۔

نے یکدم ہم پر کنٹرول کے مسئلہ کیا۔ ہماری فوج ایک تو بھری ہوئی تھی اور دوسرا لوگ تعاون نہیں کر رہے تھے۔ یہ بات ہوتی تھی۔ ہم نے انڈیا پر حملہ نہیں کیا تھا۔ مشرقی پاکستان سے۔

سوال... کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ مغربی پاکستان سے حملہ کرتے؟
جواب..... یہ اور بات ہے کہ کیا ہو سکتا تھا۔ اس وقت کی حکومت کی بات ہے کہ یہ دیکھیں کہ آیا مشرقی پاکستان میں جب ہنگامے تھے وہاں ہی محدود رکھا جائے یا پوری لڑائی لڑی جائے اس میں فیصلہ کرنا کہ آج شروع کرنی چاہیے نہیں شروع کرنی چاہیے۔ کب شروع کرنی چاہیے۔ یہ بڑا مشکل فیصلہ ہوتا ہے یہ حکومتی سطح پر سوچنا پڑتا ہے کہ کیا کیا جائے۔

سوال.... آپ ۱۷ء میں کس طرح لڑ رہے تھے؟
جواب.... میں تو سیالکوٹ کی طرف سیالکوٹ کے علاقہ میں ایک ریزرو فوج تھی۔ میرا ہیڈ کوارٹر ڈسکہ کی طرف تھا۔ میرا علاقہ کشمیر سے لیکر یہاں لاہور کے قریب سائمن ٹک تھا۔
سوال.... کیا یہ صحیح ہے کہ مشرقی پاکستان کے حالات سے ہماری فوج بدول ہو چکی تھی۔

جواب.... جی ہاں یہ درست ہے اس کی وجہ ہے کہ اس سے کافی لوگوں کو صدمہ ہوا۔
سوال.... لیکن جنرل صاحب ایک اچھے کمانڈر کو خصوصی حالات میں لڑنے کی تربیت دی جاتی ہے؟

جواب..... یہ بھی درست ہے مگر یہ کہ آدھا حصہ ملک کا ٹوٹ جائے تو قدرتی بات ہے کہ ہر ایک کو صدمہ ہوتا ہے۔ اور ہر کسی سلع سے نیچے سہا ہی تک۔ یہ بھی اپنی جگہ پر ٹھیک ہے کہ ایسی حالت میں دل نہیں چھوڑنا چاہیے فوجی کو ایسی تربیت ہی ہوتی ہے۔

سوال۔۔۔۔۔ اے کے بعد سے ہم نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا ہے۔
پاکستانی فوج کے حالات کافی بہتر ہوئے اور ہم ہتھیاروں کے حساب سے بھی اور
کافی اچھی پوزیشن میں ہیں لیکن حال ہی میں سیاحین گلیشیر پر بھارتی اور پاکستانی فوج
کی لڑائی کی خبریں ملی رہی ہیں۔ اور انڈین فوج کا وہاں قبضہ کرنا آپ کے نزدیک
اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔۔۔۔۔ ایک تو اصل میں میں ادھر گیا نہیں مجھے پتہ نہیں لیکن بہت
علاقہ ہے کہ جہاں پر آدمی آباد نہیں ہے وہاں کوئی رہ نہیں سکتا اب نئی صورت
حال کی ہے اس کا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے علم نہیں ہے۔

سوال۔۔۔۔۔ آپ کیا محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں انڈیا کے خلاف
پالیسی اختیار کرنی چاہیے؟

جواب۔۔۔۔۔ فوجی نقطہ نگاہ سے تو میں یہی کہوں گا کہ ہمیں ہر وقت تیار
چاہیے۔ ہمیں اپنی فوج کو تیار رکھنا چاہیے منظم کرنا چاہیے ان کے فوجی سامان ٹھیک
ہمیں بڑھا چوکنا رہنا چاہیے کیونکہ مغربی سائڈ پر بھی ہمارے حالات اس طرح
ہیں المیٹرن سائڈ پر بھی اس طرح تو پھر بھی کافی چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ تیار رہنے کا
مطلب نہیں کہ آپ حملہ کریں آپ کا دفاع مناسب ہونا چاہیے۔

سوال۔۔۔۔۔ جنرل صاحب ہمارے ملک میں دفاع کی ایک بڑی عجیب
نکلی ہے۔ پہلے قربات یہ ہے کہ ایک سیدھا اصول ہے کہ جارحیت میں دفاع
ہو جاتا ہے ہم دفاع کو یہ سمجھ رہے ہیں یا نہیں بتایا جا رہا ہے کہ آپ اپنے گھرمیں
رہیں اور انتظار کریں کہ کب دشمن آپ پر حملہ کرے آپ کا نقصان کرے پھر آپ
کریں کیا ان مروجہ اصطلاحات کو ہی دفاع کہتے ہیں کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ دشمن
حملہ کرنے سے پہلے اس کی حملہ کی قوت ختم کر دیں۔

جواب۔۔۔۔۔ نہیں دفاع کا یہ مطلب نہیں کہ چپ کر کے بیٹھے رہیں
ہم کہتے ہیں کہ جو حملہ ہے وہ دفاع کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔ تو اس لیے دفاع

سوال۔۔۔۔۔ ہم نے حملہ کر کے تو آج تک دفاع کیا ہے۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔ اس میں حملہ بھی
ہوتا ہے۔ دفاع بھی ہوتا ہے۔ ہر طریقہ اور حربہ ہوتا ہے۔
سوال۔۔۔۔۔ ہم نے حملہ کر کے تو آج تک دفاع کیا ہی نہیں۔ افغانستان
باری کرتا ہے تو ہم احتجاج کر دیتے ہیں۔ بھارت کا جب جی چاہتا ہے ہمیں یہ نقطہ
نارایتا ہے۔ اس پر بھی صلح امن کی باتیں کرتے ہیں۔ ۱۰ء کا سانحہ ہم نے بھلا دیا ہے
پھر یہ دفاع کس طرح کا ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ قوم کا مول ختم ہو رہا ہے
جواب۔۔۔۔۔ نہیں جتنا ڈیفنس ملٹری کا ہے وہ میں نے آپ کو سمجھا دیا ہے
کر کیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اسکو حملہ کس وقت کرنا چاہیے افغانستان حملہ کر رہا ہے
ہم خاموش ہیں یہ انتہائی اعلیٰ سطح پر سیاسی نقطہ نظر سے یہ دیکھنا پڑتا ہے اس میں
فوجی کمانڈر کا کوئی ہمتہ نہیں ہے اگر اسی آپ کہیں کہ انڈیا حملہ کر رہا ہے تو کس وقت
اس پر حملہ کرنا چاہیے یا افغانستان پر کب کرنا چاہیے یہ سیاسی فیصلہ ہے اور
فوجی نہیں ہے۔

سوال۔۔۔۔۔ ہمارے ملک میں فوج کا سیاست میں بھی بھرپور حصہ رہا ہے
پاکستان بننے سے آج تک ہمیشہ فوج کا اہم رول رہا ہے۔ سیاست میں بھی فوج نے
بہشت اچھا کردار ادا کیا ہے۔
اور بطور فوج تو ہمیشہ ہی اچھا رہا۔ ونا تسلیم کرتی ہے۔ تو جب اتنے اتنے
بڑے سیاسی فیصلے فوج کرتی ہے تو یہ فیصلہ بھی فوج کو کرنا چاہیے۔
جواب۔۔۔۔۔ ابھی جیسے آپ نے افغانستان کا کہا ابھی کیسے یہاں بیٹھ کر کہہ
کہہ سکتے ہیں جس وقت آدمی ان ذمہ دار عہدوں پر ہیں ان کے پاس کیا خبریں ہیں
کیا ملات ہیں ان کے خیالات کی طرح کے ہیں اگر کل کو افغانستان اور پاکستان کی لڑائی
شروع ہو جائے تو پھر کیا ہوگا۔ مطلب یہ چیزیں اس سطح پر پہنچنی پڑتی ہیں۔
سوال۔۔۔۔۔ ۶۵ء کی جنگ میں جو تو فوجات قوم کو مسلح افواج سے بچیں کیا فوج
اک معیار پر پوری اتنی؟

نہیں ہو سکتا تھا اس طرح کے کام کرنے کے لیے بہت تیاری چاہیے جو مجھے ساری آباری ہے ان کو اپنے ساتھ لانا پڑتا ہے اس میں سیاسی نقطہ نظر آتا ہے اور فوجی نقطہ نظر بھی یہ مرناس وقت بھیج دینا اور کہنا کہ اب یہ کر دیے ٹھیک نہیں۔

سوال ۱۵۰ میں انفرورس نے ایس ایس جی کی ایک پلاننگ کی اور پٹان کوٹ آدم پور اور پلوٹھ پر پیرا ڈرائس اتارے۔ ان کا جو حشر ہوا وہ بھی قوم کے سامنے ہے۔ آپ کے نزدیک جن لوگوں نے یہ پلاننگ کی تھی کیا صحیح کی تھی؟ جواب یہ بھی اس طرح کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کو کامیاب کرنے

کے لیے پرانی تاریخ کو سٹڈی کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ درست فیصلہ نہیں تھا۔ اگر یہ فیصلہ کرنا تھا تو اس مقدار میں کرتے کہ یہ کامیاب ہو جاتا جگے انفرادی طور پر انہوں نے بڑی کوشش کی۔ مگر پھر بھی یہ آپریشن کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

جواب میرے خیال میں ۵۰ کی جنگ ٹھیک تھی۔ ویسے یہ ہے کہ اس جنگ میں اور اچھا ہو سکتا تھا جس طرح یہ حکیم کرن کا معاملہ تھا۔ وہ کیا انڈیانے کہا تھا کہ جگوان نے نہیں بچا لیا ہے۔ تو وہ ہمیں قرضہ کرنا چاہیے تھا کافی آگے۔

سوال جو ہمارے سامنے بات آئی ہے مختلف کتابوں کے مطالعے سے وہ تو یہی ہے کہ وہاں توپ خانے اور پیدل فوج کا ملاپ ٹھیک نہیں تھا۔ اب وجہ سے ہم وہاں وہ نتائج حاصل نہیں کر سکے اور پھر کمانڈ کی تبدیلی کا مسئلہ تھا۔ اور ایسے مسائل تھے لیکن قوم کے نزدیک یہ باتیں اس لحاظ سے اہمیت نہیں رکھتیں کہ فوجی فیصلہ کیا تھے لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ فوج انہی توقعات پر پوری اترے۔

جواب بالکل یہ درست ہے لیکن وہ کسی نے کچھ غلطی کر دی کسی نے کچھ کر دیا تو لڑائی میں تو یہ ہے کہ ذرا سی غلطی ہو جائے تو فتح شکست میں شکست فتح میں بدل جاتی ہے۔ حکیم کرن والے معاملے میں میں تو ادھر نہیں تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ کامیاب ہو گا لیکن نہیں ہوا۔ جھب جھب جوڑیاں والا ہمارا خیال تھا کہ کامیاب ہونا چاہیے تھا لیکن یہ بھی آپ نے خود ہی بتا دیا کہ کمانڈ کی تبدیلی ہو گئی پھر انڈیانے ادھر حملہ کر دیا۔ یکدم وہ ادھر والے ادھر بلانے پڑے اگر مزید فیغری ہوتی۔ ایک ڈویژن کی کسی محسوس کی گئی تھی اس وقت۔ اور فوج نے اس وقت کی حکومت کو کہا تھا کہ ایک ڈویژن کی مزید ضرورت ہے۔ گورنمنٹ نے منظوری نہیں دی تھی کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس وقت اگر ایک ڈویژن اور ہوتا تو حالات ہی بدل جاتے اور حکومت کو پیسہ بھی سمجھ کر خرچ کرنا پڑتا ہے کہ فوج پر کریں یا تعلیم پر یا زراعت پر اس وقت کے جو حالات ہوتے ہیں اس کے مطابق آدمی بہتر سمجھتا ہے بعد میں ثابت ہو سکتا ہے کہ اس نے غلطی کی۔

سوال آپ کچھ آپریشن جبرالٹر پر روشنی ڈالیں گے؟ یہ فیصلہ غلط تھا یا صحیح؟

جواب وہ جو پچھے پچھے تھے انہوں نے میرے خیال میں وہ کامیاب

ہماری عسکری تاریخ کے خفیہ گوشے

ایس ایس جی کے سابقہ کمانڈر کرنل غفار مہدی کی زبانی

سوال.... یکرمل صاحب! آپ نے ۶ ستمبر ۸۷ء کے ایک اخبار میں
 چھپے اپنے انٹرویو میں ”گناہ ہیرونہ“ کا ذکر کیا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ قوم کو ان
 عظیم لوگوں کی اصلیت سے باخبر کیا جائے۔ اور اس موضوع سے ہم اپنی گفتگو کا
 آغاز کرتے ہیں۔؟

سوال اب اپنے تئیں تاسف کی وضاحت بھی کر دیجئے؟

جواب جی ہاں! میں نے یہ جو لفظ ”تاسف“ استعمال کیا ہے تو میرا تاریخی تاسف ہے۔ اس میں میرے ”مادیت“ سے متعلق جذبات کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔

پیشیل سروس گروپ کی ایک مایہ ناز شخصیت جسے میں نے خود کمانڈوز کے لیے بلایا تھا اور جو میرے بلانے پر رضا کارانہ طور پر ایس جی بی آگئے اور ۶۵ء کی جنگ کے بعد تک وہ کمانڈوز کے ہر شعبہ میں کاروائی نمایاں سرانجام دیتے رہے۔ انکے کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ اگر وہ کسی دوسری فوج کے سپاہی ہوتے تو انہیں عظیم ترین اعزاز سے نوازا جاتا۔ ان کے کارنامے صرف فوجی درجہ گاہوں ہی میں نہیں بلکہ عوام الناس کو بھی جل الفاظ میں پڑھائے جاتے۔

کر نل مہدی۔۔۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ لوگوں کے دربار بیٹھا ہوں۔ اس اخبار کی تکجری قیام پاکستان سے پہلے شروع ہوئی تھیں اور مسلسل بلند ہوتی آرہی ہیں۔ آپ کا سوال میرے ۶ ستمبر ۸۲ء کے انٹرویو تاریخ آپ سے مخاطب ہے، سے متعلق ہے جس کا ایک حصہ جنگ ستمبر ۶۵ء کے گمنام ہیروز سے متعلق تھا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے گھنڈ خدا خواستہ نہیں کہ میں حفاظت سے مسلسل پردہ ہٹاتا آرہا ہوں۔ اخبارات میں یہ چیزیں پچھلے اٹھ سال سے آنی شروع ہوئی ہیں۔ لیکن جنگ ستمبر سے پہلے اپنے خطوں کے ذریعے جی ایچ کیو کو میں ان لوگوں کی منصوبہ بندیوں کی کمزوریوں سے آگاہ کرتا رہا تھا بلکہ آگاہ سے زیادہ میں ان کو ”وار ننگ“ دیتا رہا۔

میں (۱۲ مارچ ۸۵ء) کو ٹی وی پر فوجی جوانوں کی مشقیں دیکھ رہا تھا جہاں پیر اکاٹڈ وز نے وہ پیراشوٹ فری ڈراپ کا مظاہرہ کیا تو میری جذباتی حالت بڑی عجیب ہوئی۔ پرانی یا بے تازہ ہوئی اور آنکھوں میں بے انتہائی بھی آگئی۔ یہ خوش

اس شخص کا نام ہے مرحوم میجر جنرل احسان الحق ڈار مرحوم میں نے اس ڈائریکٹر ملٹری آپریشن تب بریگیڈر گل حسن تھے جو بعد میں کمانڈر انچیف بنے لیے کہہ دیا کہ یہ دعائیہ کلمہ ہے جس سے مرنے والے کی مغفرت طلب کی جاتی ہے۔ اس میں یہ ایک سازش تھی جب کہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مقبوضہ کشمیر کو ورنہ میں اسے مرحوم نہیں کہتا۔ ایسے لوگ کبھی نہیں مرا کرتے۔ بقول جنرل موسیٰ جنگل زادہ کہ دانیہ کا بہت شاندار منصوبہ تھا۔ میں ان لوگوں میں شامل نہیں۔ کیونکہ اس ستمبر ۶۵ء کا آغاز مقبوضہ کشمیر میں کمانڈر بھیجنے سے ہوتا ہے مجھے جنرل ہیڈ کوارٹر منصوبے میں سوائے کمزوریوں کے اور کوئی پہلو سامنے نہیں آتا۔

نے مئی اور جون کے درمیان اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ ایک اس قسم کا منصوبہ بنایا۔ مجھے یہ ملال تھا کہ آخر ہیڈ کوارٹر اس منصوبے کی خامیوں کو کیوں نظر انداز جا رہا ہے اور حکم دیا کہ میں میجر جنرل اختر حسین ملک کے پاس جو مری میں ان دنوں کر رہا ہے اور میں نے انہیں زبانی ہی نہیں تحریری بھی یہ لکھ کر بھیجا کہ اس منصوبے جی اوسی تھے جاؤں اور انہیں کمانڈر کی ہر ممکنہ مدد دہم پہنچاؤں۔

س۔۔۔ کرنل صاحب! یہ بات آپ اکثر کہتے ہیں کہ ”آپریشن جبرالٹر“ کا منصوبہ آپ پاکستان میں ”آف پگنڈ“ کی تاریخ دہرا نا چاہتے ہیں بالکل اس کے سے انداز طے پا جانے کے بعد آپ کو مطلع کیا گیا۔ آپ ایس ایس جی کے کمانڈر تھے اور اس میں آپ کا کر رہے ہیں لیکن اس کا انجام سوائے ایک امداد ہناک ایسے کے اور آپریشن میں مرکزی اور خصوصی کردار بھی ایس ایس جی نے ادا کرنا تھا یہ سمجھ نہیں آتی کہ پھر نہیں ہو سکتا۔

آپ کی شمولیت کے بغیر یہ منصوبہ کیسے بن گیا؟ میرا مطلب ہے آپ کو اعتماد میں یہ رپورٹ میرے دستخطوں کے ساتھ ہیڈ کوارٹر میں گئی تھی اور اسے مرتب کرنے کے لیے بغیر نیا ہر ایسے کی منصوبے کی تیاری سمجھ میں نہیں آتی؟

ج۔۔۔۔۔ آپ نے بہت اچھا سوال کیا لیکن اس کا جواب جنرل اختر ملک مرنے کے دوپ کے دوسرے افراد کا مشورہ بھی ہم نے لیا تھا۔ لیکن پاکستانی فوج میں دے سکتے تھے، عزیز احمد دے سکتے تھے، جٹو یا ایوب خاں دے سکتے تھے جہاں ان کا علم کے انتقال کے فوراً ہی بعد ایک جھوٹا سا گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے سیاسی دنیا میں نہیں ہیں۔ ہاں ایک شخص ضرور ایسا ہے جو زندہ ہے اور اس سوال کا جواب ”ہاں زیادہ تھے اور پیشہ دارانہ دیکھنا کہ تھیں۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے کہ جو مسلسل لٹا چلا گیا جسے آپ ”عسکری ملکیت“ کہہ سکتے ہیں جس کی مثال میں ہندوستان میں بھی دے سکتا ہے اور وہ ہیں جنرل موسیٰ۔

سوال۔۔۔۔۔ آپ اشارے کا کچھ تو بتائیے؟

جواب۔۔۔۔۔ ایک اور کردار جو ان دنوں بہت اہم حیثیت کے حامل ہے سپاہی تھے بہت بہادر تھے لیکن ان کا محور اور مقصد سیاست کی کرسی تھی۔ ایک تھے اور الحمد للہ بقید حیات بھی ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر وہ بھی اس راز سے پردہ لے کر شہادت کی حیثیت سے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ اپنا نکتہ نگاہ ان لوگوں کیوں نہیں اٹھا رہے۔ زندگی موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ مسہد پناہوں۔ میں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تھا پیر اکمانڈر سے۔ کیوں نہ آپ کہ پاکستان وقت آگیا ہے کہ وہ اس راز سے ضرور پردہ اٹھائیں۔ اور وہ ہیں میجر جنرل ملک کے بیٹے کمانڈر کی اس پیر انڈیٹنگ کا حال سناؤں جو ۶۵ء کی جنگ کے آغاز بہادر شیر جو بہت نیک انسان ہیں اور جنہیں اصلیت کا علم ہے یہ ان دنوں چیف پاکستان کے جاناں کمانڈر سے بڑے ظالمانہ اور غلط طریقے سے بھارتی ہوائی آف سٹاف تھے۔ ان کے تحت بریگیڈر بلگرامی وائس چیف آف سٹاف تھے۔

سوال.... بکنرل صاحب آپ شاید پاکستان ائرفورس کی طرف سے کہ انڈیا کی اپنی سوچ منجھ ہو جاتی تھی اور زبانوں پر تھل لگ جایا کرتے تھے۔ میں آپ پر ایک ہڈو آپریشن کا ذکر کر رہے ہیں جو بھارتی "مگڈم" یعنی ہواڑہ آدم پورا کے اس سوال کا جواب بھی اسی سوال میں دے رہا ہوں کہ جبرالٹر کا کیا ہوا تھا؟ ہوا یہ پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈوں پر کیا گیا؟

جواب.... جی ہاں میں اسی طرف آ رہا ہوں میری یہ عادت ہے ہر

اذانیں دیتا رہتا ہوں فوج میں بھی دیں۔ اس کے بعد بھی دیں۔ یہ تجسیم مسلسل کہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ انہوں نے فلیڈ مارشل ایوب خان کے سامنے اپنے میں جاری ہیں گو کہ پرانی بات ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے یہ عمل ہمیشہ جاری رکھا اس منصوبے کا ذکر اس وقت کیا تھا جب وہ گرمیوں میں مری جایا کرتے تھے۔ اور ان میں نے اس موضوع پر اکثر قلم اٹھایا اور اسے شائع کرنے کا فخر بھی فوٹے دے ہاں اصولاً گروا کر جنرل ہڈ کو اڑھ کر باندھ کر رکھ دیا۔

اس کے بعد جی ایچ کیو کے پاس ناں کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی تھی اور ان کو حاصل ہے۔

میرا انگریزی کا مقالہ تھا "ٹریبونٹ انڈیئر" اسکا آف پی اے کے حکم کی تعمیل اس کا فرض بن جاتا تھا۔ بہر حال آپ آئے پراڈ راپن کی طرف میں نے ان ۱۹۶۵ء وارڈ میرا مضمون فوٹے وقت کے بعد بھی مسلسل پھینتا آ رہا ہے جی ایچ کیو سے کہا اگر آپ میرے ہی سر پر یہ ہڈ یا سپوڑنا چلتے ہیں تو اور بہت دھسوں میں تھا پہلا حصہ پی اے ایف کی تاریخ جو ایک برطانوی مسنف کا اسے مراحل سے گزر رہا ہوں وہاں اس مرحلے سے بھی گزر جاؤں گا۔

پرتبہ تھا۔ دوسرا حصہ یہ تھا کہ میں نے کہا یہ ریکارڈ مکمل نہیں۔ جب تک ایس جی کے کے پراڈ راپن کا تذکرہ تفصیلاً نہ کیا جائے یہ کافی مکمل نہیں ہوتی۔

میں نے اپنے مضمون میں کہا تھا کہ یہ منصوبہ اتنا ہی کمزور تھا جتنا کہ "پراڈ راپن" کچھ لکھ کر پیش کر دوں گا۔

ہے مئی ۱۵ء میں پہلی مرتبہ بتایا گیا کہ ائرفورس چاہتی ہے کہ ایس ایس جی کے بھارت کے فارورڈ ائیر بیس کو نیوٹرلائز کرے جنرل نشاط جو اسٹنٹ سروسز میں اب تک حاضر ڈیوٹی ہیں یہ اس وقت ایس ایس جی کے رابطہ افسر تھے۔ میرا ذہن خفیہ ہوتی ہے اور یہ معاملہ "ون ٹوون" ہی رہتا ہے۔ لیکن یہ تاریخ کا ایسا ری ایکشن یہ تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ مجھے کہا گیا کہ آپ یہی بات ائرفورس کے کا انچیف کو بتادیں۔ میں نے کہا کہاں ایک بکنرل کہاں ائرفورس کا کمانڈر۔ انچیف انہوں نے کہا کہ آپ کو بتانا پڑے گا کیونکہ ائرفورس کے کمانڈر انچیف نے اس کے لیے سپریم کمانڈر جنرل ایوب خان سے ہاں کر والی ہے۔

اب یہ "ہاں" جو فلیڈ مارشل کی ہوتی تھی اس کے بعد تو ہڈ کو اڑھ کر باندھ کر رکھ دیا۔

سوال.... جن کی کمانڈ میں بعد میں آپریشن ہوا؟

جواب جی ہاں بالکل وہی اور دوسرے تھے میجر احسان الحق ڈاڑھ سپیشل فورس کے ہی ٹو تھے۔ میں نے عرض یہ کیا کہ بناب آپ ایک فرسودہ ہتھیار سے جمود اور سکوت طاری ہو جایا کرتا تھا کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ اس حکم سے سزا

چھیل دوڑ ڈراپ کیا تو انہیں تو مصافحات کے کتے ہی دم نہیں لینے دیں گے اور تیسری اہم بات یہ کہ اسی مارکیٹ سے آپ ان لوگوں کو دو چار گھنٹے بعد واپس لائیں۔

لیکن اس صورت میں بھی کامیابی تب ہی ممکن ہوتی ہے جب کہ جنگ کی حالت دونوں ممالک کے درمیان نہ ہو کیونکہ جنگ میں ہونے کی صورت میں افواج بیدار ہوتی ہیں یہ اسی صورت میں کامیاب ہونے میں جیسے اسرائیل نے اچانک بے خبری میں مصر اور شام کی آئرن فورس کو جالیا تھا اور انہیں ختم کر دیا۔ جب میں نے آئرن فورس کے کمانڈر انچیف کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بے ایسی عمل ہے میں نے کہا کہ جنگ کا عمل بھی سیاسی عمل ہی کا ایک تاریک حقہ ہوتا ہے اور امن بھی سیاسی عمل کا ہی حصہ ہے اس کے بعد جنگ اور جنگ کے بعد امن اور یہ سلسلہ پتلا رہتا ہے۔

یہاں میں احسان الحق ڈار کے کردار کا ذکر کر دوں گا سات ستمبر کو حالت یہ تھی کہ میں تو دہلی تھا ہی نہیں۔ مجھے تو ۲۱ اگست کو "حجرات نکال" مل چکا تھا۔ اب آپ خود دیکھیں کہ آپ ایک ایسے کمانڈر کو جس کی ساری زندگی کمانڈوز کے ساتھ گزری تھی یہاں سے نکال دیا گیا اور ایک ایسے شخص کو یہاں لایا گیا جس کا کورس ابھی لندن میں مکمل ہی نہیں ہوا تھا۔ اور یہ تھے کرنل نسیر احمد چودھری۔

چونکہ نسیر چودھری صاحب کورس مکمل کر رہے تھے اس لیے عارضی کمانڈیر کے نائب یقینیت کرمل عبدالستین کو دی گئی۔ کیونکہ میں تو اس سلسلے میں متاوان کر ہی نہیں رہا تھا۔ میں نے ایک اور بات کہی کہ اگر آپ کچھ اور نہیں کر سکتے تو جنگ کشمیر میں عروں پر ہے کم از کم آپ یہ تو کریں کہ کمانڈوز کی پٹیاں منسوخ کر کے انہیں واپس بلا لیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶ ستمبر کو جب یہ پلان طے کیا گیا تو سپیشل سروس گروپ کا ۲۰۰۰ فوجی حصہ چھٹی پر تھا مگر حال ۶ ستمبر کو ڈرائی جاری ہوئی تو نیڈ مارشل نے کہا کہ اب

جنگ لڑنا چاہتے ہیں۔ ۵۵ عرصے میں یہ حربہ ناکام ہو گیا تھا چاہے جرمن نے لویزاں اس طرح پیرا ڈراپنگ کی یا امریکی اور برطانیہ نے "آرن ہل بریج" پر۔ انہوں انتہائی مار کھائی۔ اگر کسی نے فتح بھی حاصل کر لی تو دوبارہ تجربے کی ہمت نہیں کی۔ یہ تجربہ آخری مرتبہ لویزاں پر کیا اور ان کا اتنا نقصان ہوا کہ انہیں دوبارہ "لایا لینے کی ہمت نہ پڑی۔

جہاں تک امریکہ اور برطانیہ کا تعلق ہے تو اس آپریشن کے نتیجے میں پیرا ڈراپ پر گئے ہزاروں زخمی ہو گئے اور باقی قید ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن یہ معاملہ چلے گا کیسے؟ میں نے کہا کہ طرح ممکن ہے کہ جس طرح آپ انہیں لے کر جابئیں گے ہوائی راسنے سے اسی طرح لے کر آنے کا بندوبست بھی کیجیے۔ انہیں لے کر کون آئے گا؟ کہنے لگے صاحب پیدل چل کر آئیں گے۔

میں نے کہا دیکھئے مذاق مت کیجئے۔ یہ کیسے ممکن ہے سو فیصد غیر مسلم علاقہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اچھا! ہم نے بھی نہیں کہا بلکہ یہ سب کچھ قلمبند کیا اور اس پر احسان الحق ڈار کا بہت حصہ آتا ہے وہ شان آئندہ تھا ہم نے یہ سب کچھ جی پاپ کو بھی روانہ کر دیا۔

ہم نے یہی کیا بلکہ تاریخ میں آج تک جتنے بھی کمانڈوز ایکشن ہوئے تھے کے حوالے سے بھی اعلیٰ قیادت کو سمجھانے کی کوشش کی کہ گوریلا آپریشن کیا ہو اور کیا نہیں ہوتا۔ کہاں تک ممکن ہے اور کہاں تک ناممکن؟

مقصود یہی تھا کہ ہمارے جرنیل صاحبان یہ پڑھ لیں اور ہم اس بڑے سے بچ سکیں جو ہمارے ساتھ ہونے والا تھا اس کے باوجود ہم نے یہ بھی کہا کہ ڈنٹر پلینے والے پہلوان نہیں اگر ناگزیر ہے تو انہیں رات کے پہلے پر ہیں ڈرا کر دیجئے تاکہ صبح تک یہ ہمارے کم از کم واپس تو آسکیں۔

دوسری بات یہ کہ "ٹارگٹ" کے اوپر ڈراپ کیجئے اگر آپ

پورٹ میں اس ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ان سرفروشنوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخری دم تک لڑتے رہے سنگینوں سے خالی ہاتھوں سے الایہ کہ ناخنوں سے میجر رانی اور ان کے ساتھی دس روز تک بھوکے پیاسے دریائے بیاس کے گرد بھٹکتے رہے۔ کمانڈوز نے گھاس کھا کر گزارہ کیا لیکن افسوس یہ انسانی معرکہ نہیں تھا اس کے ساتھ ہی ونگ کمانڈر ڈوگر کا یہ کہنا ہے کہ عین وقت پر منصوبے کو منسوخ کر دینا بھی ناممکن تھا۔ نہ وہ لوگ اس پوزیشن میں تھے کہ سی ڈی ۱۳۰ دہاں آسکیں جو کمانڈوز کو واپس لے آتے۔ انہوں نے پہلے ہی سے جی ایچ کیو کو بتا دیا تھا کہ کمانڈوز کو واپس لانا ان کے بس میں نہیں ہوگا۔

جواب..... اب میں آپ سے اس معاملے میں کیا کہوں؟ وہ تو خدا کرے کبھی ایسا موقع بنے کہ ڈوگر صاحب اور میں آمنے سامنے بیٹھ کر گفتگو کریں۔ دیکھئے فوج ایک مضبوط محکمہ ہے۔ جہاں ہر بات ایک مضابطے کے تحت کی جاتی ہے۔ جو منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ اس میں ضروریہ بتایا جاتا ہے کہ کمانڈوز نے اگر یہ کارروائی کرنی ہے تو رات کے کس پہر میں کس طریقے سے وہ جائیں گے؟ کیسے واپس آئیں گے؟ انہیں کہاں اتارا جائے گا؟ کہاں سے واپس لایا جائے گا؟ ٹارگیٹ کے عین اوپر اتارا جائے گا یا اس سے کچھ دور فاصلے پر؟ انہیں نقشے مہیا کئے جاتے ہیں تاکہ انہیں علم ہو کہ فلاں جگہ اے وہی ہے فلاں جگہ واج ٹاور ہے یہ آپریشنل ایریا ہے یہ ایڈمن ایریا ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح اس پلان میں یہ بات موجود تھی کہ کمانڈوز کو واپس لانے کی ذمہ دار پاکستان آرمی فورس ہوگی۔

سوال..... یہ بات واقعی اس منصوبے میں شامل تھی؟

جواب..... یہ اس منصوبے کی بنیاد تھی اور یہ منصوبہ اسی بنیاد پر استوار تھا کہ کمانڈوز کو بندر لیر ہوائی جہاز واپس لایا جائے گا

سوال..... کرنل صاحب! یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں براہ کرم بتائیے کہ اس ننگمڈ اڑہلاڑہ پٹھا کوٹ آدم پور میں کہاں یہ گنپائش ہے کہ وہاں سی ڈی ۱۳۰۔

آرمی فورس والے پلان پر فوراً عمل کیا جائے جس پر احسان الحق ڈار نے کہا کہ جناب ہمارا ۲۵ فیصد علم چھٹی پر ہے اور جن کمپنیوں کو ہم نے اس خصوصی مقصد کے لیے تربیت دی تھی ان کے اکثر کمانڈوز چھٹی پر گئے ہوتے ہیں دوسری بات کہ آپ نے تو ابھی تک ہم کو ٹارگیٹ کے نقشے ہی فراہم نہیں کئے اور تیسری بات یہ کہ ایک کمپنی کے مختلف جوانوں میں مختلف ذمہ داریاں مٹی ہوئی ہیں اگر چھٹی پر گئے لوگوں کی جگہ دوسروں کو بھی لایا گیا تو وہ آپس میں بہترین تعاون نہیں کر سکیں گے۔ لیکن میجر احسان الحق ڈار کی سنتا کون تھا۔

وہ جنرل مہید کواریٹ فون کرتے تو اس طرف سے بریگیڈ ٹریننگر امی جواب دیتے کہ بھئی یہ آرمی فورس کا معاملہ ہے تم اس سے بات کرو۔ یونٹ جو ہے وہ فوج کا ہے۔ کمانڈر اس کی فوجی ہے اور کہا جاتا ہے کہ رابطہ آرمی فورس سے قائم کرو۔ اصل میں وہ لوگ ایک اہم فیصلہ کرنے سے واپس بچا رہے تھے۔

اب ادھر مستحکم کن ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو کچھ بھی پاس تھا اسی کے ساتھ حکم کہ کارروائی کا آغاز کرو۔

جب میجر احسان الحق ڈار نے دیکھا کہ جی ایچ کیو بے فائدہ ہے تو اپنے جوانوں کو اکیلے چھوڑنا پسند نہ کیا اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ ۳ مرتبہ کمانڈوز کے ساتھ مختلف آپریشن پر گئے۔ یہ قیادت، شجاعت اور جوانمردی کی انتہا ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ وہ آخری وقت تک فوجی رول ورڈی تو انہوں نے سال ڈیڑھ سال پہلے اتاری تھی لیکن ملٹری سہڑی پر ان کی نظر ہمیشہ رہی اور ان کے مضامین تو آپ نے اکثر شائع کئے ہیں وہ آخری لمحے تک اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہے۔

میرا مطلب یہ کچھ کہنے سے یہ ہے کہ فوج میں صرف وردی پہننے والے ہی جرنیل نہیں بنا کرتے بعض مرتبہ اچھا ذہن رکھنے والے جرنیل بھی بنتے ہیں۔

سوال..... کرنل صاحب معذرت سے کہہ رہا ہوں کہ آج آپ نے میرے زخم تازہ کر دیئے ہیں یہ معاملہ شاید دبا ہی رہتا تو بہتر تھا پاکستان آرمی فورس نے اپنی

دی گئی تھی؟

جواب..... اس بات میں تو کسی معمولی سے ذہن رکھنے والے کو بھی شک ہونا ہی نہیں چاہیے کہ اے کی لڑائی کی جڑیں ۶۵ میں جاتی ہیں اور ۶۵ کی جنگ کے بعد ان عوامل سے ان کا تعلق ہے جن سے کہ ان تمام کونائوں پر جان پوچھ کر پردہ ڈالا گیا۔ ان شخصیتوں کو چھپایا گیا جو اس سلسلے کی ذمہ دار تھیں۔ ان میں سیاسی شخصیتیں بھی تھیں سول سروس کے عہدے دار بھی تھے اور ظاہر ہے ان میں خاکی وردی پہننے والے حضرات بھی شامل تھے۔ میں غدار کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو جنگ کے فوراً ہی بعد ملٹری کورٹس کے سامنے لایا جاتا تو سقوطِ ڈھاکہ کا المیہ ہرگز نہ ہوتا کیونکہ ان میں بہت سے وہ حضرات بھی ہیں جو اے کی جنگ کے دوران بہت اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے تھے۔ کمانڈرز ہی کی بات نہیں انھوں نے معاملے لیجئے۔

سوال..... میں اس طرف آ رہا ہوں جنرل کاکا خان کے ڈویژن کا کردار ہے کہیم کرن میں انفرسٹری اور آرٹلری کے تعاون کا فقدان ہے انھوں نے سیکرٹری کمانڈر کے لئے معاملہ ہے وغیرہ وغیرہ یہ ایسی باتیں ہیں جو حساس ذہنوں کو ہمیشہ کچھ کے لگاتی رہیں گی؟

جواب..... میں آپ سے کیا بتاؤں کن کن باتوں پر جی ایچ کیو نے انھیں بند رکھی ہوئی ہیں بھائی حمود الرحمن کمیشن رپورٹ میں کتنے بھی تقاضے کیوں نہ ہوں آپ شائع کر دیجئے اگر کچھلی حکومت نے نہیں کی تو آپ کر دیجئے اگر یہ تقاضے قوم کے علم ہی میں نہیں آئیں گے تو بات کیا بنے گی یہاں سے جنرل ڈارمر سوم کا ایک اور واقعہ یاد آگیا میں آپ کو دراصل بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اس فوج میں بڑے بڑے عظیم لوگ بھی موجود تھے ۶۴ میں اسے (جنرل ڈارمر سوم) میں نے ایک بڑے اہم مشن کے لیے چنا یہ اتنی خطرناک مہم تھی کہ اس وقت کے ایس ایس جی کے کمانڈر کے پٹے چھٹ گئے تھے اور اس نے کہا تھا کہ میرے منصوبہ ناممکن العمل ہے اور میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ قصبہ میں دفن کر دیجئے میں نے کہا بھائی میں تو اس قصبے کو نہیں چھوڑوں گا تم البتہ اس سے الگ ہو جاؤ میں نے ڈار سے کہا تم اس کی قیادت کا بیڑہ اٹھا سکتے ہو! اس نے

اترے اور ان لوگوں کو واپس لے کر آئیں انہی دہریوں میں تو دشمن ہوشیار ہو چکا ہوتا اور ان بڑے بڑے جہازوں کے اترنے کے امکانات ہی ختم کر دیئے جاتے؟

جواب..... وہاں یہ بات نہیں تھی کہ سی ڈی ۱۳۰ ہی وہاں اترے اس کے متبادل تجاویز بھی تھیں۔ مثلاً ایک تجویز یہ تھی کہ مارگٹ کے نزدیک ہی قریب میل آدھ میل کے فاصلے پر دو چار گھنٹے بعد سیلی کا پٹر پینچ جائیں گے یہ سی۔ ڈی ۱۳۰ لحاظ سے بہت موزوں جہاز ہے کہ اسے جیٹ جہاز کی طرح لینڈ کرنے کے لیے کسی بہت بڑے رن وے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انتہا یہ کہ اگر پو لوگر اوڈنڈ جیسے سار کی سڑک وغیرہ ہی مل جائے تو اسے وہاں اتارا جاسکتا ہے اور انجن بند کئے بغیر دو بار وہیں سے آسانی اڑایا جاسکتا ہے میرا مطلب یہ ہے کہ متبادل تجاویز تھیں لیکن حتمی طور پر ابھی کچھ طے نہیں پایا تھا۔

سوال..... آپ نے کرنل صاحب بڑا احساس موضوع چھپا دیا ہے ہم ہیں ان جیالوں کو افراتفری کے عالم میں مار گیت سے میلوں دور اتارا گیا۔ البتہ یہ کہ بٹھا نکوٹ پر اترنے والے پیرا ڈروپرز کو وہاں سے ۱۰ میل دور محلوں کی طرف جان والی شاہراہ پر اتارا گیا جہاں بھارتی فوج کا ایک بھتر بند ڈویژن جیسے انہی کا منظر بڑا تنہا یہ الگ کہانی ہے لیکن سمجھ نہیں آتی جب بقول آپ کے کمان کو پیش آمدہ خطر سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور اس ضمن میں آپ کے خالص ہم خیال بھی جی ایچ کیو میں موجود تھے تو پھر سرے ہی سے آخر جی ایچ کیو نے انکار کیوں نہ کر دیا؟ اتنے بڑے سانحہ کیوں دو چار ہونا پڑا؟

جواب..... خدا آپ کا بھلا کرے۔ میرے بھائی یہاں جنہوں نے ملک کو دھوکے کر دیا ابھی تک ان کے چہرے بھی عوام کے سامنے نہیں لانے گئے یہ تو بڑی بات ہے۔

سوال..... اس سے کیا ہم یہ سمجھ لیں گے اے کی شکست کی بنیاد ۶۵ میں رکھ

یہ بات نہیں میں نے ۵۳ میں جب میں کوٹر سٹاٹ کالج میں تھا اپنی لڑائی کمان کو نگاہ کر دیا تھا کہ اگر ہم نے یہ غلطیاں کیں تو مشرقی پاکستان سے ملحدہ دھڑ بٹھیں گے۔ یہ ہے وہ خط جو میں نے لکھا تھا اور جس پر مجھے کہا گیا تم ماہر حرب مغرب ہو یا بخومی؟

اس پر جنرل رحمن نے مجھے کہا تھا میں نے کہا فوجی ہوں جو تشی نہیں؟ جس پر انہوں نے کہا میں نہیں اس لیے جو تشی کہتا ہوں کہ تم نے مشرقی پاکستان میں سرنڈر کرنے کی شرائط ۶۲ میں بنا دی تھیں۔

سوال ... کرنل صاحب موجودہ صورتحال پر کچھ تبصرہ فرماؤں۔

جواب یہ دور ہمارے جنرل صاحب کے بقول نظریاتی جنگ کا دور ہے اور آپ جانتے ہیں نظریاتی جنگیں اکیلا فرد نہیں پوری قوم مل کر لڑا کرتی ہے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ ساری قوم کو اعتماد میں لیا جائے لوگ ملک کے دفاع میں حصہ لیا جاتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ انہیں ایسا کرنے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔ انتہا یہ کہ ایک دور یہاں ایسا تھا جس کو نظم و ضبط کا دور کہا جاتا ہے اس دور میں جو کالوں کے اندر ٹریننگ ہوا کرتی تھی وہ بھی بند کر دی گئی تھی۔

سوال کرنل صاحب اب تو کالج کے ہر نوجوان کے لئے فوجی تعلیم لازمی بن چکی ہے اور نیشنل کیڈٹ سکیم کے تحت نوجوان تربیت حاصل کر رہے ہیں کیا آپ کے خیال میں اس کے بعد آنے والے دور کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

جواب بالکل نہیں یہ کاغذی کارروائی نظر اہر بہت خوبصورت نظر آتی ہے لیکن جب تک اس کی جڑیں عوام میں نہیں پھیلیں یہ سب کچھ بیکار ہے یہ سکیم گاؤں گاؤں قریرہ قریرہ کو چوکو چوکو پھلائی جائے تب بات بنے گی۔

سوال ہمارے ہاں اب ایک ”دفاع“ کی اصطلاح مروج ہو گئی ہے جو اگر میں غلط نہیں کہہ رہا تو اس طرح ہے کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے دفاع کے لیے متفکر رہیں اور اس وقت کے منظر جب دشمن آپ پر چڑھ دھوڑے آپ کیا

کہا ہاں؟ یہ چلتا ہے اور جب ایک پر پہنچتا ہے تو اس کی گاڑی روک کر اسے مطلع کیا جاتا ہے کہ تمہاری بیوی بچوں کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور تمہارا نوزائیدہ بچہ مر گیا ہے دوسرا بیٹا اور بیوی بھی سخت زخمی ہیں یہ شخص دیکھنے لیکر کڑا ہے۔ اپنے بیٹے کی خیریت معلوم کی اور انہیں ہسپتال ہی میں چھوڑا اور اپنے مشن پر نکل گیا۔ اس نے اتنے زبردست جذباتی حادثے کے باوجود یہ مشن نہایت کامیابی سے مکمل کیا میں نے اس کی کامیاب واپسی کے بعد ”ہال جرات“ کے لیے ”ریکینڈ“ کیا تھا اسے نہیں ملا کوئی بات نہیں ایسے عظیم کارنامے تمغوں کے لیے نہیں کئے جاتے اب وہ شخص اس دنیا میں نہیں ہے لیکن میں نوائے وقت کی وساطت سے حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ اسے اس کا حق مرنے کے بعد ہی دے دیا جائے جب ڈار ریٹائر ہوا ہے تو اس کا بینک بلینس صرف ۲ ہزار روپے تھا۔ اب اس کے گھر والوں کو اس کی پنشن ۱۲ سو روپے شاید ملتی ہوگی تو میرا مطلب یہ ہے کہ ایسے عظیم لوگوں کے گھر بار کا خیال رکھنا عظیم قوموں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دیکھئے یہ لوگ دل ٹوٹنے سے مرے ہیں اور ڈاکٹر کا دل تو سب نے کتنی مرتبہ ٹوٹا تھا ۲۵ سال سے وہ صدمات بھیل رہا تھا۔ بالآخر اس کا دل بند ہو گیا صبح اس نے تہجد کی نماز پڑھی اور صبح کا ناشتہ بھی خود تیار کیا۔ جب دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو ۱۵ سال کے وہ صدمات اس کے دل پر اکٹھے ٹوٹ پڑے اور اس کے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ اب میں آتا ہوں آپ کے سوال کی طرف برگینڈر راجد صاحب نے جب ۶۵ پر اپنی کتاب لکھی ہے تو جنرل یحییٰ خان صاحب اس وقت بقیہ حیات تھے اور وہ بھٹو صاحب کا دور بھی نہیں تھا کہ ان پر کہنے سننے کی کوئی پابندی ہو ان پر تو اس وقت کم رحم کی بارش ہوتی شروع ہو گئی تھی وہ کتاب آنے کے دو سال بعد بھی زندہ رہے لیکن انہوں نے اس معاملے پر زبان نہیں کھولی۔ باوجود اس بات کے کہ نوائے وقت نے اس وقت بھی اس پر بہت وادیا کیا اور نمایاں شہ سرخیوں کے ساتھ اس معاملے کو عوام تک پہنچایا جاں ایک میرا تعلق سے تو میں نے اس معاملے پر کچھ کہا اور لکھا وہ آپ کے سامنے ہے اور

سمجھتے ہیں کیا اس طرح دفاع ممکن ہے؟

کوٹہ پر بھارت کا ممکنہ حملہ

پاکستانی فوج کے نامور افسران کے ماہرانہ

مشورے

مطبوعہ: ۳۱ جنوری ۱۹۸۵ء

آج ہم لوگ جس مسئلے پر بات چیت کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں یہ خالصتاً پاکستان اور ہمارے دفاع کے حوالے سے نہایت اہم بلکہ اب تو سنگین مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ آپ حضرات نے حال ہی میں بھارت کے منتخب وزیراعظم راجیو گاندھی کا یوزدیک کو دبا ہوا انٹرویو پڑھا ہوگا جس میں انہوں نے دو باتیں کیں۔ ایک تو یہ کہ پاکستان اپنے اٹمی پروگرام سے دست بردار ہو جائے اور دوسرا پاکستان جدید اسلحہ لینا چھوڑ دے اس کے ساتھ حال ہی میں جو جاسوسی سکینڈل کھڑا ہوا ہے اس سے بھی یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان لوگوں کا وہ منصوبہ جو آج تک ہم سب سے آگے نکلے کر وہ اسرائیل کی مدد سے پاکستان کی اٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کا بنا رہے ہیں۔ سننے میں آیا کہ وہ راز بھی چوری ہو گئے ہیں۔ موجودہ سیاسی تناظر اور برصغیر کے حالات روس کی جارحیت اور بھارت کے عزائم کے پس منظر میں دفاعی پالیسی کیا ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں آپ کی رائے میں گے ہم گفتگو کا آغاز جنرل سرفراز سے کرتے ہیں۔

جنرل سرفراز خان۔۔۔ یہ جو چہ چا چلا ہے اب کہ ہندوستان کے چند دفاعی منصوبوں کے راز افشا ہو چکے ہیں۔ ان میں پاکستان کی اٹمی تنصیبات پر حملے کا منصوبہ بھی ہے تو یہ میرے لیے کسی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے دو تین اپنے مضامین میں اس کا ذکر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اٹمہ اگر بھارت اور پاکستان میں کوئی چیز جنگ کا باعث بن سکتی ہے تو وہ اس دفعہ کشمیر کا مسئلہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اٹمی تنصیبات

جواب۔۔۔۔۔ دفاع اپنے گھر میں بیٹھ کر کرنے کا کوئی تصور ہی موجود نہیں شاہجہان جب دہلی میں لال قلعہ تعمیر کروا رہا تھا تو اس کے ایک ترک مغل رشتہ دار اسے ملنے آئے شاہجہان نے بڑے فخر سے زیر تعمیر قلعہ دکھایا اور پوچھا کہ بتاؤ یہ قلعہ کیسا ہے؟ اس نے کہا بہت بڑا اس میں فلاں کمزوری ہے فلاں خامی ہے وغیرہ وغیرہ تم یہاں سے سلطنت مغلیہ کا دفاع ہرگز نہیں کر سکتے تو شاہجہان نے چونک کر کہا کہ تم سے کس کا فرنے کہا ہے کہ میں اس قلعے میں بیٹھ کر دفاع کروں گا سلطنت مغلیہ کا دفاع تو کوہ ہند کش پر ہوگا اس کماری میں ہوگا یہ تو ہمارا ایک مورچہ ہے اور بس تو آپ دیکھ لیجئے کہ اسی شاہجہان کی اولاد جس نے گھڑوں میں بیٹھ کر دفاع کیا ان کا کیا حال ہوا۔ عالمی تاریخ میں ہیں دونوں مثالیں ملی ہیں ایک وہ مثال کہ جب تک کوئی ہمارے گھر پر حملہ کرے ہم دفاع نہیں کریں گے جنگ عظیم سے پہلے اس کا ثبوت جبرلین کی پالیسیوں سے ہوا جس کا نتیجہ میونخ میں نکلتا ہے اس وقت ان کا بالکل سی ٹھکانہ تھا کہ ہم جارح نہیں ہوں گے ٹھیک ہے ہلٹنے اسٹریٹجی پر قبضہ کیا تو کسے چکیو سلواکیہ پر کیا تو کسے ہم جارحیت نہیں کریں گے۔ اور آپ نے دیکھا ان کا یہ فلسفہ غلط ثابت ہوا کہ چکیو سلواکیہ اور اسٹریٹجی کے بعد وہ ماری انم کا سبیل رواں نہیں رکھا اور وہ فرانس اور پولینڈ تک آگیا اور ہم نے دیکھ لیا کہ یہ نظریہ غرق ہو کر رہ گیا۔ پھر حالیہ طاقتیں نہ ہونیں تو شاید اس کا نام و نشان ہی مٹ جاتا اب ان لوگوں کا نظریہ بالکل الگ ہے انہوں نے روس کو گھیر رکھا ہے چاروں طرف سے اور نئے سے نئے جدید ترین ہتھیار بنا رہے ہیں۔ دیہ بھی جبرلین کی طرح کہہ سکتے تھے کہ صاحب جب تک روس حملہ نہیں کرے گا ہم خاموش رہیں گے۔ لیکن انہیں معلوم ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔ اچانک حملہ کی صورت میں یہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

جنرل سرفراز خان... یہ تو آپ نے بہت ہی اہم موضوع چھیڑا ہے اس
سلسلے میں میری رائے محفوظ ہے۔

سوال... جنرل انصاری صاحب آپ نے جنرل سرفراز خان کے خیالات
سنے آپ اس ضمن میں کچھ فرمائیں۔

جنرل انصاری... میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب سے فوجی قوت میں

اسلحہ میں ترقی رونما ہوئی ہے اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ جاسوسی کے میدان میں

بھی ترقی ہو رہی ہے ہر طاقت یہ چاہتی ہے کہ دوسری طاقت کے تمام راز چرا لے

جائیں اور اپنے رازوں کو اخفا میں رکھا جائے اس لیے یہ سکیٹل منظر عام پر آتے رہتے

ہیں بھارت کو شش کرتا ہے ہمارے فوجی راز چرائے اور ہم کو شش کرتے رہتے

ہیں کہ ہم ان کے راز چھانٹیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے تمام ممالک ایسا کرتے ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر بھارت یہ کو شش کر رہا ہے کہ ہمارے فوجی راز چرائے

ہیں یہ کو شش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے فوجی رازوں کو اخفا میں رکھنے کا اور نو شرط لقیہ

اختیار کریں جو کمزوریاں اس سکیٹل میں بھارت کے جاسوسی نظام میں سامنے آئی ہیں

ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اپنے فوجی رازوں کو مزید صغیر راز میں رکھنے کی کوشش

کریں اور انہی کوششوں کو اور بہتر بنائیں اس سکیٹل کی روشنی میں جو چیزیں منظر عام

پر آئی ہیں کہ ہم ان کے راز کیسے لے لیں یہ تو مسلسل بات ہے جو چلتی رہے گی اور چلتی رہی

چلیں گے۔ اب آپ نے اس گفتگو میں یہ فرمایا کہ ہمارا معذرت خواہ رویہ ہے یہ ایسی

بات نہیں ہے دراصل بات یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ کھل کر بات کرتا ہے اور کچھ تو اپنی

طاقت کے بل بوتے پر اور کچھ قوت ایمانی پر بھر دوسرے رکھتے ہوئے وہ کھل کر بات کرتا ہے

لیکن آج کے جدید زمانے میں یہ اچھی بات نہیں ہے اپنی طاقت کو بہت مضبوط کرنا

چاہیے لیکن خواہ مخواہ اپنی طاقت کا پرو سیگنڈ اپنی طاقت کی گفتگو، اپنی سوچ کو سامنے

نہیں آنے دینا چاہیے۔ بھارت اسلحہ کی خرید و اور ایٹمی تنصیبات کے بارے میں جو ادبلا

کر رہا ہے میرے خیال کے مطابق ان کے پاس نیوکلیئر صلاحیت ہم سے زیادہ ہے لیکن

تیسری بات یہ ہے کہ پاکستان کی طرف سے عدم جارحیت کے معاہدہ کی جتنی بھی کوشش

ہو سکتی ہے وہ کی جا چکی ہے اور یہ غالباً جاری رہے گی تو اب جو پاکستان کی دفاعی

میں اور پاکستان کی استقامت اور اس وقت ملک میں جو اندرونی بیرونی معاملات

اور سیاسی بحران ہے اس کا مناسب حل لازم ہے۔ کیونکہ اگر یہ صورت حال بنتی ہے

یہ صرف فوجوں کا کام نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کریں بلکہ پوری قوم جب تک اس

لیے صف آراء نہ ہوگی وہ تو پھر یہ کام ادا ہو رہا ہے گا۔ اس کے لیے موجودہ سیاسی

تعطل کو دور کرنا ایک لازمی بات ہے۔ پاکستان میں اب ایسی جمہوری طاقت آ

جس پر عوام کا اعتماد ہو ایک اور چیز میں اس ضمن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے

میں دیکھا کہ ہماری انٹیلی جنس سروسز بہت ہی کمزور ہے اس لیے نہیں کہ ہمارے

کوئی اس قسم کے قابل افراد موجود نہیں ہیں جو اس کو صحیح طور پر منظم نہ کر سکیں لیکن

سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اس قسم کا جدید سامان نہیں ہے ہمارے

اتنا پیسہ بھی نہیں ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے متعلق خاص توجہ دینی چاہیے

پہلی دو جنگوں میں یہ ہمارا کمزور ترین پہلو تھا اور اس میں مناسب بندوبست کر

چاہیے۔

سوال... ابھی آپ نے فرمایا کہ ان حالات میں عوام کو اعتماد میں

ضروری ہے لیکن آپ کوئی تجاویز تو دیں کہ یہ تعطل کیسے دور ہو سکتا ہے۔

جنرل سرفراز خان... میں تو یہی چاہتا ہوں کہ حکومت اور سیاست

دانوں کے ساتھ کوئی مصالحت کی صورت نکلے۔

سوال... جنرل صاحب ہم خصوصاً انڈیا کے حوالے سے بات کرتے

ہمارا رویہ خلاصہ معذرت خواہانہ قسم کا ہوتا ہے اس ملک میں جب وال سٹریٹ جنرل

پلان نمبر ۱۲ اور پھر امریکن دانشوروں کی طرف سے ایرانی اور پاکستانی بلوچ

کو متحد کرنے کا منصوبہ ایسی چیزیں بھی تو کہی اور سنی جا رہی ہیں تو آخر ہم یہ کیوں

سوچتے ہیں کہ ہمارے دفاع کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اب دفاع سے آگے بھی کچھ

مول پراس معاملے کو اب ختم کرے؟

جنرل انصاری یہ سلسلہ چلا تو تھا اس کی امید کی کرن اب بھی باقی ہے آپ نے دیکھا کہ مخالف فریق کو قریب لانے کے لیے پہل تو حکمت کی طرف سے ہی ہوئی پابندیاں ہٹائی گئیں بلکہ اتنی جلدی یہ پابندی ہٹائی جا رہی تھیں کہ انسان سوچتا تھا کہ یہ آخر کیا بات ہے اس سے پر امید فضا نظر آرہی تھی اس کے علاوہ تمام سیاسی رہنماؤں کو ایک جگہ اجلاس کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہیں ایک شہری ہونے کے ناطے سے یہ چاہتا تھا کہ یہ گفتگو کا سلسلہ اور چلتا کیونکہ یہ ممکن نہیں ہوتا اتنے اچھے ہوئے جو موقوف ہوں وہ ایک ہی نشست میں بہتر ہو جائیں۔ لیکن اب بھی امید ہے۔ میرے خیال میں یہ معاملہ بہتر ہو رہا ہے کچھ مفاہمت کی امید نظر آرہی ہے اور ہم توقع رکھتے ہیں کہ اور بہتر ہو جائے ہم چاہتے ہیں کہ عام انتخابات میں تمام متقدّم شخصیات کی اس میں شمولیت ہو جس سے فیضاً ہماری ساکھ بیرونی سطح پر بڑھے گی۔

سوال جنرل سرفراز نے ابھی اے وکیس لیاردوں کے متعلق فرمایا تھا کہ ہاری اطلاعات کے مطابق امریکہ کی طرف سے وہ ۱۹۸۴ء کے آخر تک پاکستان کو مل جانے چاہیں تھے۔ لیکن امریکہ کی طرف سے دیر اور ان معاملات میں اس کا بھی رویہ کچھ خاصا مشکوک لفظ تو نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن یہ ہے کہ سوئج سمجھنے والا زیادہ سوچنے والا ہے اس کی وجہ ہماری خارجہ پالیسی کی کمزوری تو نہیں کہ ابھی تک ہم انہیں فائل ہی نہیں کر کے کہ ہمارے لیے یہ چیزیں بہت کمزوری ہیں۔

جنرل انصاری میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری خارجہ پالیسی بہت کامیاب ہے اگر آپ اس کا مجموعی طور پر تجزیہ کریں تو ہمارے قومی افق پر بہت سے طوفان آئے۔ ہر طوفان چھٹا چلا گیا یہ کامیاب خارجہ پالیسی کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ ہمارے مخالف لوگوں نے یہیں انجانے کی بہت کوشش کی لیکن ہر دفعہ ہم اس سے اللہ کے فضل و کرم سے کامیاب خارجہ پالیسی کے نتیجہ میں بچنے چلے گئے۔ البتہ امریکہ کو ہم کوئی ایک حد تک ہی اپنی بات کہہ سکتے ہیں اور دباؤ ڈال سکتے ہیں وہ ایک سپر پاور ہے ان کے اس سارے علاقے

پھر بھی وہ پوجیڈہ کرے گا اگر اس کے پاس نہیں ہے تب بھی وہ نہیں چاہیے کہ ہم یہ ملاحیت پہلے حاصل کر لیں کیونکہ بھارت تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی اس سارے علاقے میں بالادستی ہو اور پاکستان آج بھارت کی بالادستی قبول کرے کہ آپ مئی سپر پاور ہیں ہم آپ کے سوائے تلے رہنے کو تیار ہیں تو پھر جھگڑا ختم ہو ہے لیکن یہ تو ہم کسی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں ہم برابر ہی کے اصول پر ان کے ساتھ ہر چیز پر کرنے کو تیار ہیں ہماری نیک نیتی کا ثبوت تو یہ ہے کہ ہم نے عدم کا معاہدہ آخر کیا ایک بار نہیں کئی بار آفر کیا۔ البتہ افغانستان کی طرف سے جو شرارت ہوتی ہے اس کا ہم نے خارجہ حکمت عملی کے تحت اس وقت ہم اس کا سختی سے جواب نہیں دینا چاہتے اس سے افغانستان کے کارکنوں نقصان پہنچے گا اور ہماری خواہ مخواہ براہ راست ٹھکر روس سے ہوگی۔ ہم اس کو درگزر کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس سے افغانستان کا مسئلہ دھندلاہٹ میں غائب نہ ہو جائے ورنہ پاکستان نے کبھی بھی اس قسم کا رویہ اختیار نہیں کیا کہ ہم ان کی ہرزیا داتی کو برداشت کرتے چلیں اور خاموشی سے بیٹھے رہیں۔ میرے نزدیک تو ایسا نہیں ہے۔

سوال جنرل صاحب اب جو یہ ہمارا سیاسی ڈیڈ لاک پیدا ہو گیا یہ چیزیں تو جہاں عوام الناس کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہیں تو ظاہر ہے کہ اوپر سطح پر زیادہ پریشانی کا باعث بنیں گی ہم تو پاکستانی ہونے کے ناطے سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ حکومت بھی اپنا رویہ نرم کرے سیاست دان بھی اپنا رویہ نرم کریں میں سمجھتا ہوں کہ بھارت کے مسلسل جارحانہ عزائم رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہاں لوگوں کو اپنی لیڈر شپ پر اعتماد نہیں اور پھر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فوج اور سیاست دان الگ الگ دو گروہ بن چکے ہیں اور ان کی باہمی چیلش سے وہ ہر وقت فائدہ اٹھانے کے چکر میں رہتے ہیں اس سلسلے میں آپ وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ کمزوری نہیں کہ اب سیاست دان تو یہی کہہ رہے ہیں کہ ہمارا رویہ خاصا نرم و مصالحانہ ہے تو حکومت کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنا رویہ نرم کرے اور کچھ لواد کچھ دے

میں اپنے مفادات ہیں اور وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ سرکاری اور نجی سطح پر یہ بات کہی گئی ہے کہ پاکستان کی اہمیت اس وقت ان حالات کو وہ یقیناً تصور کرتے ہیں کہ ملتے ہیں اس لیے انہیں یہ چاہیے کہ اس سیکنڈل میں جو چیزیں منظر عام پر آئی ہیں ہمارا ایٹمی تنصیبات کی خبر بھی تو امریکہ کے توسط سے آئی تھی وہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے عزائم ہمارے لیے اچھے نہیں ہیں تو انہوں نے مدد کی ہے اور مدد کرنی چاہیے اے ویکس طیارے نہیں ملنے چاہئیں اب یہ ضروری ہے کہ ان کے ذریعے ہم بھی اپنے دفاعی نظام کو مضبوط کر سکیں۔

سوال بریگیڈر امجد چوہدری صاحب آپ اس ضمن میں کیا فرمائیں گے بریگیڈر امجد چوہدری آج کے موضوع پر جنرل سرفراز اور جنرل ایم ایچ انساری نے بڑے اہم خیالات کا اظہار کیا ہے میرا اس سے مکمل اتفاق ہے اس ضمن میں تھوڑی سی اور وضاحت کروں گا پہلے تو آپ بار بار کہہ رہے تھے کہ انڈیا کو ہم کیسے یقین دلائیں کہ ان کے خلاف ہمارے کوئی جارحانہ عزائم نہیں ہیں اور ہم ایٹم نہیں بناسے اور نہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ ہم تو عالمی سطح پر بار بار اس کا اعادہ کر چکے ہیں اور ہمارے صدر نے یقین دہانی کرائی ہے اور ریگن کو لکھ کر بھی کہا ہے کہ ہمارے کوئی ایٹمی عزائم نہیں ہیں پھر بھی انڈیا کیوں نہیں مانتا میرے خیال میں انڈیا کا یہ جو رویہ سے وہ لاجیکل ہے۔ یہ ہونہیں سکتا کہ آپ ایٹم بم بالیں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ انڈیا کے پاس اب تک کافی ایٹم بم جمع ہیں انہوں نے یہ جو استعداد حاصل کی تھی ایٹم بم بنانے کی وہ تو انہوں نے ۱۹۷۴ء میں اس کا ثبوت دے دیا اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھے ایٹم بم بنانے کی صلاحیت ڈوب بپ کرنا اور پھر ایٹم بم بنا کر دیکھ لینا کہ ہم بنا سکتے ہیں اس پر اتنی زیادہ محنت لگتی ہے اور اتنا زیادہ مالی خرچہ آتا ہے۔ پھر اس کا جو پے آف ہے وہ فزیکل ہے کہ آپ ایٹم بم بنانے شروع کر دیں یہ تو نہیں کہ انہوں نے کوئی تماشہ کیا دیکھا یا دنیا کو ہم ایٹم بم بنا سکتے ہیں اور پھر وہ چپ کر کے بیٹھ گئے تو یہ عقل نہیں مانتی کہ انہوں نے اس عرصے میں ایٹم بم نہیں

بنائے ہیں ضرور بنائے ہیں اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی جوابالادستی ہے وہ قائم ہے اور ان کو یقین نہیں آتا کہ پاکستان کو اچھی طرح پتہ ہے ہمارے پاس ایٹم بم ہیں یا ہم بنا سکتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاکستان ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا رہے ایٹم بم ایسی چیز ہے اور اس کا خطرہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ تو لوگوں کو ختم ہی کر سکتا ہے تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے ان کو کوئی بھی قابل نہیں کہ سکتا کہ پاکستان ایٹم بم بنا رہا ہے۔ یا نہیں بنا رہا ہے قطع نظر اس کے یہ لاجیکل ان کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے کہ اگر ہم نے ایٹم بم بنائے ہیں اور پاکستان کو جو خطرہ ہے وہ ہمارے ایٹم بم سے ہے یہ کیسے ہو سکتا کہ پاکستان ایٹم بم بنانے کی کوشش نہ کرے۔ آپ دیکھ لیں روس اور امریکہ میں یہ جو نیوکلیئر پیرٹی ہے اس کی وجہ سے سارے ملک کا نظام چل رہا ہے نہیں ٹوک کا تباہ ہو گیا ہوتا۔ پاکستان ضرور ایٹم بم بنا رہا ہے وہ چاہتے ہیں کہ بیشتر اس کے کہ وہ بنائے ہم ان کی صلاحیت کو ختم کر دیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کچھ کہیں آپ انڈیا کو قائل نہیں کر سکتے دنیا میں کوئی بھی دی ہوش آدمی اس بات کا یقین نہیں کر لیا کہ آپ کا ہمسایہ جس کے ساتھ آپ کے ہمیشہ تعلقات کشیدہ رہے ہیں اس نے ایٹم بم بنائے ہیں اور آپ نہیں کوشش کرتے کیونکہ ایٹم بم کا جواب تو ایٹم بم ہے اس کا کوئی اور جواب ہونہیں سکتا۔ ویسے پاکستان بنائے یا نہ بنائے اس پر میں تو کسی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن منطقی طور پر یہی ہے پھر ہی اس خطے میں امن رہ سکتا ہے اس سے بلکہ جنگ کے خطرات کم ہو جائیں گے کیونکہ اگر آپ دس بم بناتے ہیں اور دھڑے کے پاس دو بھی ہوں تو اتنا ان کا روح فرسا اثر ہو سکتا ہے کہ آپ ہمت نہیں کریں گے کہ آپ کوئی جنگ شروع کریں دوسرا یہ ہے کہ انڈیا اگر پاکستان میں عراق پر اسرائیل کے حملے کو دہرا نا چاہتا ہے تو میرے خیال میں دونوں کا موازنہ ٹھیک نہیں ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کا جو آپریشن ہے جو عراق میں ہوا تھا اس کی کامیابی کے لئے حیران کن اور اچانک کارروائی ضروری ہے اس وقت انہوں نے حیران کن اور اچانک کارروائی کی تھی اور اس سے وہ کامیاب ہو گئے تھے نہیں علم

کہ ان کی جو فضا یہ ہے۔۔۔۔۔ آپ دیکھیں عراق پر حملہ ہوا اس پر عراق نے احتجاج تو کیا اور
شور مچایا ہمارے وزیر خارجہ سے جب نیویارک میں اس بارے میں پوچھا گیا کہ ایسا
حملہ آپ کی تنصیبات پر بھی ہو سکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا اگر پاکستان پر اس قسم
کا حملہ کیا گیا تو ہم نے غلانیہ کہہ دیا ہے کہ یہ بھارت کے ساتھ کھلی جنگ ہو گئی۔ دوسرا یہ
ہے کہ بھارت اس کو کشش میں ہے کہ ہماری بالادستی قائم رہے اب بالادستی قائم رکھنے
کے لیے وہ کتنی جلدوجہد کر رہے ہیں انہیں پتہ ہے کہ وہ ہماری افرادی قوت کا مضابطہ نہیں
کر سکتے یہ تو ۱۹۷۱ء کی جنگ کے قطع نظر ۱۹۶۵ء کی جنگ کو آپ دیکھیں اگر وہ ہم پر بالادستی
قائم کرنا چاہتے ہیں وہ صرف جدید ترین اسلحہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ اس وقت حالات
ایسے ہو گئے ہیں جدید ترین ہتھیار آرہے ہیں تو اب ہم امریکہ سے توفیع کر رہے ہیں جب
۱۵۵ ملی میٹر کی توپیں جو کہ دنیا میں موثر ترین توپ خانہ مانا جاتا ہے وہ ہمیں ملنے کی امید
ہے لیکن جدید ہتھیاروں کے لیے انڈیائیے ساری دنیا چان ماری ہے ابھی پچھلے دنوں
اخبار میں تھا کہ وہ یو۔پ سے ۱۵۵ ملی میٹر کی توپیں جو کہ ہماری توپوں کا مقابلہ کر سکتی ہیں
حاصل کر رہا ہے اب دیکھیں ۱۹۶۵ء میں ہمارے پاس بہترین اسلحہ تھا ان کے پاس وہی
دوسری جنگ عظیم کی توپیں تھیں ہمارے پاس امریکہ کی توپیں تھیں ہمارے توپ خانے
نے ہر جگہ پر ان کو بری طرح سے شکست دی۔ اب یہ جانتے ہیں کہ اگر ان کے پاس
ہتھیار بھی اچھے ہوں اور ان کی افرادی قوت بھی ہم سے اچھی ہے۔ تو جیسے جنرل انصاری
صاحب نے فرمایا ہے یہیں جدید ترین اسلحہ پر زور دینا چاہیے لیکن جو چیز ہندوستان
اور پاکستان کے درمیان فیصلہ کن ہوگی وہ ہتھیاروں کی زیادتی ہوگی اور میں سمجھتا ہوں ملک
میں ناندہ حکومت ہو اور حکومت کو عوام کی تائید حاصل ہوا اس صورت میں ملک مضبوط
ہوتا ہے جیسا کہ سرفراز صاحب نے فرمایا کہ اب جنگوں میں فوجیں نہیں لڑتیں تو میں لڑتی
ہیں تو پاکستانی قوم جو ہے بطور قوم تب ہی لڑ سکتے ہیں کہ اگر ایسی حکومت ہو جن کی ہر
وہ لوگ کریں جن پر عوام کا مکمل اعتماد ہو اور چنے ہوئے ناندہ ہوں اور وہ ان کے
کہنے پر اپنی جانیں تک قربان کر سکیں۔

سوال۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ جنگ جیتنے کے لیے جدید ترین اسلحہ ہونا چاہیے
اور فوج کو مزید تربیت بھی دینی چاہیے لیکن ہمارے لیے یہ مسئلہ ہے کہ جب سے مارشل
لاڈ لگے ہے تو ہماری فوج دو حصوں میں بٹ گئی ہے زیادہ تر انتظامی معاملات میں پھر
اس حوالے سے کیسے ممکن ہے کہ فوج یکسوئی سے تربیت کی طرف توجہ دے؟
..... بریگیڈ ٹرینر اجد چر ہدی۔۔۔۔۔ جب ہم فوج میں تھے تو پتہ ہی نہیں تھا
کہ دنیا بھی باہر سے یا نہیں یہ ہی نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ اب نظریات بدل چکے
ہیں اب کہتے ہیں کہ ملک کہ جو اندرونی مسائل ہیں ان پر بھی نظر ہونی ہے۔
جنرل سرفراز خان۔۔۔۔۔ جب ہم داخل ڈیڈ لاک کی بات کرتے ہیں تو اس میں
یہ امر بھی شامل ہے کہ اگر ملک میں ڈیڈ لاک ہے سیاسی انتشار ہے تو اس سیاسی انتشار
کو روکنے کے لیے آپ کے پاس ذرائع ہیں ان میں سے ایک ذریعہ یہ ہے کہ بار بار
فوج کو اقتدار سنبھالنا پڑتا ہے۔ اگر فوج اس کام میں استعمال ہوتی ہے وہ تو دفاعی نقطہ نظر
سے واقعی اس میں کمزوری ہے ہم سب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سیاسی ڈیڈ لاک
کو کسی نہ کسی طریقے سے ختم ہونا چاہیے۔ اب یہ کس طریقے سے ختم ہونا چاہیے یہ اتنا بڑا
لمبا ہم دقیقہ مسئلہ ہے اس کا کوئی تیار شدہ منصوبہ تو ہمارے پاس نہیں ہے اگر آسان
سے آسان طریقہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں وہ بھی یہی ہے کہ سیاست دان اور
حکومت سمجھ کر کانفرنس کریں اور اس بات کو طے کریں۔
جنرل انصاری معاملہ اتنا الجھا ہوا ہے قومی نقطہ نظر اتنا اہم ہے کہ ماضی کی تلخیوں
کو بھول جانا چاہیے۔ ماضی کے حقائق کو بھی نظر انداز کر دینا چاہیے جو کچھ بھی ہے ہیں ساری
توجہ مستقبل پر مرکوز کرنی چاہیے۔ اور اس ڈیڈ لاک کو ہر صورت ختم ہونا چاہیے۔
سوال۔۔۔۔۔ جنرل انصاری صاحب آپ کے نزدیک پاکستان میں فوج کا کیا
کردار ہونا چاہیے۔

جنرل انصاری۔۔۔۔۔ یہ بڑی لمبی بحث ہو جائے گی بہر حال فوج کا کردار یہی ہونا چاہیے
کہ جو حکومت برسر اقتدار ہو اس کی وفادار رہ کر ملک کے دفاع کا پورا انتظام کرے اور

اس کے لیے تیار رہے اور ہماری فوج کا یہی طریقہ رہا ہے اگر حقیقت دیکھیں ہم اس کے عراق مت سمجھو یہ پاکستان ہے میرے خیال میں یہ ان کا اصلی لڑائی کے لئے آغاز اس میں فوج طوٹ نہیں رہی۔ ہمارے ہاں فوج کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جو سیز فوج کرنے کا ہانا تھا مجھے بالکل یقین ہے کہ اگر اندرا گاندھی ۳۱ اکتوبر کو قتل نہ ہوتیں۔ ہوتا ہے وہ ضرورت کے مطابق مارشل لاء لگاتا ہے چند لوگ اس میں طوٹ ہوتے ہیں تو ہم اور پانچ نومبر کے درمیان مکمل طور پر حملہ جارت اور روس کی طرف سے ہم پر باقی فوج تو اپنا کام کرتی رہتی ہے اب بھی فوج اپنا کام کر رہی ہے فوج نے ہمیشہ شروع ہو جانا تھا ہندوستان کو اپنے اندرونی حالات درست کرنے کے لیے بڑا اچھا اقتدار حکومت کا ساتھ دیا ہے اور یہی فوج کا کردار ہونا چاہیئے۔

سوال - بریگیڈر امیر جان صاحب آپ اس سلسلے میں کیا فرمائیں گے؟ دروس کی تیاری قریب قریب مکمل ہو چکی تھی۔ تیسرا سوئی حالات کی وجہ سے بھی یہ بریگیڈر امیر جان۔ سب سے پہلے تو یہ ایسی تنصیبات چھپے پھرتی تھیں کہ انہوں نے فیصلہ لکھی ہوئی ہے زمین کو ایک دفعہ دھوپ لگ جائے تو اس پر ٹینک بھی جا سکتا طور پر تجارت نہیں کر رہا ہے اس کے ساتھ اسرائیل بھی طوٹ ہے کیونکہ انہوں نے فیصلہ لکھی ہوئی ہے زمین کو ایک دفعہ دھوپ لگ جائے تو اس پر ٹینک بھی جا سکتا بڑا کامیاب تجربہ بغداد میں کیا تین مسلم ملک کے اوپر سے اپنے ہوائی جہاز اڑا کر ان کے تان و جہالت کی بنا پر میرا اپنا اندازہ ہے کہ یہ اس نے بالکل یکم اور پانچ نومبر کا ایٹمی پلانٹ تباہ کر کے واپس آئے اور ان پر ایک گولی بھی نہیں چلی ان کا مقصد درمیان حملہ کرنا تھا تاکہ ریجن کے الیکشن سے اور اس آخری ہفتے میں امریکن قوم اپنے صرف ایک تھا۔

کہیں یا عالم اسلام میں اٹیم بم ان کے ہاتھ نہ آئے اگر آئے تو ان کے خلاف اسلام کو دینا تھا۔ نہ ہو اس پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے اسرائیل کی یہ انتہائی کوشش ہے کہ پاکستان بھی جیسے جنرل صاحبان نے فرمایا ہے کہ ان کی انتہائی کوشش ہے کہ ہم کسی سٹیج یہ صلاحیت حاصل نہ کرے کہ اس کے پاس اٹیم بم بن جائے اور ان کا بڑا اچھا دوست بھی ان کی برابری نہ حاصل کریں ہم کو چارہ تیار ملتے ہیں اور جھنگ کا وادیلا شروع ہندوستان ان کی جیب میں ہے یہ دونوں ملے مل کر انتہائی یہ کوشش کی ہے اور ہوتا ہے صرف اپنے پروپیگنڈہ کو تیر کر کے عوام کا دھیان ہٹانے کے لیے وادیلا شروع سنا ہے کہ ستمبر کے تیسرے ہفتے میں ایک سکوارڈن نے حملہ کرنے کی کوشش بھی کر دیتے ہیں اور جہاں تک سیاست کا تعلق ہے جنرل انصاری نے جو فرمایا بالکل صحیح جگوار سکوارڈن آیا اور جب ان کو پتہ چل گیا کہ ہمارے ایف ۱۶ پہلے سے ہوا میں ہے کہ ہم ان کی کوشش جاری رکھیں اٹیم بم سے بھی زیادہ کوئی اور چیز بنا سکتے ہیں۔ تو وہ موجود ہیں تو وہ کابل چلے گئے ان کے لیے ایک تو ہوائی حملے کا راستہ بڑا مختصر ہے بھی بانی چاہیئے اور ان کی جو تنصیبات ہیں ان میں بہت تبدیلیاں اور امپرومنٹ کی سری نگر، کھوٹہ اور پھر کابل یا واپس۔ امریکن پریس میں یہ بات بڑی پھیلی ہوئی تھی کہ فزڈت ہے پھر وہ سیاسی پہلو جو اس کا ہے اس میں سب سے پہلے جو ہمارے جگوار سکوارڈن بالکل غائب ہو گیا ختم ہو گیا۔ اس کا کیا ہوا اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا اس کو اپنا بیٹے قومی یک جہتی جو کہ اٹیم بم سے بھی طاقتور ہے اگر وہ ہم پیدا کر سکیں جاسکتا لیکن انہوں نے کوشش ضرور کی ہے۔ لیکن جب انہیں پتہ چل گیا کہ ہماری اٹمی ہمارے دشمنی ہے کہ نا اہل اور خود غرض سیاست دان صرف اپنی خود غرضی کی وجہ سے تنصیبات کا نظام اتنا فاول پروٹ ہے کہ فوراً اطلاع ملتے ہی فوراً ہوا میں چلے گئے اس ملک کے ساتھ تجربے کرتے رہے ہیں اور مارشل لاء کا جہاں تک تعلق ہے میں کے علاوہ زمینی جو نواح تھا ہمارا اس کے بارے میں روس نے ان کو رائے دی کہ ہندوستان فوج کی حیثیت سے ایسا اندازہ سے کہتا ہوں کہ ہمارا مارشل لاء سے کوئی تعلق نہیں

ہماری دفاعی تقاضے

ریٹائرڈ فوجی افسران کی ماہرانہ رائے

مطبوعہ: نومبر ۱۹۸۵ء

سوال:۔۔۔ ہم اس المیوان میں مہانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں ہمارا آج کا

موضوع ہے ہمارے دفاعی تقاضے۔۔۔

دفاعی تقاضوں کا مقصد جنگی تیاریاں نہیں مگر ہمارے ارد گرد کچھ ہو رہا ہے جس طرح پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے ملکی سالمیت کا تقاضا ہے ہم خاموش نہ بیٹھیں۔ ایک ملک سے ہم معاہدہ عدم جانچیت اور مسک کشمیر کے حل اور دوسرے سے افہام و تفہیم کے ذریعے افغان مہاجروں کی باعزت واپسی کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں وہ ہماری کسی بات پر توجہ نہیں دے رہے۔

جس طرح ہم نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اپنا دفاع کیا حتیٰ تو یہ ہے کہ حق ادا ہوا ہمارا شمار ہر صورت میں پرچم بلند رکھنے والے جاننا زوں میں ہوا۔ ۶ ستمبر ۶۵ء جسے ہم یوم دفاع پاکستان کے نام سے یاد کرتے ہیں ہمیں بہادری اور جہاں نشاری کے تاریخ ساز واقعات کی یاد دلانا ہے دنیا کی عسکری تاریخ ہمیں شاندار اور جاندار الفاظ میں ہمیشہ یاد کرتی رہے گی۔

جیسا کہ ہم نے ابتر اعاب میں کہا کہ دفاعی تقاضوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم وطن کی سالمیت کو ہر چیز پر مقدم رکھیں جیسا کہ حال ہی میں جناب میر علی احمد تالپور و دفاعی وزیر دفاع نے بھی کہا ہے کہ ہم جنگ نہیں چاہتے مگر ملک کی سالمیت کے فریضے سے غافل نہ ہوں گے۔۔۔۔

ہونا چاہیے ہمارے پچانوے فیصد کی ڈیڑھ اپنی ہتھیاروں کے ساتھ ہونی چاہیے بائیں پانچ فیصدی عارضی طور جہاں کہیں کوئی تکلیف ہوئی وہاں تھوڑی دیر کے لیے گئے اور واپس آ گئے لیکن ہم کو بوجہ مجبوری مارشل لا لگانا پڑتا ہے اور رہنا پڑتا ہے تاکہ ملک میں خانہ جنگی نہ ہو۔ اس سے ہم خوش نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے ہمارا دھیان جنگی تربیت کی بجائے دوسری طرف ہوتا ہے اور بعد میں مضر اثرات ہو سکتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے یہ چاہیے کہ قومی یکجہتی حاصل کریں اور سیاست دانوں اور موجودہ حکومت کو اللہ تعالیٰ یہ ایسا سبق دے کہ وہ باہمی افہام و تفہیم سے اس سیاسی انتشار کو حل کر لیں کیونکہ ہماری سب سے پہلی ضرورت قوم کی یکجہتی ہے۔

پاکستان دو فریقوں بھارت اور روس کے کھولے گئے "دو محاذوں" کا کر رہا ہے مگر حالت یہ ہے کہ ہم اپنے دفاع کے لیے ایک کل پرزہ بناتے ہیں یا سے خریدتے ہیں تو اس پر ہمیں ملقاتائی امن کو خطرے میں ڈالنے کا طعنہ دیا جاتا ہے حالانکہ ایک ملک سپر طاقت ہے دوسرا ملک اسلحے کے انبار لگا رہا ہے مہلک کی تیاری میں بھی لگا ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں دنیا کی رائے عامہ کی توجہ بار بار اس طرف مبذول کرانی بھارت اور روس بار بار ہمارے خلاف الزام لگا رہے ہیں کہ پاکستان امریکہ اور چین مل کر امن عالم کو تباہ کر رہا ہے۔

گزشتہ روز دفاعی وزیر دفاع نے کہا ہے کہ "پاکستان اپنے علاقے پر افغان کی مسلسل بمباری اور گولہ باری کے خلاف مناسب وقت اور مناسب انداز میں دفاع کے لیے کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

ان سطور کی روشنی میں آپ سب حضرات صاحب الرائے ہیں اظہار غلا میں ان نکات کو بھی ملحوظ رکھیں۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) سرفراز خاں۔ جب ہم دفاع کی بات کرتے ہیں تو بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ دفاع کس لیے اور کس قسم کا ہو۔

پاکستان کی جو موجودہ صورت حال ہے جزا فیائی اور نظر باقی نقطہ نظر سے یا ان مخصوص مامول کے نقطہ نظر سے جس میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

دوسری بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دفاع اب صرف افواج کا نہیں ہے بلکہ جدید جنگوں میں یہ ایک ہمبرگیر تصور ہے جس میں پوری قوم پوری سے حصہ لیتی ہے اور اس کی مثال جیسے کہ آپ نے اپنے مختصر اقتباس میں دی کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس کا مظاہرہ ہو چکا ہے عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اس جو خطرات منڈلا رہے ہیں وہ محض ایک اختراع ہیں ایک مومہوم سا خطرہ جس کی حقیقت اتنی نہیں ہے جتنی بڑھا چڑھا کر بیان کی جا رہی ہے۔

نظریے سے اتفاق نہیں کرتا جو لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ خطرات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے میرے خیال میں وہ خوابوں کی دنیا میں رہ رہے ہیں اور حقیقت سے گریز کر رہے ہیں۔ ہم اپنی مشرقی اور مغربی دونوں سرحدوں کی طرف جب نگاہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق میں بھارت اور یہ بات نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے بھارت ہم سے الجھتا رہا اور ہمیشہ پاکستان کی حق تلفی ہوتی رہی۔ سب سے پہلے تقسیم کا مسئلہ اس میں ڈبڈبی ماری گئی پھر کشمیر کا مسئلہ یہ اس وقت سے چلا آ رہا ہے جب سے پاکستان بنا ہے اور اب تک حل نہیں ہو سکا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد معاہدہ تاشقند میں ایک شق ایسی رکھی گئی جس میں کہا گیا کہ آئندہ تنازعہ مسئلہ فریقین افہام تفہیم سے طے کریں گے اور یہ پہلی بار کشمیر کے مسئلہ کو کوئلہ سٹورٹج میں ڈالنے کی کوشش تھی۔ اس کا جو عمل پاکستان میں ہوا وہ سب کے سامنے ہے قوم نے اس کو سراہا مقرر کر دیا اور مرحوم صدر ایوب خاں کے خلاف جو تحریک چلی اس میں ایک بہت بڑا عنصر معاہدہ تاشقند تھا اس کے بعد معاہدہ شملہ آتا ہے اس میں بھی زیادہ صاف الفاظ میں یہی کوشش کی گئی کہ کشمیر کے مسئلہ کو یاد دہرے مسائل کو جو دونوں ملکوں کے درمیان ہیں ان کو باہمی افہام تفہیم سے حل کیا جائے اس کے خلاف بھی قوم نے احتجاج کیا لیکن جو بعد کے واقعات ہیں ان میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر پاکستان کی طرف سے بھی کشمیر کا مسئلہ بین الاقوامی سطح پر اور دوسری سطح پر شاذ و نادر اٹھا ہوا کا جب ایک دوسرے ذکر ہوا تو بھارت نے اس کی شدید مذمت کی اور پاکستان خاموش ہو گیا۔ اور اس کے کلائمیکس کا وقت تھا جب کہ غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس ہوئی۔ ہمارے صدر صاحب اس میں شرکت کے لیے دہلی تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں جو خطاب کیا اس میں کشمیر کا سرسری ذکر تھا جو بھارتی حکومت کو پہلے ہی دکھا دیا گیا تھا لیکن اس کے رد عمل کے طور پر مینز اندر اگاندھی نے جو اس میٹنگ کی صدر تھیں جب صدر تقرر کیا کرنے کے لیے اٹھے تو واک آؤٹ کر گئیں حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ

بین الاقوامی آداب کے منافی بات تھی یہ پاکستان اور صدر پاکستان کی سراسر توہین ہے سب نے محسوس کیا گو اخبارات نے اس کا ذکر دبے الفاظ میں کیا لیکن اس کا محسوس ہر طبقے نے کیا۔

اب حالات مختلف صورت اختیار کر رہے ہیں اور میرے خیال میں کثیر کو کوئلہ سٹوریج سے نکال کر زندہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اور اگر ہم کچھ بھی کر تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کچھ سالوں کے بعد کثیر پاکستان کو مل جائے گا بشرطیکہ دانش مندی حوصلہ مندی اور تحمل سے اپنی حکمت عملی وضع کرے اور کم از کم مقبوضہ کشمیر کے کشمیریوں کو یہ تصور نہیں دینا چاہیے کہ پاکستان کو کشمیر کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں اور دوسرے آزاد کشمیر میں جو اندرونی سیاسی و معاشرتی مسائل ہیں اور پاکستان کی حکومت کے ساتھ جو تعلقات ہیں اگر اس میں اس قسم کا رویہ اختیار کیا جائے کہ کشمیریوں کو اپنا دست نگر نہیں سمجھتے ان کو ہم باقی پاکستانیوں کی طرح عزت و احترام میں تو میں سمجھتا ہوں کہ کشمیریوں کے دل جیتنے کے لیے یہ بہت اہم قدم ہو سکتا ہے۔ بھارت کے ساتھ کشمیر کے مسئلہ کے علاوہ اب ایک مسئلہ خالصتان کا کھڑا ہو گیا ہے۔ پاکستان کی حکومت نے بار بار یہ اعلان کیا ہے کہ سکھوں کی اس تحریک میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں اور نہ ہی کوئی تعاون کر رہا ہے لیکن جتنا پاکستان اس معاملے سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا ہے سزاوارتہ انداز کا مذہبی اتنی ہی شدت سے الزام تراشی کر رہی ہیں بلکہ کوئی موقع ملتا ہے تو اس سے نہیں جانے دیتیں۔ اور یہ خواہ مخواہ چھڑ خانہ ہے۔

بعض لوگوں نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ اگر خالصتان معرض وجود میں آجاتا ہے تو پاکستان کے لیے اچھا نہیں ہوگا اور اس کا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر خالصتان بن گیا تو پھر سکھ اپنے مقدس مقامات جو پاکستان میں ہیں ان کے متعلق دعویٰ کریں گے اور ایک تصادم کی صورت پیدا ہو جائے گی۔۔۔ مسئلہ بفرسٹیٹ کا بیان کیا جاتا ہے اور میں نے ایک سابق وزیر خارجہ کا بیان جو حال

ہی میں اخبارات میں چھپا ہے پڑھا پڑھ کر دکھوا انہوں نے کہا کہ اگر خالصتان کی بفرسٹیٹ بنتی ہے تو پاکستان سے اس کو کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں مشرقی پنجاب سے باہر بھی ہیں اور اگر ہندوستان نے حملہ کرنا ہوگا تو وہاں سے بھی کر سکتا ہے اس لیے بفرسٹیٹ کا پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو معمولی سوجھ بوجھ کا مسئلہ ہے کہ مغربی پاکستان پر جتنے بھی حملے بھارت کی طرف سے ہوئے اس کی بنیاد مشرقی پنجاب ہی بنی اور پاکستان کے اہم مقامات بھی پنجاب میں ہیں۔ جنگ کا مقصد صرف جنگ کرنا نہیں ہوتا بلکہ آج کل جو طریقہ کار ہے اس کے مطابق جنگ کا یہ تصور ہے کہ جنگ سیاسی عزائم کے حصول کے لیے لڑی جاتی ہے اور سیاسی نقطہ نظر سے اگر ہم پاکستان کی سرحدوں پر نگاہ کرتے ہیں تو ہمیں یہی مقام نظر آتے ہیں۔ سیالکوٹ، لاہور، فیصل آباد، ساہیوال، منان۔۔۔ یہ سب مقامات سرحدوں پر ہیں اگر صوبہ سندھ میں یا اس سے اوپر پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی ہیں تو وہاں پر کم از کم کوئی اہم مقام نہیں ہے جس کے حصول کے لیے وہ کوشش کرے۔ تو یہ بڑی واضح بات ہے کہ اگر بفرسٹیٹ بنتی ہے تو پاکستان کا اس میں سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان کو اس کے لیے کوشاں ہونا پڑے لیکن اگر ہماری کوشش نہ کرنے کے باوجود سکھوں کی تحریک کی وجہ سے اگر خالصتان بن جاتا ہے تو اس میں پاکستان کو فائدہ ہے۔ اور کچھ اس وقت پاکستان سے الگ رہ کر اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے ان میں اتنی قوت نہیں ہوگی کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اور پاکستان کے ساتھ دونوں پہلوؤں میں برسر پیکار رہیں۔ انہیں ایک ساتھ مل کر دامن سے رہنا ہوگا اور جبراً بیانی لحاظ سے وہ اس پوزیشن میں ہوں گے کہ انہیں باہر کی دنیا سے تعلقات اور تجارت قائم کرنے کے لیے راستہ چاہیے۔ اور وہ راستہ صرف پاکستان سے ہی مل سکے گا۔ اسی لیے میرے خیال میں وہ پاکستان سے اپنے آپ کو کشش نہیں کریں گے پھر آخر کار ہماری خارجہ پالیسی ہے اور اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا تو ہماری خارجہ پالیسی کی نااہلیت ہوگی۔

ہے کہ اس چیز کو سامنے رکھ کر وہ ہر وقت پاکستان پر اعتراض کرتی رہتی ہے وہ چیز باقی رہے گی اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اس معاہدے کے باوجود اگر کوئی ملک حملہ کرنا چاہتا ہے تو یہ کاغذ کا پرزہ حامل نہیں ہوگا۔ اس لیے میرے خیال میں یہ معاہدہ نہیں ہوگا اور اس نے اپنے عمل سے واضح بھی کر دیا ہے۔

اب ہماری طرف سے بار بار جنگ نہ کرنے کا معاہدہ پیش کیا جا رہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کوئی چیز اپنے قومی وقار کے خلاف نہیں کی جائے گی مجھے نہیں معلوم کہ قومی وقار سے اور کس طرح کھیل جائے گا۔ کہ ہم بار بار جھولی پھیلا کر معاہدے کی بیگ مانگ رہے ہیں اور وہ ٹکراتے جاتے ہیں تو اس سے زیادہ قوم کے وقار کے منافی بات کیا ہوگی۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت بھارت پر روس کا دباؤ ہے جسے بھارت کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا اور روس کے مفاد میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ نہیں جاتا۔ اس لیے کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ پاکستان اس وقت دونوں سرحدوں پر سینسا ہوا ہے اس صورت حال میں وہ افغانستان پر کوئی ایسا سخت اقدام نہیں کر سکتا جو روس کی مرضی کے خلاف ہو اور روس یہ بھی جانتا ہے کہ اگر پاکستان پر زیادہ دباؤ ڈالا جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تسلیم کرے بھارت کے ساتھ مسائل ایسی سنگین صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں جن کا حل تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتا اور ہم بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر بھی نہیں دینا چاہتے کہ ہم بھارت سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو اس چیز کو بڑے متوازی طریقے سے حل کرنے کی ضرورت ہے اس وقت افغانستان میں اپنے قدم معبوط بنانے کی کوشش میں ہے اور میرا خیال ہے کہ روس اس موقع پر پاکستان میں کوئی جارحانہ قدم نہیں اٹھائے گا۔ اب اس کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ افغانستان میں پہنچ کر اس نے کیا حاصل کیا اور ہمتیں اس کے ذہن میں تھادہ پورا ہو گیا اور اسے واپس جانا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ صرف افغانستان میں پہنچنے سے روس کے مسائل حل نہیں ہو جاتے وہ رسائی

جس مسئلہ کا بہت کم ذکر کیا جاتا ہے وہ بھارتی مسلمانوں کا مسئلہ ہے کہ کم از کم میں شدت سے محسوس کرتا ہوں جس وقت پاکستان کی تحریک چلی میں اس وقت بریگیڈ میجر تھا اور میں نے یو پی علی گڑھ بہار اٹریسہ میں چلائی گئی پاکستان تحریک کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ ان لوگوں نے پاکستان بنانے کے لیے بہت قربانیاں دیں اور یہ جانتے ہوئے قربانیاں دیں کہ ان کا کہیں کوئی حصہ نہیں ہوگا کم از کم یو پی کے لوگ جانتے تھے کہ وہ پاکستان نہیں جائیں گے لیکن پھر بھی انہوں نے قربانیاں دیں اور اب ان پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں ہم اپنے فرض کو بھول گئے ہیں ان کے ہمارے پر حقوق ہیں جب ان پر مظالم ہوتے ہیں تو کیا ہم نجف سی آواز بھی نہیں بلند کر سکتے۔ اگر ہم احتجاج کرتے ہیں تو بین الاقوامی نقطہ نظر سے یہ نگاہ نہیں ہے۔۔۔

انسانی ہمدردی کا مسئلہ ہے اور ہر ملک اس کو تسلیم کرتا ہے پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لیاقت نہرو پیکٹ میں ایک شق موجود ہے کہ دونوں ممالک میں کسی آئینہ کے ساتھ اگر کوئی نا انصافی یا ظلم ہوتا ہے تو دوسری حکومت اس پر احتجاج کرے ہے لیکن اس کے باوجود اگر ہم کوئی آواز نہیں اٹھاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے۔

اب آخری مسئلہ نوڈار پیکٹ دجنگ نہ کرنے کا معاہدہ (کا ہے میرا شروع سے ہی یہی موقف رہا ہے کہ بھارت کبھی بھی اسی کو تسلیم نہیں کرے گا وہ کسی نہ کسی بہانے اسے نظر انداز کر کے چھینٹا کر دے گا اور انکار اس کا نہیں کرنا کہ بین الاقوامی طور پر اسے مذمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس لیے نہیں کہے گا کہ ہم نے نوڈار سلمہ باہر سے بنایا ہے خواہ امریکیہ سے ہیں یا روس سے اس لیے رہے ہیں۔ ہماری سرحدوں پر خطرات کے بول منڈلا رہے ہیں۔ تو نہیں چاہتے لیکن ہم کمزور بھی نہیں رہنا چاہتے۔ اگر جنگ نہ کر لے گا معاہدہ ہوتا ہے تو اندرا گاندھی کو جو ایک موقع

دوسری بات داخل مسائل ہیں۔ اندرونی طور پر ہمارے مسائل حل ہونے

چاہئیں اور ملک کے اندر مکمل کج چہتی اور یکجہت ہونی چاہیے۔ تیسری بات ہے ہاری خارجہ پالیسی۔۔۔۔۔ خارجہ پالیسی اور دفاع کا چوٹی و امن کا سانچہ ہے اگر خارجہ پالیسی کمزور ہے تو دفاع قدرتی طور پر کمزور ہوگا۔ ہم دوستوں سے کٹ جائیں گے اسلحہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے اقتصادی حالات میں بھی تبدیلی ہوگی اس لیے خارجہ پالیسی بہت منبسط ہونی چاہیے۔ چوتھی چیز خود فوج ہے فوج کی صلاحیتیں خواہ وہ اسلحہ کے نقطہ نظر سے ہوں خواہ وہ ان کی قوت کے نقطہ نظر سے ہوں یا ان کے مورال کے نقطہ نظر سے ہو۔ یہ سب چیزیں مل کر ہمارے دفاع کے لیے بہت ضروری ہیں اگر ان میں ہم آہنگی اور

رابطہ ہے تو پھر ہم یقینی طور پر اپنے ملک کا دفاع کر سکتے ہیں۔

اب لوگ کہتے ہیں کہ ہم چھوٹے ہیں اور بھارت بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جغرافیائی اعتبار سے بھی بڑا ہے اور آبادی کے لحاظ سے بھی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جب پابنج کروڑ نفوس کی زندگی کا مسئلہ ہوتا ہے تو بڑائی ختم ہو جاتی ہے اس لیے عروب ہونے کی ضرورت نہیں ہم بھی بڑی طاقت ہیں اور اگر ہم آپس میں یکجہت اور محبت سے اتحاد پیدا کریں تو کوئی طاقت ہمیں چیلنج نہیں کر سکتی۔

سوال۔۔۔۔۔ جنرل انصاری صاحب جنرل سرفراز صاحب نے بڑی

تفصیل سے جن خطرات و خدشات کی نشاندہی کی ہے ان کی روشنی میں ہمارے دفاعی تقاضے کیا ہونے چاہئیں؟

میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری۔۔۔۔۔ پاکستان کے دفاعی تقاضوں کا جائزہ

لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے دفاعی نقطہ نظر سے جو موجودہ ملکی حالات ہیں ان کا ہم احاطہ کریں۔۔۔۔۔ جنرل سرفراز صاحب نے بڑی تفصیل سے ان کا احاطہ کیا ہے میں ان کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خطرات کا تعین ہو جائے تو بچاؤ کا منصوبہ اور تدبیر اتنی شکل نہیں رہتی کیونکہ بچاؤ کا انحصار خطرے کی نوعیت پر ہے۔ مشرق میں ہمیں ایسی قوم سے پالا پر گیا ہے جس نے پاکستان کے وجود کو نہ کبھی

چاہتا ہے بحر ہند اور بحر عرب کے پانیوں تک اور اس لیے نہیں کہ اسے گرم پانی کی ضرورت ہے یعنی اس کے جہاز سردی سے کانپ رہے ہیں اور ان کو گرم کرنا بات تو یہ ہے کہ مغربی دنیا اور مشرق وسطیٰ کے جہاز ترین مقامات ہیں وہ ان گرم پانیوں کے ہندوؤں کے ساحلوں پر واقع ہیں اور روس کی نظر ان پر ہے اگر وہ ان کو حاصل نہیں کر سکتا تو وہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کی دسترس سے باہر رہے۔ میرا تجزیہ تو یہ ہے کہ روس افغانستان سے اگر نکلا بھی تو بہت دیر سے نکلا بعد نکلے گا۔

ہم جب بھارت اور روس کے ساتھ پر خاش کی بات کرتے ہیں اور کشمیر مسائل کی بات کرتے ہیں کہ جنگ چھڑنے کا باعث یہ بائیں ہو سکتی ہیں لیکن میری نظر جو خطرہ ہے جنگ چھڑنے کا وہ یہ ہے کہ پاکستان کی جو ایٹمی قوت میں ترقی ہے اور پاکستان کے ایٹم بم بنانے کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں خیالات ہیں۔ بھارت حتیٰ کہ امریکہ کے ذہن میں وہ بہت خطرناک صورت حال ہے۔ اگر بھارت نے پاکستان کے خلاف کوئی کارروائی کرنی ہے تو یہ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے پاکستان بم بنانے کی کوشش کرے یا اس قابل ہو وہ کوشش کرے گا کہ پاکستان کو اس سے پہلے قابو کر لے اور روس کی اس میں شہ ہوگی۔ روس خود شاید پاکستان پر حملہ نہ کرے لیکن وہ یہ کر سکتا ہے کہ مغربی سرحدوں پر دباؤ قائم رکھتے ہوئے ہندوستان کو ڈر دے کہ وہ جو جی چاہے کر لے اور یہ بہت بڑی بات ہوگی۔۔۔ ایک اور چیز جو جنگ کا باعث ہو سکتی ہے وہ شاہراہ لاشیم ہے یہ روس کے دل میں بھی کھٹک رہی ہے بھارت کے بھی۔ وہاں سے پھیر خانی بھی ہوتی رہتی ہے جس گلشیر کا ذکر کیا جاتا ہے وہ گلشیر تقریباً دو سو مربع میل پر پھیلا ہوا تھا اور اب وہ بھارت کے قبضے میں ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہماری پالیسی کیا ہونی چاہیے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے اس میں ایسی باتیں آتی ہیں جن کو ہم اپنے نقطہ نظر سے چار حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں اپنی نظر باقی سرحدوں کا تعین کرنا چاہیے۔

ہو رہی ہے، ہر خطے میں یہی ہو رہا ہے بڑے ممالک چھوٹے پر دھونس بازی کر رہے ہیں اور اگر وہ اس میں آجاتے ہیں تو ان کو کچھ ادا نہیں کرنا پڑے گا سوائے خودداری کے اور اگر چھوٹے ممالک خودداری سے رہنا چاہیں تو پھر ان کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کا براہ راست تعلق دفاع سے نہ ہے اور یہی صورت حال پاکستان میں ہے۔

پاکستانی قوم... خوددار اور باغیرت قوم ہے یہ اپنی خودداری کا سودا کسی صورت نہیں کر سکتی۔ ہم کسی کے ساتھ خواہ مخواہ الجھنا نہیں چاہتے ہم کسی کے اندرونی معاملات میں بلاوجہ دخل اندازی نہیں کرنا چاہتے لیکن ہم کسی کی دھونس بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم اپنی خودداری اور غیرت سمیت زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ دفاع کے کچھ اصول ہیں اور وہ ایسے مسلمہ اصول ہیں کہ ان کی تہدید کی ضرورت نہیں ہے ان میں سے ایک اصول یہ ہے فوج تنہا جنگ نہیں لڑتی بلکہ پوری قوم جنگ لڑتی ہے دوسرا اصول یہ ہے کہ جنگ صرف محاذ پر ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ جنگ سیاسی محاذ پر بھی لڑی جاتی ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔

میں ان اصولوں کے حوالے سے گفتگو کر رہا ہوں گا۔ پہلے میں نے کہا کہ جنگ صرف فوج ہی نہیں لڑتی بلکہ پوری قوم لڑتی ہے۔

سوال... قطع کلامی معاف اس وقت جو صورت حال ہے اس میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے؟

ایم ایچ انصاری... میں اسی طرف آ رہا ہوں ہم ہمیشہ دفاع کے بارے میں غلامی کرتے ہیں مجالس مناکرہ کرتے ہیں تو ستمبر ۱۹۶۵ء کے حوالے سے کرتے ہیں حالانکہ صرف ایک یہی موقع نہیں جب ہم نے جنگ لڑی۔ لیکن یہ کیا وجہ ہے کہ ہم جب بھی جنگ کی بات کرتے ہیں تو ستمبر ۱۹۶۵ء کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس وقت پوری قوم نے جنگ لڑی تھی ۱۹۶۱ء کی جنگ میں ہماری

تسلیم کیا ہے اور نہ ہی کرے گی یہ بات ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ کامیابی طرز عمل اتنا صالح کن اور عین نظر آتا ہے کہ آدمی دھوکا کھا جاتا ہے کہ قوم اندر سے اتنی ہی چکر باز ہے اور یہ جو صدیوں پرانا محاورہ ہے وہ اس طرز عمل کا پتہ دیتا ہے کہ نفل میں چھری منہ میں رام رام، اور پھر وہ اس خواہش کا کبھی دستبردار نہیں ہو سکتے کہ اکھڑ بھارت بن جائے وہ وقت تو دے گا لیکن اس غمناک کو دل سے نہیں نکال سکتے جب موقع ملے گا وہ اس کو پورا کر لی کو شش کریں گے جب کبھی کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے اندرونی یا بیرونی ان مسئلہ ہو یا اپنی خامیاں ہوں وہ سب ہمارے سرخروپ دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ مسئلہ کھڑا ہوا ہم نے ایک وقت حضرت قائد اعظم نے سکھوں کو ایک پیش کش کی جو انہوں نے قبول نہیں کی۔ اب ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ سکھوں کو کر رہے ہیں بھارت کی اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی کا نتیجہ ہے۔ لیکن الزام ہمارا سر پر ہے۔

پاکستان نے بنیو کلیئر سائنس کے میدان میں جو کامیابی حاصل کی ہم بار بار کہہ رہے ہیں کہ ہم پر اس ضرورت کے لیے اسے استعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا زیادہ پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کشمیر کے معاملے میں بھی یہی حال ہے وہاں بھارت ایسے تسلط جارہا ہے جیسے ہمارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ان کا ایک پرانا اعلان ہے جس نے ۱۹۶۱ء کی جنگ میں بھارت کی مکمل پشت پناہی کی اور پھر افغان میں جو کچھ ہوا وہ ہم سب کے سامنے ہے اور جو جغرافیائی دوری تھی ہمارے اور ان کے درمیان اب وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اس وقت بہت سے خطرات سے دوچار ہے۔ یہ زمانہ دھونس بازی کا ہے۔ ویسے تو دھونس بازی اس وقت سے چل رہی ہے جب سے انسان وجود میں آیا ہے لیکن جب تک اخلاقی اقدار کا غلبہ رہا دھونس بازی دبی رہی۔ اب جبکہ اخلاقی اقدار کمزور ہوتی جا رہی تو دھونس بازی نمایاں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

قومی یکجہتی میں دراڑ پیدا ہوگئی تھی اور اسی دراڑ کا نتیجہ ملک کے دو لخت ہونے کا صورت میں نکلا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ پوری قوم کو اپنی یکجہتی کا دفاع کرنا ہوگا اور بات سوتیلے چابی کے فرضی اختلافات اتنے شدید نہ ہو جائیں کہ ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے۔ ہمارے آپس کے اختلافات خواہ کتنے ہی شدید ہوں لیکن کی سالمیت کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے۔

میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ جتنے بالغ مرد ہیں ان کے لیے فوجی ٹریننگ قرار دی جانی چاہیے کیونکہ فوج تو سرحدوں پر یا سرحد کے پار ڈاکو قتل ہے اور ان کے جتنے کام ہوتے ہیں وہ شہریوں کو کرنے ہوتے ہیں اس لیے شہریوں کو ٹریننگ ضرور دینی چاہیے۔ اس وقت کالجوں میں اس کا انتظام ہے لیکن میرے خیال میں یہ خانہ پری ہے جس جذبے کی ضرورت ہے وہ اس میں نہیں ہوتا۔

افواج پاکستان اور عوام کا آپس میں مالک اور چوکیدار کا رشتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ یک جان دو قالب کا رشتہ ہونا چاہیے۔ اسی سے یکجہتی پیدا ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ فوج کو تنخواہ دی جاتی ہے اس کا کام ہے لڑنا اور باقی کسی کی ذمہ داری نہیں ہے۔۔۔ یہ سوتیلے غلط ہے یہ رشتہ تو ایسا ہونا چاہیے کہ ایک گھر کو بچانے کے لیے گھر کے تمام افراد اجتماعی کوشش کریں۔ کوئی چوکیداری کرے کوئی لڑائی کرے کوئی کھانے پینے کا انتظام کرے وغیرہ وغیرہ اسی طرح کا رشتہ قائم ہونا چاہیے اور پھر مسلمان ہونے کی حیثیت سے جب جہاد کا اعلان کر دیا جاتا ہے تو ہر بالغ شخص پر وہ جہاد فرض ہو جاتا ہے اس میں مرد و عورت کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ کہ دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے دشمن کی جو قوت ہے اس کے مطابق ہمیں تیار رہنا چاہیے اور یہ اصول اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے وضع فرمایا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تم اپنی قوت تیار رکھو قوت سے مراد افرادی قوت ہے اور اسلحہ سے لیس ہو کر اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمن کا مقابلہ کیا جائے اب ہم یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ پاکستان اپنی ضرورت سے زیادہ اسلحہ جمع کر رہا ہے بات دہرائی جاتی

جس کہ اسلحہ کا جمع کرنا اور جنگی تیاری کرنا تو خطرہ کے صوابدید پر ہے کہ خطرہ کس قسم کا ہے ہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں جب ہمیں ایک خطرے کے تعلق پتہ چل چکا ہے تو پھر اس کو سامنے رکھتے ہوئے اسلحہ جمع کرنا چاہیے اور جنگی تیاری کرنی چاہیے اور اس سے لیے ہمیں قربانی بھی دینی پڑے گی اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے مسلمان کا کام جارحیت کی ابتداء کرنا نہیں لیکن اپنا دفاع بھی ضروری ہے اس سلسلہ میں جو ہم نے جنگ نہ کرنے کی پیشکش معاہدے کے سلسلے میں کی ہے اس پر میں جنرل سرفراز صاحب سے بڑے ادب سے اختلاف کروں گا کہ یہ اس ذمہ داری کے نتیجہ میں ہے کہ ہم پہل نہیں کرنا چاہتے۔ ہم اپنے دفاع کی ضروریات سے غافل نہیں ہیں۔ ہمیں مکمل تیاری کرنی چاہیے جو کسی ہے اسے دور کر لینا چاہیے اور تجارت کو یہ بتا دینا چاہیے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو مسائل موجود ہیں ان کا افہام تفہیم سے حل کیا جانا چاہیے ہم خواہ مخواہ تو جنگ نہیں لڑنا چاہتے۔ کوئی عقل مند قوم طاقت ور کیوں نہ ہو جنگ نہیں لڑنا چاہتی کیونکہ جنگ ایک بہت بڑا منہگا سودا ہے اس میں جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ اس سے مالی نقصان ہوتا ہے اور ملک کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ برسہا برس تک قوم ایک مشکل میں گرفتار رہتی ہے جن قوموں نے طویل جنگیں لڑی ہیں وہ پناہ مانگتی ہیں۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں اور خلوص نیت سے اس کا اظہار کر رہے ہیں ہم اپنی خود داری اور غیرت سمیت زندہ رہنا چاہتے ہیں ہم کسی کی دھولیں برواشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم اصولوں کی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم ہر مسئلہ کو امن سے حل کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی اس کا عملی ثبوت دے تو ہم جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کو تیار ہیں۔

جنگ صرف میدان جنگ میں ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ سیاسی محاذ پر بھی لڑی جاتی ہے کسی ملک کی خارجہ پالیسی کا ایک یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی صورت بھی ایسی سیاسی حالات پیدا نہ ہونے دے جس سے جنگ ناگزیر ہو جائے۔ اس وقت میں کہوں گا کہ ہماری خارجہ پالیسی کامیاب ہے۔ ہمارے گرد و پیش ایسے واقعات پیش آ

جنگ صرف میدان جنگ میں ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ سیاسی محاذ پر بھی لڑی جاتی ہے کسی ملک کی خارجہ پالیسی کا ایک یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی صورت بھی ایسی سیاسی حالات پیدا نہ ہونے دے جس سے جنگ ناگزیر ہو جائے۔ اس وقت میں کہوں گا کہ ہماری خارجہ پالیسی کامیاب ہے۔ ہمارے گرد و پیش ایسے واقعات پیش آ

جنگ صرف میدان جنگ میں ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ سیاسی محاذ پر بھی لڑی جاتی ہے کسی ملک کی خارجہ پالیسی کا ایک یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی صورت بھی ایسی سیاسی حالات پیدا نہ ہونے دے جس سے جنگ ناگزیر ہو جائے۔ اس وقت میں کہوں گا کہ ہماری خارجہ پالیسی کامیاب ہے۔ ہمارے گرد و پیش ایسے واقعات پیش آ

وجہ سے ۱۹۴۷ء میں کشمیر کی جو تحریک تھی اس میں بہت مختصر تعاون تھا اور اگر اس وقت پاکستان کی طرف سے اسے مختصر سی مدد ملی تو میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر کا مسئلہ اسی وقت حل ہو جاتا پھر اگر ۱۹۶۱ء میں ہماری قومی پالیسی مرتب ہوئی ہوتی جس وقت مہارت نے چین پر حملہ کیا تھا اس وقت حالات ایسے تھے کہ ہم بغیر کسی چوڑی جدوجہد کے کشمیر کو حاصل کر سکتے تھے کشمیر کو حاصل کرنے کا مقصد ہے پاکستان کو منفرد کرنا۔ جن لوگوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان کشمیر کے بغیر مکمل ہے یا ایک سیڑھی ہے یہ تو ایک عارضی ڈھانچہ ہے آپ کے سامنے موجود ہے۔

جو ڈاکٹروں کی مدد سے قائم ہے اور مہارت پوری کوشش کر رہا ہے کہ اس کو مزید کمزور کر دے ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ذکر ہوا میں پھر یہی کہوں گا کہ اگر قومی پالیسی متعین ہوتی تو جبریل ٹوٹی سیلی خاں، الوب خان کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا تھا چانس نہیں لے سکتا تھا کہ جس وقت پاکستان آفرورس نے ہماری فوج کو مکمل ہوائی تحفظ دے دیا تھا یعنی ہوائی فوج کی اتنی زیادہ مدد ہم پہنچ گئی کہ ہماری پیدل فوج کی شکل آسان ہو گئی مگر اس وقت جنگ ختم ہو گئی اور جنگ اس وقت ختم ہوئی جس وقت پوری قوم اور فوج کا مورال بلند تھا مگر اس وقت جنگ ختم ہو گئی میں اس وقت کہیں کرنا میں تھا اور جو لوگ فرنٹ لائن پر تھے انہیں بے حد دکھ ہوا انہوں نے کہا کہ اس وقت جنگ بندی ہوئی ہے جب ہم بہت آگے بڑھ سکتے تھے بنیادی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ قومی پالیسی نہ ہونے کی وجہ سے ہم اس صورتحال سے دوچار ہوئے قوم پرست نقطہ نظر سے پاکستان کے دفاع کی بنیادی شرط یہ ہے کہ نیشنل پالیسی مرتب کی جائے اس میں پہلے نمبر پر آپ اپنے دشمن کی پہچان کریں دوسرے نمبر پر آپ اپنی سرحدوں کا تعین کریں جن کی ہم ہر حال میں حفاظت کریں گے جب یہ باتیں واضح ہو جائیں گی تو ان کو سامنے رکھ کر آپ اپنی فوج کو منظم کریں گے اس کو سامنے رکھ کر اپنے دفاعی قلعے متعین کریں گے پھر اسی صورت میں آپ کو کامیابی ہوگی۔

کہ ایسا معلوم ہوتا تھا اب جنگ ناگزیر ہے لیکن کامیاب خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہل چل گئی اور اس کو ٹھاننا چاہیے کیونکہ یہ بھی دفاع کا ایک حصہ ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں دوست بھی بنانے چاہئیں۔ دوستوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہیئے کیونکہ جتنے زیادہ دوست ہوں گے اتنی ہی اخلاقی قوت میں اضافہ ہوگا ہے اور اس کا حریف پر سیاسی دباؤ بھی بڑھ جاتا ہے۔ ہمیں اسلحہ بھی دشمن کی قوت کے مطابق جمع کرنا چاہیئے۔ ہمیں ایک مشکل درپیش ہے کہ ہمارے وسائل کم ہیں اور ہماری ضروریات زیادہ ہیں۔ اس وقت ہم مہنگا اسلحہ باہر سے لیتے ہیں لیکن جب باہر کسی بھی ملک سے اسلحہ لیا جائے تو اس کی مالی قیمت کے علاوہ سیاسی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے اور دونوں جنگوں میں ہم نے دیکھا کہ ضرورت کے وقت وہ ممالک جو اسلحہ دیتے ہیں وہ ہاتھ پھینچ لیتے ہیں اور اس وقت ہمیں تکلیف پہنچا جاتی ہے اس کا ایک حل یہ ہے کہ ہمیں خود اسلحہ سازی کی طرف دھیان دینا چاہیئے منصوبہ بندی کی جائے پاکستان ان چند ممالک میں سے ایک ہے جن میں صلاحیت موجود ہے ٹیکنالوجی اور اسلحہ سازی میں کافی مہارت حاصل ہے۔ ہمارے پاس معیار بھی ہے اس میں ترقی بھی ہوئی ہے اگر ہم اس طرف توجہ کریں تو بہت بہتر ہوگا اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سرمائے کا ضیاع نہیں ہوگا اور ہمیں اس کی سیاسی قیمت بھی دینی نہیں پڑے گی۔

سوال کرنل محمد نفی خاں صاحب آپ اس موضوع پر اظہار خیال فرمائیں۔

کرنل محمد نفی خاں میں اس موضوع پر کشمیر کے حوالے سے گفتگو کروں میرے خیال میں دفاعی تقاضوں کے لحاظ سے ہماری قومی پالیسی ۱۹۴۷ء سے آج تک مرتب نہیں کی گئی قوم کو یہ نہیں معلوم کہ ہمارے قومی ہدف کیا ہیں اگر ایک قومی پالیسی ہو تو حکومتیں بدلتی رہتی ہیں لیکن پالیسی وہی رہتی ہے اس کو آگے بڑھایا جاتا ہے پالیسی کا تعلق ملک کے ساتھ ہوتا ہے حکومت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ چیز نہ

بھارت کے اندر جو جابرانہ باتیں ہو رہی ہیں ان کو دنیا کے سامنے لانا چاہیے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ بھارت جس جمہوریت کا راگ الاپتا ہے اسے خود کس قدر پاسداری جمہوریت کی اور رائے عامہ کی ہے، تو اگر ہم بات کرنے سے بھی خوف زدہ ہیں جنگ لڑنے سے بھی خوف زدہ ہیں تو اپنے مقابلہ کو کیسے حاصل کریں گے اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ اس وقت تک کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے جب تک ہم اپنی قوت حاصل نہیں کر لیتے۔

یہ راستہ ہمارے لیے بہت بہتر ہو سکتا ہے کہ ہم نو وار پیکٹ کر کے بھارت کو امن بند کر دیں بھارت کے اندرونی حالات کو دنیا پر واضح کر دیں تاکہ ہم ایک وقت تک اتنے مضبوط ہو جائیں کہ پھر ہمیں کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو۔ دراصل ہمیں بہت زیادہ محنت عملی سے کام لینا ہو گا تب ہی ہم ان مشکلات اور خطرات سے بچ سکیں گے۔

سوال۔۔۔ پروفیسر وارث میر صاحب آپ بحیثیت دانشور اس موضوع پر اظہار خیال فرمائیں۔

پروفیسر وارث میر۔۔۔ میری ضرورت اس مذاکرے میں قنصلین کو اس لیے محسوس ہوئی ہے کہ اس میں زیادہ تر شعراء کا تعلق فوج سے ہے اور فوج میں جہاں فطرت ہوتی ہے وہاں ایک رکاوٹ یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کا ذہن ڈسپلن کا پابند ہوتا ہے اور فوجی نقطہ نگاہ سے ان کی ایسے نظم و ضبط کے تحت تربیت کی جاتی ہے کہ وہ مناسب نہیں سمجھتے بات کرنا سوچتے تو ضرور ہیں لیکن ریٹائر ہوئے کے بعد بھی مکمل کر بات مناسب نہیں سمجھتے اگرچہ میں نے گفتگو صرف کر لے لی تھی صاحب کی سنی ہے باقی حضرات کی گفتگو سننے سے محروم رہا۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں بعض اشارے ضرور کئے ہیں لیکن میں ایک سولین کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کروں گا کہ وہ باتیں جنہیں آپ کہنا مناسب نہیں سمجھتے یا کہتے ہیں تو دے لے الفاظ میں کہتے ہیں میرے خیال سے اب وقت ایسا ہے کہ ہم خصوصاً اپنے قومی معاملات پر منافقت کی پالیسی ختم کر دیں اور بزرگوں کی پٹی رکھے ایمانداری سے اپنا نقطہ نظر بیان کریں۔

ہمارا ایک ہی دشمن ازل سے چلا آ رہا ہے جس نے ہمیں آج تک تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی تسلیم کرنے کو تیار ہے۔۔۔ اور وہ ہماری کمزوری سے پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ دشمن کی پہچان تو ہو گئی ہے اب ہم نے سرحدوں کی پہچان کرنی ہے جن کا ہر حالت میں ہم نے دفاع کرنا ہے۔ ان سرحدوں میں پورا کشمیر شامل ہے اور ہمیں اس کو نہیں بھولنا چاہیے پھر ہمیں اپنے ملک کے اندرونی معاملات کو تسلیم کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کمزوری کا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ کشمیر کے معاملے میں جو ہم بالکل غافل ہو گئے ہیں اس کا فائدہ وہ اٹھا رہے ہیں۔

دو دنوں ممالک نے کہہ رکھا ہے کہ کشمیر کا فیصلہ رائے شماری سے ہو گا۔۔۔ رائے شماری سے مراد ہے کشمیری عوام کی رائے وہ بھارت سے ملنا چاہیں گے یا پاکستان۔ لہذا اس رائے شماری میں زیادہ اہم ہے انفرادی رائے۔۔۔ اب اس وقت کہ ہو رہا ہے۔۔۔ جو کشمیر میں حالات ہیں اس میں جو سب سے بڑی جنگ لڑ رہے ہیں وہ ہے اپنی رائے کا تحفظ۔۔۔ اب اس میں پاکستان کو اتنا تو کہنا چاہیے کہ فیصلہ کشمیری عوام کی رائے سے ہو گا۔۔۔ کشمیری عوام پاکستانی پرچم لیے گھوم رہے ہیں پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ہمیں بھی ان کا خیال رکھنا چاہیے دنیا کے سامنے اس بات کو رکھیں کہ اس مسئلہ کا فیصلہ میاں کے عوام کریں گے تو سہلی گزرا یہی ہے کہ ہماری قومی پالیسی مرتب کی جائے۔۔۔ دوسری کہ وہ پاکستان جس کا تسلیم ۱۹۴۷ء میں پیش کیا گیا تھا اس کے لیے سوچا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جنگ لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اس لیے ہمارا خارجہ پالیسی ایسی ہونی چاہیے کہ جو نتائج ہمیں جنگ کے ذریعے مل سکتے ہیں وہ ہمیں کامیاب خارجہ پالیسی اور حکمت عملی کے ذریعے مل جائیں۔۔۔ حال ہی میں جہاں ذرائع ابلاغ کے حوالے سے پتہ چلتا ہے وہاں ایک دن میں دو لاکھ افراد مظاہر اور احتجاج کرتے ہوئے گرفتار کئے گئے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے یہی کہ وہاں پر اس نہیں ہیں تو ان حالات سے پاکستان اگر اب فائدہ نہیں اٹھائے گا تو کب

اس سسٹم ہونا چاہیے یہ سسٹم اب تو ناکام ہو گیا ہے اب کوئی ڈیموکریسی لانی چاہیے
 ویدو وغیرہ اب ہم آج راسخے میں پڑے ہوئے ہیں تمام سسٹم ناکام ہو گئے اور اب
 اسلام کے نام پر نئے تجربات کئے جا رہے ہیں اور اللہ کرے یہ تجربات ملک و قوم
 کی نلاح کے لیے ہوں۔ یہ بھی کہیں بین الاقوامی طاقتوں کے باہمی مفادات کے باہمی
 محاذ کے حوالے سے نہ سوچے جا رہے ہوں کہ ہمارے ہاں صورتحال کچھ ایسی ہے کہ
 باہر کی طاقتوں کے مفادات پورے ہوتے رہیں ایک تو یہ یوں ہے۔ بہر طور۔۔۔
 میرے نزدیک ہماری قومی پالیسی باہر کے ممالک میں طے ہوتی ہے اور ہم اس وقت
 اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے حکمران نئی پالیسیاں قوم و ملک کی نلاح کے لیے بنائیں
 اگر وہ الیکشن بھی کراتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سب کچھ
 قوم کی نلاح و بہبود کے لیے ہو۔۔۔۔۔

نفی خاں صاحب آپ نے بہت اچھی بات کی کہ ہماری اس وقت بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کے اندرونی حالات کے تشہیر کے مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ اس لیے نہیں کر سکتے کہ خاص طور پر موجودہ حکومت کے پاس سیاسی منطقی اور اخلاقی لحاظ سے وہ بنیادین الاقوامی سطح پر نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی بین الاقوامی پلیٹ فارم پر ہم ان مقاصد کا ذکر کریں ان نعروں کو بلند آواز سے دنیا کے سامنے بیان کریں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جب بھی کہیں کسی قومی سطح کی کانفرنس میں بین الاقوامی سطح کی کانفرنس میں جب بھی اس طرح کی بات ہوتی ہے تو فوری طور پر آپ کی انجی پالیسی سوال بن جاتی ہے مثلاً میں یہ بات کرنا نہیں چاہتا کہ افغانستان کی حکومت ہم پر اس قسم کے الزام لگاتی ہے۔۔۔ میں مختصراً یہ عرض کر دوں کہ اس مسئلہ پر بہت سے موقعوں پر میں نے اگر کسی حکمران سے بات کرنے کا موقع ملا ہے تو اس سے بھی یہی کہہا ہے پتہ نہیں یہ بات ان کو اچھی لگتی ہے یا بُری لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کی کمزوریاں قومی سطح پر اس پوری قوم کی کمزوریاں بن گئی ہیں۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ میں پوری گفتگو نہیں سنا
بہر حال جہاں تک قومی پالیسی کا اور قومی مقاصد کے تعین کا تعلق ہے یہ دستاویز
کی جلد تک کاغذات میں موجود ہے ہم نے ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد پاس کی کہ
کہتے ہی قومی پالیسی میں اس کا مطلب یہی تھا کہ اس قوم نے جن مقاصد کے لیے زندگی
بسر کرنی ہے ان کو طے کیا جائے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہماری قومی پالیسی جاندار بنیادوں پر کیوں نہ چل سکی صرف یہ کہنے سے کہ قومی پالیسی نہیں چلی بات ختم نہیں ہوتی قومی پالیسی ہمارے ہاں اس لیے نہ چل سکی کہ پاکستان بننے کے تصور سے ہی عرصے بعد کچھ حادثات کی وجہ سے مثلاً قائد اعظم جلد ہی وفات پا گئے ان کے کچھ رفقاء بھی رخصت ہو گئے ہماری بد قسمتی یہ ہوئی کہ پاکستان بننے ہی غیر ملکی طاقتوں نے ہمارے معاملات کو اپنے ماتحت بن لے لیا۔ اور ملک کو بنانے والوں کی بجائے ملک کو بنانے والے تو قائد اعظم اور ان کے رفقاء تھے وہ بھی جلد شہید ہو گئے اور باقی جاگیر دار تھے وہ آپس میں لڑنے لگے جاگیر دار ہمیشہ جاگیر پر لڑتے ہیں ۔۔۔ تو جاگیر داروں کے ہتھے جب ملک چڑھا اور اس سے جو کمزوریاں پیدا ہوئیں ان کی بناء پر جو روکر ٹیس جن کے نام آپ بھی جانتے ہیں وہ ہماری سیاسی زندگی پر چھا گئے اور انہوں نے پاکستان پر اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے بڑی طاقتوں کے ساتھ دہیں کسی ایک طاقت کا نام دانشہ طور پر نہیں لیتا باقاعدہ ساز باز کی ان کو اپنی افادیت اور وفاداری کا تانہ دیتے ہوئے اور یہ بات بھی اب دستاویزات کے حوالے سے ثابت ہو چکی ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے جو اپنے کاغذات ریلینر کئے ہیں ان کے حوالے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں پالیسی اس لیے طے نہ ہو سکی کہ ہمارے ملک لوگوں نے اقتدار پر قبضہ کیا انہوں نے ملک اور قوم کے مفاد کو پیش نظر رکھنے کی بجائے صرف اور صرف اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے پاکستان کی پالیسیاں دوسروں کے ماتحت ہیں دے دیں کہ اب ہمارے ہاں کون حکمران آنا چاہئے ہمارے ہاں کس طرح

گئے ہیں کہ اوسر ہندوستان ہمارا مذاق اڑا رہا ہے۔۔۔ اوسر افغانستان روز آدھی مار جاتا ہے۔۔۔ ہوائی جہاز ملٹی جیک ہو کر آ رہے ہیں۔۔۔ اس پر بھی پریشان ہیں کہ کوئی سازش نہ ہو۔۔۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان خطرات میں گھرا ہونے کے باوجود اپنے دفاع کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا سوائے باتیں کرنے کے تو پھر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت حال میں کیا ہمیں امریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کر لینا چاہیے یا پاکستان کی سرزمین پر امریکہ کو فوجی اڈے دے دینے چاہئیں جنرل سرفراز صاحب آپ سے یہ سوال کر رہا ہوں کہ کیا یہ بات درست ہے اور اس میں کہاں تک حقیقت ہے کہ امریکہ پاکستان سے فوجی اڈے مانگ رہا ہے۔

میر جنرل ریٹائرڈ سرفراز خان جہاں تک امریکہ کا پاکستان میں اڈے حاصل کرنے کا سوال ہے میری معلومات کے مطابق فی الحال امریکہ کا ایسا کوئی مطالبہ نہیں۔۔۔ ایک تحریک سابق وزیر خارجہ نے چلائی تھی۔ ان کا پلان یہ تھا کہ مراکش سے لے کر مصر کو شامل کر کے مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کو شامل کر کے پاکستان میں ایک ایسا اتحاد قائم کیا جائے جو کہ بیڑے ملتا جلتا ہو اور جو سنٹیوں کی بنیادوں کے مطابق قائم کیا جائے لیکن اس تجویز کو نہ تو عرب ممالک نے تسلیم کیا جس میں وہ ممالک بھی شامل تھے جو امریکہ کے قریب تھے مثلاً اردن نے دیے الفاظ میں انکار کیا تو سعودی عرب نے بھی ایسا ہی کیا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ایران میں امریکہ کو شکست ہو چکی تھی وہاں کے حالات امریکہ کے نقطہ نظر سے اہتر ہو گئے تھے اور امریکن حکومت نے محسوس کیا کہ اپنے حالی مفاد کے تحفظ کے لیے ایک ایسے منصوبے کی ضرورت ہے جس کا نام انہوں نے متعلقہ ملکوں کی سلامتی کا معاہدہ رکھا جہاں تک اڈوں کا سوال ہے اگر یہ مل جاتے ہیں تو امریکہ اس کے متعلق انکار نہیں کرے گا۔ لیکن اس وقت جو پاکستان کی مدد کر رہا ہے اس میں اڈوں کی ضرورت شامل نہیں ہے اس میں بات صرف اتنی ہے کہ کاش آپ پہلے گفتگو سنتے تو آپ کو احساس ہو جاتا۔ بہت لمبی چوڑی باتیں ہوتی ہیں۔۔۔

مثلاً خالقان کا یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ پتہ نہیں اس کو چھڑنا چاہیے یا نہیں لیکن اس کو چھڑا دیکھیں کہ ہزاروں مسلمان ہندوستان میں جلا دیے جاتے ہیں پاکستان کے چار شہری بڑے بڑے ملک پر نکل کر اندرا گاندھی کے خلاف نعرے نہیں لگا سکتے۔ یہ پہلی سب سے بڑی کمزوری ہے پاکستان کے قومی مقاصد کی حمایت میں اور اس وقت جس غیر جمہوری طریق کار سے اندرا گاندھی حکومت چلا رہی ہے ان دونوں معاملات کو ہم میں پلٹ فارم پر اس لیے بانگ دہل بیان نہیں کرنے کہ ہم اپنے آپ کو بعض پہلوؤں سے کمزور محسوس کرتے ہیں۔۔۔

مثلاً جنرل ضیاء الحق صاحب کا انٹرویو پچھلے دنوں کراچی کے ایک جریدے میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اسی قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا یہ باز میں تسلیم کرتا ہوں کہ بین الاقوامی سطح پر ہمارا موقف متھوڑا سا کمزور ہے ہمیں بعض خطا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے وہ میں نہیں مانتا یہاں جاے گا وہ ہو جائے گا ایسی کوئی بات نہیں بین الاقوامی سطح پر میں مانتا ہوں کہ کہیں کچھ مشکلات ہیں۔۔۔ کہیں کہیں نہیں بلکہ بہت زیادہ مشکلات ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جس کمزوری کی طرف آپ نے اشارہ کیا اس کی بنیادی وجہ موجودہ حکومت کی بعض سیاسی مجبوریوں ہیں سیاسی کمزوریاں ہیں جن کا وہ اعتراض بھی کرتے ہیں اور ہماری خطا ہے اور ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ جلد از جلد ایسی صورت حال پیدا کریں کہ آپ کے سامنے اپنی حکومت کی قانونی حیثیت ثابت کر سکیں۔

اب معلوم نہیں کہ پہلے اس موضوع پر بات ہوئی ہے یا نہیں پاکستان کا دفاع کے حوالے سے امریکہ کے ساتھ اور روس کے ساتھ جو ہمارے تعلقات ہیں ان افغانستان کی جو صورت حال ہے اس پر گفتگو ہونی چاہیے۔ ہمارے یہاں بڑے سینئر فوجی جنرل موجود ہیں وہ بھی ان مسائل پر لقیاً سوچتے ہیں۔۔۔ میں بالکل پیچھے بات کرنے لگا ہوں۔

الفاظ کا کوئی بھیڑا نہیں۔۔۔۔۔ لوگ سنجیدگی سے اس نقطہ نظر سے سوچیں

دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ جیسا آپ سب فرمانے ہیں کہ ہمارا اولین دشمن ہندوستان ہے اور وہ اس لیے کہ اس نے اب تک پاکستان کو آزاد مملکت تسلیم ہی نہیں کیا لیکن اس علاقے میں امریکہ ایک بڑا ملک ہونے کی حیثیت سے کبھی بھی پاکستان کو ہندوستان پر اس قسم کی برتری دینے کے لیے تیار نہیں ہے کہ اس کے سارے مفادات صرف پاکستان کے ہونے سے دالبتہ ہو جائیں اور اس علاقے کی بہت بڑی طاقت کو اپنا مستقل طور پر دشمن بنالے۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ بحر ہند میں ڈیوچو گارڈشیا وغیرہ میں ہماری پہلے سے ہی اتنی طاقت ہے کہ ہمیں پاکستان میں اڈوں کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ وہ سامانہ نہیں کہ سامنے ہی سرلیٹ ہو تو حملہ کیا جائے۔

امریکہ کے بعض ترقی اور ذمہ دار حلقوں کے ساتھ اس موضوع پر بات ہو تو عام طور پر ان کا موقف بھی جنرل سادب کے موقف کی تائید کرتا ہے۔

ریپبلکن پارٹی اپنے منشور میں پاکستان کی سلامتی کے ساتھ کوٹھنڈ ہے جب کہ ڈیموکریٹک پارٹی پاکستان اور افغانستان کے مجاہدین کا ذکر و تقریریں کرتی ہے۔ اس سے ذہن میں ایک سوال ضرور اُبھرنا ہے کہ آئندہ انتخابات میں اگر ڈیموکریٹک پارٹی جیت جاتی ہے تو پھر پاکستان کے موجودہ موقف کے ساتھ امریکی حکومت کی کوٹھنڈ کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

ایک سوال اور آخری، جنرل سر سرنان صاحب! آپ کا شمار ہمارے ملک کے نہایت سیر فوجی انسرز بلکہ سفارت کاروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے جنگ میں بھی حصہ لیا ہے اور سنارنی ذمہ داریاں بھی نبھائی ہیں۔ ان دنوں پاکستان کی افغانستان اور بھارت سے ملحقہ سرحدوں پر جس قسم کے نظارت منڈلا رہے ہیں، ان کے پیش نظر قوم کو آپ کے تجربات سے استعارہ کرنے اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ روس اور بھارت دونوں سرحدوں پر منصوبے کے تحت اشتعال انگیزی سے باز نہیں آ رہے۔ یہ دباؤ بھی ہو سکتا ہے اور پاک تان کو جنگ میں ملوث کرنے کی سازش بھی ہو سکتی ہے ہم جانتے ہیں کہ افغانستان کے مسئلہ پر ہمارا موقف اس صورت حال کا ذمہ دار ہے۔ اس موقف

روس کا جو عزم ہے اس طرف افغانستان میں اس نے اڈے جمائے ہیں۔ نگاہ میں وہ اس کا حتیٰ نصب العین نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے اس لیے کہ افغانستان گمراہ ہوا ملک ہے اس کی سمندروں تک رسائی نہیں اور دوسرے ممالک سے براہ رسائی نہیں۔ لیکن وہ ایک قدم اٹھا کہ افغانستان میں داخل ہو گیا ہے اور اسے نہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے دوسرا قدم اٹھانے سے پیشتر دوسرا قدم وہ اس وقت لگا جب دنیا کی بغض کو اچھی طرح معلوم کرے گا۔ جیسا کہ اس نے ایران کی صورت حال میں میں سمجھنا ہوا کہ ۔۔۔ ایران میں جو حالات پیدا ہوئے اگر وہ نہ ہوتے روس افغانستان کی طرف قدم نہ اٹھاتا اس کو اس چیز میں یہ نفوذ حاصل ہوتی وہ امریکہ خارجہ پالیسی کی کمزوری اور دیگر عوامل ان کو دیکھ کر اس نے قدم اٹھایا اب آئندہ جوہر اٹھائے گا وہ سب چیزوں کو مد نظر رکھ کر اٹھائے گا۔

پروفیسر وارث میر۔۔۔ میں نے دانستہ طور پر آپ سے یہ سوال لیا کیونکہ بہت کچھ جانتے ہیں اور وسیع علم رکھتے ہیں۔ اور میری کچھ امریکی حلقوں۔۔۔ سے بات ہوئی انہوں نے کہا کہ امریکہ نے پاکستان سے کبھی اڈوں کی طلب نہیں کی اور نہ ہی کرے گئے اور اس کے دو تین دلائل دیئے۔

انہوں نے یہ کہا کہ ہم ایسا پاکستان نہیں چاہتے جو بدہ حالت میں جو امریکہ کے سامنے طاقتور مشہور ہو کہ بدنامی کی حد تک اس کی عالمی شہرت یہ بن جائے کہ یہ امریکا کا سہ لیس ہے امریکہ کا ان معنوں میں حلیف ہے کہ اس کی اپنی کوئی پالیسی نہیں ہے پاکستان میں بین الاقوامی سیاست میں یہ پہنچتا ہے کہ ہم پاکستان کا جو ایک محض تصور ہے نان الائنس کا ممبر ہے اس کی آزادانہ حیثیت کو ہم بین الاقوامی سطح پر مختلف عالمی اداروں میں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اگر ہم اس سے جنگی معاہدے کر لیں تو پھر پاکستان کی وہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور ہماری ڈپلومیسی کے لیے کم فائدہ جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں ایسا پاکستان ہی چاہیے جیسا یہ ہے اور ہم نے کبھی اس بات کا نہیں کی کہ ہم اس ملک کو جنگی اڈہ بنالیں اور اس کی سیاسی اور سفارتی حیثیت کم کر

بریگیڈ بریٹریڈ لیاقت اسرار بخاری (ستارہ جرأت) سے خصوصی ملاقات

سوال..... بریگیڈیئر صاحب۔۔۔ آپ اے عین غالباً کرنل تھے؟

جواب جی ہاں میں آرمی الیوسی ایشن کا کر نل کمانڈنٹ الیٹن فرنٹ تھا۔

سوال..... اے عک جنگ پر سیاسی مصلحتوں کا پردہ پڑا ہوا ہے کوئی واضح

رپورٹ سامنے آنے کی وجہ سے عوام میں یہ تاثر رواج پا چکا ہے کہ ۹۰ ہزار پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور بس... آپ کا ایک دلیرانہ کردار اس جنگ میں بہر حال ہے۔ اس ضمن میں آپ کچھ فرمائیے۔

جواب..... میں اس پوزیشن میں نہیں کہ اس سوال کا کوئی مستحسبی جواب دے سکوں۔ میں تو اے میں ایوی ایشن کا مائٹر ہوں۔ اس لحاظ سے میں یہ ضرور کہوں گا کہ

جس دلیزی اور بے بگری سے ہمارے جوان مشرقی محاذ پر لڑے وہ بات ادھر مغربی محاذ پر بالکل دیکھنے میں نہیں آئی۔ مشرقی پاکستان کا حدود و اربعہ ایسا ہے کہ وہاں موجود فوج کی پوزیشن بالکل محصور فوج کی کسی غمی وہ لوگ کسی طرف بھی تو نہیں جاسکتے تھے۔ ہماری جہتی کچھ بھی نہ تھی وہ تو سامی سرد درں پر پھیلی ہوئی تھی۔

کہنے کو تو آپ ۶۰ ہزار یا ۸۰ ہزار فوج کہہ لیں لیکن حقیقت کا علم ساری دنیا کو ہے
دہاں رگور فوج بیشکل ۳۰ یا ۳۵ ہزار تھی۔ وہ بھی اس طرح سرحدوں پر پھیلی ہوئی تھی کہ
ایک جگہ بیشکل ہی سو یا دو سو فوجی اکٹھے ہو سکتے تھے۔
ہماری سرحد حمل کا دار و مدار مکمل طور پر ہیلی کاپٹروں پر تھا۔ آپ کو علم ہے کہ

میں ہم کسی اصولی تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہیں اور روس کے ساتھ ساتھ امریکہ کی طرز سے بھی ہماری حکومت پر یقیناً دباؤ ہو گا۔ پاکستان کی سلامتی میں دلچسپی رکھنے والوں کو یاد رہتا ہے کہ اس تعطل اور بے یقینی کی صورت حال میں اب کوئی نہ کوئی مثبت تبدیلی ضرور آنی چاہیے ورنہ آئندہ دو تین سال میں پاکستان کو کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش آسکتا ہے۔ روس، افغانستان، اور بھارت کے حوالے سے پاکستان کے مسائل کے بارے میں آپ بھی سوچتے ہوں گے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے آپ پاکستان کو کسی نئی اپروچ اور اپنے دوستوں مثلاً امریکہ وغیرہ کی حمایت اور رضائے ایدہ قدم آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا مشورہ دیتے ہیں یا نہیں۔

جنرل سرفراز، اکثر انٹیکوئلز، پاکستان کے دفاع پر بات کرتے ہوئے
 روس کا سوا بہت کڑا کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ روس کی طرف سے بول
 رہے ہیں۔

کر نل نفتی بٹ، خاص طور پر یونیورسٹیوں کے "ٹیکسچرلٹز" اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وارث میر: میں نے تو معنی سوال کیا ہے آپ سے کچھ سیکھنے اور رہنمائی لینے کے لیے۔۔۔۔۔ میرا سوال روس یا امریکہ کی بجائے، پاکستان کی طرف سے تھا اور پاکستان کے دفاع اور تحفظ میں تھا۔

جنرل سرفراز دہر حال۔۔۔۔ پاکستان دفاعی لحاظ سے اب بہت بہتر حالت میں ہے اور ایران میں امریکی اثر و رسوخ کے خاتمے کے بعد تو پاکستان کو جارحیت سے محفوظ رکھنا، امریکہ کی مجبوری بھی بن چکی ہے۔ پاکستان پر کسی بھی قسم کے بیرونی حملے کی صورت میں، دشمن کو منہ کی کھانی پڑے گی۔

بھارت کے پاس زبردست اور مضبوط فضا ئی بیڑہ موجود تھا۔ اس نے ہمیں سزا ٹھکے اور موقع ہی نہیں دیا۔ مقامی آبادی ہماری دشمنی تھی یعنی عالم یہ تھا کہ ہمارا ایک آدمی ہزار آدمی تک اکیلا نہیں جاسکتا تھا۔ جنگ میں دوا لیس کوئی قابل اعتبار فر لیم نہیں ہر تلبہ باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی تو ہم پہلے ہی بڑی لمبی جنگ لڑ چکے تھے۔

سوال..... سنہا ہے بھارت نے "آل آؤٹ حملہ تو دسمبر سے پہلے ہی کر دیا تھا؟

جواب..... جی ملن آپ سبکا فرماتے ہیں جس روز ہمارے چار جہاز بھارت کے حملہ آور جہازوں کا مقابلہ کرنے گئے تھے جن میں سے تین بھارت نے گرائے تھے۔

سوال ... یہ کب کا واقعہ ہے؟

جواب..... غالباً ۱۶ نومبر کا اس دن سے حقیقت میں باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی تھی بھارتی اسٹری نے ہم پر زبردست گولہ باری شروع کر دی تھی۔ ان کی فوجیں ہماری سرحدوں میں گھس آئی تھیں۔ بھرپور جنگ ۴ دسمبر کو مغربی محاذ پر شروع ہوئی تھی مشرقی محاذ پر بہت پہلے سے بھارت حملہ آور ہو چکا تھا۔

۴۔ دسمبر میں گوہاری اٹھ فرس ایک دن کی لڑائی کے بعد تباہ ہوئی تھی۔ ۵۔ دسمبر کو جبارتی فضا ٹہبے ہمارا ڈھابکے کارن وے تباہ کر دیا تھا۔ لیکن سجدہ ہارسی اٹھ فرس جس جبرأت اور دلیری سے وہاں لڑی ہے انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ بالکل یوں

گلتا تھا جسے آپ ملالی و رکھی کوئی نلنم و دلچسپ رہے ہوں۔ ہمارے لڑکوں نے سیر جیسے پلے اور سنز وک جہازوں سے دشمن کے بدید ترین ایس یو، نیٹ کینبرو وغیرہ تباہ کئے۔ یہ زلزلہ امیں نے اپنی آنکھوں سے ڈساکہ اڑ پورٹ پر دیکھا۔ میرا خیال نہیں کہ دنیا کی کوئی بھی افسوس ایسی لڑائی کی مثال پیش کر سکے۔ میں اپنے سامنے ان معرکوں کی فلمیں بھی لایا تھا۔ جو میں نے منسلطہ اخبار، ٹی، کو دے دی تھیں کسی کو اعتبار نہ آئے تو وہ نہیں دیکھ لے جہاں تک آرس ایس الین کا تعلق ہے مجھ اہات رنجنے کے تمام ماکتان

آرمی کی دہ واحد یونٹ تھی جس نے سرنڈر نہیں کیا۔ ہم نے جس روز سرنڈر ہوا اپنے
 تمام جہاز اور سیلی کا پٹر مشرقی پاکستان سے نکال لیے تھے۔
 جس روز ہم مشرقی پاکستان سے فرار ہوئے ہیں ۱۲۹ عورتیں اور
 بچے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔

سوال..... اس جنگ میں آرمی الیٹن کا کیا کردار تھا۔

جواب..... جس روز لڑائی شروع ہوئی فوج کے پاس رابطہ کا واحد وسیع ہیلی کاپٹر تھے۔ ہمارے پاس ایک سے دوسری پوسٹ تک جانے یا کچھ منہ جانے کا ار کوئی رابطہ نہیں تھا کیونکہ کیشن ہماری بالکل قابل اعتبار نہیں تھی کیونکہ جنگلی تمام خفیہ باتیں سن لیتے تھے۔ جو ”خفیہ پیغامات“ یا کمانڈر رجانے تھے صرف ہیلی کاپٹروں کے ذریعے جاتے تھے۔

ہم دن کو تو اٹھنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ جو کچھ بھی آپریشن ہوتے صرف رات
تاریکی میں ہو سکتے تھے۔ اب آپ دیکھئے کہ مشرقی پاکستان ندی نالوں، ادنیٰ ادنیٰ،
نہلے درختوں اور مہاڑیوں کا دھیس ہے۔ بغیر ریشی جلائے ٹیک آف کر کے جانا اور
ہر اس جگہ لینڈ کرنا کہ جہاں یہ علم بھی نہیں نیچے کیا ہے۔ درخت ہیں، پانی ہے یا دلدلی
ملاقہ ہے۔ اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہاں بنگالی ہمارے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔
ان حالات میں ہم و ماں آپریشن کرتے رہے ہیں۔ اس کے باوجود میرے پاگل جس
بزنس سے لڑے الفاظ وہ بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

سوال۔۔۔ بریگیڈر صاحب۔۔۔ اس جنگ میں ہماری افنٹری سپیل
رن ہاکم کردار کیسا رہا؟

جواب..... ہماری انفٹری کو بہت مشکل حالات کا سامنا تھا۔ یہ لوگ سو سو پچاس پچاس اور بیس بیس کے گروپوں میں بٹے ہوئے تھے۔ جو خدقیں انہوں نے کھودی تھیں وہ پانی سے بھری پٹری تھیں۔ لیکن کیجئے ہماری انفٹری کے اکثر جرنل اور انجینئرس مسلسل پانی میں رہنے کی وجہ سے گل چکی تھیں۔ جلدی بیماریاں تو اکثر کو لاحق تھیں۔

پشیمانی رک گئی۔

جنرل رحیم ان دنوں ۱۶ ڈویژن کے کمانڈر تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ کمانڈرز کو پہلی کاپیوں میں سوار کر کے رات کی تاریکی میں دشمن کی پوسٹوں کے پیچھے اس کے مستحقہ علاقے میں اتارو۔

یہ خود کشی کی حد تک دلیرانہ اقدام تھا۔ دن کو ہم جا نہیں سکتے تھے۔ اور رات کی تاریکی میں بغیر کسی مددگار نقشے کے ایک انجانے پہاڑی اور درختوں سے بھرے علاقے میں جس کے چپے چپے پر دشمن مورچہ بند تھا۔ اپنے کمانڈرز کو پہنچانا۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔

بہر حال ہم نے اللہ کا نام لے کر آپریشن شروع کیا۔ جنرل رحیم خود اس آپریشن کی نگرانی کرنے کو موجود تھے۔ ایک پہلی کاپی میں اڑا رہا تھا میرے ساتھ میجر علی جواز تھے اور دوسرا میرا ساتھی میجر پٹرک اس کا کو "پائلٹ" علی قلی تھا جو اب بریگیڈیئر ہیں اس نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ کرنل کیا ایسا ممکن ہوگا؟

میں نے کہا ہٹ؟ میں اپنے خدا کو یاد کرتا ہوں تم اپنے کرائسٹ کو یاد کرو یہ آپریشن تو بہر حال ہوگا ہم اڑے پہلے میں جو آپریشن کمانڈر تھا اڑا پھر پٹرک نے ٹیک آف کیا نقشہ ہمارے پاس تھا نہیں بس یہ اندازہ تھا کہ اتنے منٹ اس سمت میں جائیں گے اور اتنے منٹ بعد سمت بدل لیں گے۔

اس علاقے میں بادل بہت نیچے ہوتے ہیں جو نہی ہم اڑے بادلوں میں گھر گئے پہلے پہل اندر سیرا تھا اب تو بالکل کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کچھ میچے آئے تو وہاں پانی کا ایک ٹالہ تھا اس کی چمک سے اپنی سمت متعین کر کے چل پڑے جیسے ہی میں نے لینڈ کرنا چاہا دشمن نے اس کے ساتھ ہی ریشمی راونڈ فائر کرتے شروع کر دیے میں نے ہمت نہ ہاری اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر وہاں لینڈ کر گیا اپنے جوانوں کو حفاظت اتار کر میں نے ٹیک آف کیا میرے پیچھے ہی میجر پٹرک لینڈ کر گیا۔

میجر پٹرک نے جہاں لینڈ کیا وہاں پانی تھا لیکن آفرین ہے ہمارے شیر دل

باہر وہ ان خندقوں سے نکل نہیں سکتے تھے بھگتے تو بنگالی اور بھارتی ان کے استقامت کو موجود ہوتے تھے۔

زبان کا مسئلہ اپنی جگہ اہم تھا۔ ہماری آدھی بنگالی فوج ہمارے خون کی پیاب ہو رہی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اصل میں ہمارا دشمن کون ہے۔ ہم کس کس کے غلط لڑیں۔ میدان جنگ میں لڑنا تو بہت آسان ہے لیکن جب یہ ہی علم نہ ہو کہ آپریشن کون ہے اور دوست کون وہاں بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمیں بھارتی فوج نہیں ہلایا۔ ہمیں تو انہوں نے مارا ہے۔

ہمارا کوئی سیکرٹ نہیں تھا۔ کوئی آپریشن پلان ایسا نہیں تھا جس کا دشمن سے علم نہ ہو جاتا ہو۔

سوال ... آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ذرائع نقل و حمل میں رکاوٹ اور مقامی آبادی کے عدم تعاون نے ہمیں یہ جنگ ہارنے پر مجبور کیا؟ مسئلہ ہے پاکستانی کمانڈرز آپ کی مدد سے کچھ خصوصی آپریشن بھی کئے تھے کسی ایسے آپریشن کا حال سنائیے۔ جواب ...۔۔۔ ہمیں جنرل رکا خان اور جنرل نیازی کے دور میں یہ حکم دیا گیا تھا سرحدی علاقے میں ایک ایسے جگہ سبھی بھارتی فوج کے قبضے میں نہ جانے دی جائے اس سے یہ نقصان تھا کہ کوئی ایسا خطرہ زمین حاصل کر کے بہ لوگ وہاں آزادانہ نکلے دیش حکومت کا اعلان کر دیں گے۔

میں آپ کو "آپریشن فیٹی" کا حال سناتا ہوں۔ "فیٹی" مشرقی پاکستان سرحد پر تقریباً ۱۸ میل لمبا اور تنگ کن کی شکل میں بھارتی سرحد کے اندر تک گیا ہوا علاقہ ہے۔ کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں۔ بھارتی فوج نے ان پہاڑیوں پر قبضہ کر کے بڑی آسا سے یہ ۱۸ میل کا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔

پاکستانی فوج کی دو بٹالین کو بریگیڈ کمانڈر اتنا بال شفیق کی کمانڈ میں یہ علاقہ آزاد کرانے کے لیے بھیجا گیا۔ انڈین ٹروپس یہاں اور پچائی پر قابض تھے انہوں نے فائرنگ کی اور ابتدا ہی میں ہمارے اٹھارہ بیس جوان شہید ہو گئے جس سے ہمارا

کمانڈر پر کہ وہ وہاں بھی چھلانگیں مار کر انزگئے اور پیٹرک اس تباہ کن فائرنگ میں بھی میرے ساتھ ہی حفاظت واپس آگیا۔

پلے اور کافی دیر سے رہ رہی تھیں۔

میرے خیال سے یہ ہماری تکنیکی غلطی تھی بنگالیوں کو زیادہ تر مغربی پاکستان میں اور ادھر کی افواج کو وہاں رکھنا چاہیے تھا صورت حال ایسی تھی کہ وہاں فوج میں بھی بنگالی ہی زیادہ نظر آتے تھے ہمارے جوان جہاں مورچے میں بیٹھ گئے وہاں سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔

سوال.... انفنٹری اور آرٹلری کا آپس میں تعاون کیسا تھا؟

جواب.... اس کا دار و مدار زیادہ تر کمیونی کیشن پر ہے اور وہ آپ جانتے ہی ہیں کیسا تھا صرف سہلی کا پیڑی اس کا بہترین ذریعہ تھے ہم رات کے اندھیرے میں

آرٹلری کو گولہ بارود سہلی کا پیڑوں کے ذریعے پہنچاتے تھے اور ایئریشن نے الحمد للہ

پورے مشرقی محاذ پر ایک بھی مثال ایسی نہیں کہ کسی حکم سے سرتابی کی ہوسم نے

کبھی کسی زخمی کو بھی مورچے میں رہنے نہیں دیا اور اسے بہر حال منزل مقصود

پہنچایا۔

سوال.... ہلی محاذ کا کچھ حال سنائیے۔

جواب.... ہلی پاکستان کی عسکری تاریخ کا وہ باب ہے کہ ہماری نسلیں

اس پر جتنا بھی فخر کریں گی کم ہے اس محاذ کے ایریا کمانڈر جنرل نخل حسین ملک

تھے اور کرنل عباسی ان کے ساتھ تھے اس محاذ پر دشمن نے بے شمار حملے کئے

لیکن ایک ایجنج بھی آگے نہ بڑھ سکا۔

میرے خیال سے اس جنگ میں سب سے زیادہ دیریں اسی محاذ پر دکھائی

دی گئی یا پھر ریگڈ مسعود اللہ خان نے کو میلا سیکڑ میں دکھائی ہمارے حالات مغربی محاذ

سے کچھ مختلف تھے یہاں سب کچھ تھا اور وہاں سوائے مورال کے اور کچھ نہیں تھا۔

اس کے باوجود ہم لڑے اور دنیا کو بتا دیا کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے۔

سوال.... جنرل نیازی نے فوج میں مختلف قلعوں میں بھیکر کر بڑے فخر سے

لہا تھا کہ میں جیب چاہوں ملتا تھکی انگلیوں کی طرح پھیل اس فوج کو ڈھا کر میں اکٹھا کر

یہاں صورت حال یہ تھی کہ دشمن کی دو لپٹیں آگے نہیں اور ایک پیچ جس جگہ ہم نے لینڈ کیا وہ پچھلی پوسٹ تھی اگلی پوسٹ والوں نے یہ سمجھا کہ پچھلی پاکستانی کمانڈر نے قبضہ کر لیا ہے اور چھپے آنے والے یہ سمجھے کہ اگلی پوسٹ پر قبضہ ہو چکا ہے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف فائرنگ شروع کر دی ہمارے کمانڈر نے کچھ نہیں کیا زہن پر بیٹھ گئے جب دشمن نے اچھی طرح ایک دوسرے کی خبر لے لی تو ہمارے جوانوں نے چارج کیا اور صبح ہونے تک فیٹی پر ہمارا فائدہ

دوبارہ ہو چکا تھا ہمارا ایک جوان زخمی نہیں ہوا۔

سوال.... آرٹلری (توپخانے) کا اس جنگ میں کیا کردار تھا؟

جواب.... میرا زیادہ تر واسطہ انفنٹری سے تھا اس لیے آرٹلری کے کردار پر زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا لیکن ان لوگوں کے پاس جو کچھ بھی تھا نامکمل ناکافی

اور کسی حد تک ناکارہ تھا اس کے باوجود وہ لڑے اور آخری دم تک لڑتے رہے

تو یہی اتنی پرانی تھیں کہ ان کے منہ گر و لیس ہو چکے تھے ٹینک بہت پرانے

تھے ایک سے دوسری جگہ موو بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ممکن ہے اور مغربی محاذ پر آرٹلری کے پاس اعلیٰ ہتھیار ہوں اور تو ہمارے پاس نہ آرٹلری نہ انٹر فورس تھی نہ نیوی میں انفنٹری تھی پیدل فوج جس نے اپنے

نامکمل ذرائع کے ساتھ آخری دم تک دشمن سے مقابلہ کیا۔

سوال.... مشرقی پاکستان ندی نالوں، دریاؤں، جنگلوں اور پہاڑوں کا

علاقہ ہے ہماری جوافواج مغربی پاکستان سے گئی تھیں۔ انہیں کیا ایسے علاقے میں لڑنے

کی تربیت دی گئی تھی؟

جواب.... آپ جانتے ہی ہیں کہ وہاں کی آب و ہوا ہم لوگوں کو اس نہیں

آئی جبکہ بنگالی اس کے عادی ہوتے ہیں پھر یہ بھی تھا کہ ایسٹ بنگال رجمنٹس ہی وہاں

تھے۔

اس جنگ میں جبر پورا اور موثر کر دیا ادا کیا۔ ایڈمرل شریف جو دہاں ان دنوں نوی
سے کمانڈر تھے بہت ٹھنڈی طبیعت کے اور انتہائی دلیرانہ تھے انہوں نے مشرقی
کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر میں مختلف میٹنگوں میں بہت اہم اور دلیرانہ رول ادا کیا ان کے
فیلڈ بڑے جرأت مندانہ ہوتے تھے۔
سوال.... مثلاً؟

جواب.... جب ہم سرنڈر کر رہے تھے تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ آرمی ایوی ایشن
کو روتوں اور پھول سمیت نکل جانے کا موقع فراہم کیا جائے یہ بڑا دلیرانہ فیصلہ تھا۔
جس میں اہم رول ایڈمرل شریف نے ادا کیا ایک موقع فراہم کیا بھی آیا جب ہم نے تجویز
دی کہ کیلی کا پٹرول میں پانچ پانچ سو پاونڈ کے بم رکھ کر دشمن فوج پر گرائے جائیں
اس دلیرانہ فیصلے میں بھی ایڈمرل شریف نے اہم رول ادا کیا تھا۔

سوال.... بریگیڈ صاحب! جنگ کے آخری ایام میں کیا یہ سُن تھا کہ ہم
اپنی دور دراز ٹکٹا، جیسور، سلہٹ وغیرہ میں بھری افواج کو ڈھاکہ میں اکٹھا کر سکتے؟
جواب.... جی نہیں یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ لوگ لاتعداد دندنی نالوں جنگلوں
اور اپنی گات میں گئے جنگالیوں اور سہایتوں سے لڑتے بھڑتے واپس پہنچ سکیں۔
سوال.... جنرل نیازی نے پھر یہ کیسے تصور کر لیا تھا کہ وہ ان تھیلی کی سیلی
ہوئی انگلیوں کو اکٹھا کر لیں گے۔

جواب.... میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جنرل صاحب خود زیادہ
بہتر جانتے ہوں گے لیکن بظاہر یہ ممکن نہیں تھا۔
سوال.... ڈھاکہ میں آخری دنوں میں ہماری کتنی فوج تھی؟
جواب.... میرے خیال سے مغربی پاکستان سے گئے ہوئے پندرہ بیس
ہزار فوجی تو ہوں گے۔

سوال.... کیا اتنی فوج سے ہم جنگ کو طویل دے سکتے تھے کہ اس
دوران ایسے حالات پیدا ہو جانے جو ہمیں رسوائی سے بچا لیتے؟

کے کے کی شکل میں دشمن کے سینے میں مار سکتا ہوں۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ مکالمہ
ہی میں لہرا کر رہ گیا؟

جواب.... پلاننگ ظاہر ہے ادنیٰ سطح پر کی جاتی ہے اس ضمن میں
ناقص رائے صرف اتنی ہے کہ ایسا مشرقی پاکستان میں ممکن نہیں تھا دہاں تو
بیڈ گیا دہاں سے واپس نہیں آسکتا تھا یہی وجہ ہے کہ جنگ کے آخری دن
جوان جہاں تھے وہیں رہے۔

سوال.... کیا یہ اعلیٰ کمان کی غیر معیاری کارکردگی کا ثبوت نہیں؟
جواب.... دیکھئے جب جی ایچ کیو نے یہاں الیٹن کمانڈر بھیجے تھے
سمجھ کر بھیجے تھے کہ وہ اس صورت حال پر قابو پا سکیں گے اور انہیں انفرادی
صورت حال کے مطابق کرنے کا بھی مکمل اختیار دیا گیا تھا۔

سوال.... جنرل نیازی کیا انفرادی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے؟ اگر جی ہاں
سا کوئی مکم سرنڈر ہونے کے متعلق تھا تو انکار کر دیتے۔

جواب.... میں اندرون خانہ تو کچھ نہیں جانتا لیکن یہ ضرور ہے کہ
ترین فیصلے آپس میں صلاح مشورے کے بعد کئے جاتے ہیں فوج بہر حال
منظم ادارہ ہے۔

سوال.... ڈھاکہ آپ کب سے کب تک رہے؟
جواب.... میں ڈھاکہ دسمبر ۷۱ سے سرنڈر تک رہا ہوں۔

سوال.... آپ کا کیا خیال ہے مشرقی پاکستان میں نیوی زیادہ
ہوسکتی تھی؟

جواب.... نہیں.... اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہماری
بڑی مختصر سی تھی دوسری بات یہ کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان فاصلہ
زیادہ ہے نیوی میں زیادہ تر مگالی تھے جن سے کوئی امید رکھنا ہی حماقت
مقابلہ بھی بھارت کی پیدل فوج ہی سے براہ راست ہوتا اس کے باوجود

جواب یہ بالکل ممکن تھا کیونکہ ڈھاکہ میں تو حقیقت ہے کہ لڑائی بالکل ہوئی ہمارے جو ٹروپس ڈھاکہ میں تھے ان تک لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی! سرنڈر نہ ہونا تو ہم کافی عرصہ تک لڑ سکتے تھے دن نہیں مہینوں لڑ سکتے تھے۔

سوال بریگیڈر صاحب! کیا اس میں تیس ہزار فوج کے ساتھ یہ نہیں تھا کہ ہم ڈھاکہ کو ”مرکز“ بنا کر اس کے باہر پھیلی دشمن فوج کو مسلسل زک رہتے۔ خصوصاً رات کو حملہ آور پارٹیاں بھیج کر اس طرح ہم گننا دقت گننا کر کے اس دوران کوئی کمک پہنچ جاتی؟ یا یو این او کے ذریعے معاملہ حل ہو جاتا۔

جواب جہاں تک تو لڑائی کا سوال ہے وہ تو ہم بیٹھ کر لڑ سکتے تھے۔ دو مہینے بلکہ اس سے بھی زیادہ جہاں تک کمک آنے والی بات ہے تو اس کا ہی پیدا نہیں ہونا تھا۔

ایک مرحلے پر واقعی یہیں کہا گیا کہ امریکن اور چینی ہماری مدد کو آرہے ہیں لیکن افواہ تھی آج کل دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ دوسرا ملک اپنی فوجیں لے کر آپ کی مدد کو جائے اپنی جنگ تو خود ہی لڑنی پڑتی ہے۔

سوال ”کمک“ کی افواہ کیا آپ کا مورال بڑھانے کے لیے پھیلائی گئی یا ایسے مواقع تھے؟

جواب دیکھیے مورال کا تو یہ عام تھا کہ لڑ کے لڑنے مرنے پر تیار! اور وہ آخری گولی تک لڑنا چاہتے تھے اس لیے یہ تو سمجھ نہیں آ سکی کہ آخر یہ افواہ کیوں پھیلائی گئی لیکن یہ آپ ضرور جان لیں کہ یہ افواہ جی ایچ کیو سے آئی تھی اس سے نہیں۔

سوال بریگیڈر صاحب! اچھے کمانڈر جنگوں کی منصوبہ بندی کرتے ہیں موافق حالات ہیں اور لمبی جنگ کی حکمت عملی اور مہوتی ہے اور مختصر لڑائی کی اور ہماری فوج کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ دشمن کی قوت سے دب جانے والی تھی تو میں تو تسلیم نہیں کرتا کیا آپ یہ نہیں سمجھتے کہ ہماری پلاننگ ناقص تھی؟

جواب میں اس سلسلے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ سکتا کہ جنگ ابھی کافی دیر تک لڑی جاسکتی تھی۔

سوال بریگیڈر صاحب! ہمیں ۱۶ دسمبر کے اپنے دلیرانہ فرار کی کہانی سنانے کہ ایسی کہانیاں زندہ قوموں کی آخری دم تک رہنے والی زندہ نشانی ہوتی ہیں ایک نسل بڑے فخر سے یہ واقعات اگلی نسل کو منتقل کرتی ہے! اس اپریشن کی تفصیلات؟

جواب میں نے ۱۴ دسمبر کو یہ پلاننگ کی تھی کہ ہم لوگ اپنے ہیلی کاپٹر ڈھاکہ سے نکال کر لے جاسکتے ہیں ۱۶ دسمبر کی شام خریچا ساڑھے سات بجے جنرل نیازی نے مجھے طلب کیا اور میرے منصوبے پر صادر دیا ان دنوں مشرقی پاکستان میں اثر و فرس کے کمانڈر بعد میں ہونے والے ار مارشل انعام الحق تھے ان سے مشورہ کیا گیا انہوں نے بتایا کہ بڑے ہیلی کاپٹر تو ڈھاکہ سے اکیاب (دربار) تک پہنچ جائیں گے لیکن چھوٹے ہیلی کاپٹر بڑوں کے لیے یہ ممکن نہیں۔

میں نے یہ تجویز دی کہ ہم چھوٹے ہیلی کاپٹروں میں بیڑوں کے جیری کبس رکھ لیں گے اور راستے میں کسی بھی محفوظ جگہ اتر کر ”ری ٹیونگ“ بھی کر لیں گے۔

سوال بڑا دلیرانہ فیصلہ تھا؟

جواب میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ اپنے ہیلی کاپٹر صحیح سلامت دشمن کو سونپ دوں خیر! جنرل نیازی نے ساڑھے سات بجے ہمیں اجازت دیدی ان احکامات کے ساتھ ہی ہم عورتوں اور بچوں کے علاوہ آرمی کی ۶ نرسوں اور جنرل رحیم کو جو سخت زخمی تھے اپنے ساتھ لے جائیں ہم نے ٹیک آف کے لیے رات ڈھائی بجے کاؤنٹ نمتنب کیا انڈین آرمی نے اس دوران یہ وارننگ ہم تک پہنچادی تھی کہ اگر کسی نے بھی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو وہ اسے مار گرائیں گے۔

میں نے اپنے ہیلی کاپٹروں پر بنے آرمی کے نشانات پر تار کو لپیٹ دی ہم نے

اپنی منزل تک پہنچ گئے۔

ہم ایک دوسرے کے تعاقب میں ۸ ہیلی کاپٹر مہیاں لینڈ کر گئے ہم نے یہ پرکھا
بایا تھا کہ ایکاب میں خود کو سولین بتائیں گے تاکہ مشکلات پیدا نہ ہوں یہاں ہم اترے تو
ابھی تھوڑی تھوڑی روشنی ہی ہوئی تھی ابھی تک کسی نے ہمیں دیکھا نہیں تھا۔

جب ایک دوسرے کے بعد وہاں ہیلی کاپٹر اترنے لگے تو امرو پورٹ سے ایک
آسی جاگتا ہوا آیا اور اس نے پوچھا کہ ہم لوگ کون ہیں۔

میں نے اسے بتایا میں چیف پائیلٹ پلانٹ پر دیکھتے ہیں آپ کو علم ہے
کہ طائی ہو رہی ہے ہم لوگ اپنی جان بچانے کے لیے جھاگ کر آئے ہیں اس شخص کو پہلی
ہیلی کاپٹر کو ٹنک ہوا اور اس نے اپنی انٹارپرائز کو مطلع کیا جس پر ایک افسر نے ہمیں حکم
دیا کہ واپس ہیلی کاپٹروں میں بیٹھ جاؤ میں نے اسے کہا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں اس نے کہا
اچھا تمہارے کونسلر سے تمہاری بات کروانا ہوں۔

اس نے کونسلر سے رابطہ کر دیا تو میں نے اردو میں اسے بتایا کہ ہم سولین ہیں
اور میرے ساتھ عورتیں اور بچے ہیں کونسلر نے کہا انگریزی میں بات کرو مجھے شک گزرا
کہ یہ نکالی ہے میں نے کہا کہ تم پاکستانی ہو اور اردو نہیں جانتے جس پر وہ گڑ بڑا گیا اور
کہا کہ وہ ہماری سیکرٹری سے بات کروانا ہے اس دوران جنرل رحیم کے گھٹنوں سے خون
بننے لگا تھا میں کسی طرح انہیں فون تک لے آیا انہوں نے کونسلر کو دھکی دی کہ وہ سیکرٹری
کو گورنمنٹ میں کونسلر نے فون بند کیا اور اپنی فیملی سمیت کاکس باز اس کے راتے فرار ہو گیا
اس کا نائب گورنر کارسنے والا ایک محب وطن پاکستانی تھا وہ مورتحال سمجھ گیا اور چائے
کے دو جام اور سگترے لے کر وہاں پہنچ گیا ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے جھوک پائیں
سے بک رہے تھے وہ سگتروں اور چائے پر ٹوٹ پڑے اس دوران صبح کے
دس بج چکے تھے۔

اس دوران جنرل رحیم کی بات رنگون میں ملٹری ایچی کے ساتھ ہو گئی دوپہر
کے بعد ملٹری ایچی رنگون سے پہنچ گیا اس نے ہمیں ایک ریسٹ ہاؤس وہاں

سی ایم ایچ والوں سے کہہ دیا کہ وہ دو بجے تک زسول کو وہاں پہنچا دیں جب پہلے
۲ بجے مقررہ مقام پر پہنچے تو زسول ابھی تک نہیں پہنچی تھیں شاید "تیار" میں در
گئی ہیلی کاپٹروں میں لوگ بری طرح ٹھسے ہوئے تھے ہمارے لاکھ سمجھانے
باجوہ کوئی بھی اترنے کو تیار نہیں تھا ہم نے انہیں لاکھ سمجھایا کہ اتنے دنوں کے
ہم اسے اڑا ہی نہیں سکتے لیکن وہ لوگ لبند تھے مشکل یہ تھی کہ عورتوں کے
مرد بھی چلے آئے تھے کئی لوگ یہ شبہ کر کے آئے تھے کہ وہ سپیوں کو پکڑ کر ہی
جائیں گے۔

ہمارے پاس وقت بہت کم تھا اگر تھوڑی سی دیر بھی ہو جاتی تو خطرہ تھا کہ
مشرقی پاکستان ہی میں سورج طلوع ہو جاتا اور روشنی ہماری موت کا پیغام ہوتی
ہیں انڈین ائرفورس مار گراتی۔

ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ ہم اپنی سرحد کا اندھیرے ہی میں عبور کریں ہم نے اللہ
نام لیا اور ایک ایک ہیلی کاپٹر میں ۱۶ کے بجائے ۲۹ اور ۲۵ مرد عورتوں کو لے کر
اُڑنے کے لیے تیار ہو گئے ابھی تک زسول نہیں پہنچی تھیں ہمارے لیے مزید انتظار
مکن نہیں تھا اللہ کا نام لے کر ہم نے ٹیک آف کیا۔

میں سب سے پہلے اڑا اس کے بعد وقفے وقفے سے باقی ہیلی کاپٹر اُڑتے
رہے جب ہم اُڑے تو جنگالیوں نے یہی سمجھا کہ یہ بھارتی جہاز ہیں انہوں نے
ایک ابڑا سڑیپ بنائی ہوئی تھی اور اس پر خوب لائٹیں وغیرہ جلا کر نعرے لگائے
رہے برسا کی سرحد سے کچھ وقت پہلے ہی ان لوگوں کو ٹنک ہوا اور انہوں نے ہم
فاٹنگ شروع کر دی ہم اونچے نہیں اڑ سکتے تھے اس طرح ان کی فائرنگ سے
جاتے تو بھارتی ریڈار کی زد میں آ جاتے ہم لوگ سمندری ساحل کے بالکل ساتھ
کر پرواز کر رہے تھے سمندر پر پہنچ کر ہم نے اپنی دریاں اور رافٹیں سمندر میں پھینک
ہم اللہ کے فضل سے بحیرہ عافیت کی آب پہنچ گئے ہم سے پہلے جو پانچ جہاز
"ولیڈ" اُڑے تھے انہوں نے برسا سے فیول لے کر چین جانا تھا وہ بھی اللہ کے فضل سے

ون یونٹ ہی بہتر تھا

ماضی کے اپوزیشن رہنما میر عبد الباقی بلوچ سے ایک

ملاقات

مطبوعہ: ۱۹ فروری ۱۹۸۸ء

سوال ... باقی بلوچ صاحب ایادش بخیر ماضی کے حوالے سے آمریت کے دور میں آپ کی جدوجہد اور آواز حق بلند کرنے کی پاداش میں گوناگوں مشکلات کا سامنا جس میں آپ پر قاتلانہ حملہ بھی شامل ہے یقیناً آپ ہی کا حصہ تھا۔ سب سے پہلے میں آپ سے درخواست کر دوں گا کہ اپنا کچھ تعارف کروا دیجئے۔

عبد الباقی بلوچ بنگرہ میر تعلق مکران سے ہے۔ ہمارے ہاں چار ریاستیں تھیں اور لمائی سکول صرف مستونگ میں تھا جو پنجاب یونیورسٹی سے منسلک تھا۔ تربت میں صرف ایک پرائمری سکول تھا۔ دسویں کے لیے مجھے مستونگ آنا پڑا۔ اس زمانے میں جو کوئی مستونگ پڑھنے آتا تھا اسے ریاست قلات ۱۰ روپے وظیفہ دیتی تھی۔ ۴۰ء میں میٹرک کیا۔ پاروں ریاستوں میں فٹنٹ آیا تھا۔ وہاں سب کو سکالر شپ ملتا تھا کہ پڑھائی جاری رکھے۔ پہلے مجھے کہا گیا کہ اچھا کرکس پڑھو۔ شیخ صاحب کامرس کالج کے پرنسپل تھے۔ میں ایک روز لیٹ تھا۔ ۱۱ میل کا فاصلہ میں ۴ دن بس طے کر کے وہاں پہنچا۔ انہوں نے پوچھا کون ہو؟ میں نے کہا مکرانی ہوں۔ انہوں نے میرے ساتھ خاصا تفریح آمیز رویہ اختیار کیا۔ میرا ذہن شاید

لے دیا ہمارے پاس دو زخمی جرنیل تھے ایک تو جرنل حیم اور دوسرے کپتان کے میجر پیر دادتین دن ہم لوگ وہاں رہے اس دوران بھارتی حکومت نے حکومت پر ہر طرح دباؤ ڈالا کہ ہیلی کاپٹر اور مسافر واپس کئے جائیں ان لوگوں پر ماکومت کو بری اعلیت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن بری حکومت نے انسانیت کا پاس کیا اور اللہ کے کرم سے وہ وقت بھی آیا جب ہم لوگ اپنے ہیلی کاپٹر سمیت پاکستان پہنچ گئے۔

سوال اس شکست کے اثرات فوج پر آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟
جواب فوج ہی کے مورال پر نہیں عوام کے مورال پر بری طرح اثر ہے فوجی افسران شدت غم و غصہ سے بے حال ہو رہے تھے درحقیقت جرنل نیاز کا تو ۱۴ دسمبر ہی کو ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا احکامات البتہ ۱۶ دسمبر کو جاری ہوئے سوال مطلب؟

جواب یہ سگنل ۱۴ دسمبر کو جی ایچ کیو سے گیا تھا اور بالکل ادنیٰ نتائج میجر نے موصول کیا اس نے پڑھ کر سب کو سنا یا ہمیں تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا میجر بھی یہی سمجھا کہ یہ کسی بنگالی کی شرارت ہے لیکن چیک اپ کرنے پر علم ہوا کہ یہ حقیقت ہے۔

سوال جو حکم جی ایچ کیو سے بھیجا جائے اس کی زبان ہمارے خیال سے ذمہ داری ہوتی دو ٹوک ہوتی ہے کیا جی ایچ کیو کے سگنل میں یہ واضح طور پر لکھتا کہ ہتھیار ڈال دیئے جائیں؟

جواب نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی فیصلہ ایڑن کمانڈ کی موابدہ پر چھوڑا گیا تھا کہ وہ حالات کے مطابق جو فیصلہ بہتر سمجھیں کریں۔

سوال اتنا اہم فیصلہ جرنل نیازی نے اپنے ساتھیوں کے صلاح مشورے کے جواب جی نہیں اتنا اہم فیصلہ بہت اعلیٰ سطح پر کیا جاتا ہے۔

شروع ہی سے باغیانہ رہا۔ میں واپس آیا اور کہہ دیا کہ کراچی میں نہیں پڑھوں گا۔ حتیٰ اس لیے مجھے کوئی فائل نہیں دکھائی جاسکتی تھی۔ چنانچہ میں فائل کا امتحان نہ واپس کر دیا۔ اس کے بعد لاہور آیا اور یہاں اسلامیہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ پھر لاہور ہی میں کالج مینجمنٹ کرسینٹ کا ایڈمٹر بن گیا۔ ادنیٰ سرگرمیوں میں بڑھ چڑھا۔

میرا تیار ہوا۔ مجھے ڈاکٹر ایم ڈی تانیر اور شیر محمد اختر جیسے عظیم لوگوں کی رہنمائی میسر رہی۔ بہر حال سیلف کو اڈنیشن کی پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کرنا چاہا۔ مشکل یہ ہوئی تھی کہ سائنس نصاب کی پولیٹیکل سائنس یونین ان دنوں ایمر جنسی واپس لے گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے ٹوڑ دی۔ مواد صرف ملتا تھا ہسٹری آف سٹیٹس اینڈ ریجن میں جن کے گورمانی صاحب فطر تھے۔ گورمانی صاحب سے بھی ان دنوں بادل اٹھ رہی تھی۔ وہ یوں کہ جب یہاں "بنیادی اصولی کمیٹی" کی رپورٹ پڑی تو ناظم الدین کی کمیٹی لوگوں کی رائے معلوم کرنے آئی تو انہوں نے مختلف دفعہ تھے۔ ایک طلبہ کا بھی وفد تھا جس میں اسلامیہ کالج کے ہم دور کے تھے اور وہاں کا مینہ بیٹھی تھی۔ وہاں بولنے والے تو ایک دو ہی ہوتے ہیں۔ میں زیادہ تر سوالات پس ماندہ علاقوں سے متعلق کئے کچھ جوابات خواجہ ناظم الدین خود دیتے تھے اور کچھ گورمانی صاحب۔ میٹنگ کے خاتمے پر گورمانی صاحب مجھے الگ بلا کر ملے پوچھا کہاں کے ہو؟

میں نے کہا مکران سے بڑے حیران ہوئے کہنے لگے مجھ سے تین روزہ ملنا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر تانیر کا انتقال ہو چکا تھا ہم نے ان دنوں تاثر نہیں کیا۔ چنانچہ ملاقات پر میں وہ نمبر اور دو تین اور پرچے کرسینٹ کیے گیا تھا۔ انہوں میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے کہا کہ میں چھٹیوں میں کراچی آؤں۔ میری مدد کرنے اور سہولیات بہم پہنچانے کا وعدہ بھی کیا۔ اس طرح ان سے رابطہ ہوا۔ مجھے وہ سے اپنے ساتھ کوٹھ لے گئے اس طرح گورمانی صاحب کے ذریعے میرا وہاں کے اہل مطلق میں تعارف ہوا۔ میرا خصوصی پاس گورمانی صاحب کی طرف بنا ہوا تھا۔ میں گورمانی صاحب کے بے دھڑک آتا جاتا تھا۔ اتنے تعلقات کے باوجود چھپکے

سوال... آپ نے پھر باقاعدہ سیاست ان بننے کا فیصلہ کب کیا؟

عبدالباقی... میں پھر ۵۶ء میں مکران گیا۔ یوں تو میں وہاں آتا جاتا رہتا تھا لیکن اب یہ پروگرام بنا کر گیا کہ مجھے میان سے بلور سیاستدان امیر ناہ ہے اور میرا خیال تھا کہ اس عمل میں مجھے ۲۰ سال لگیں گے۔ میں نے دیکھا یہاں لوگ جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ میں نے نیگور سے آغاز کیا۔ لوگوں کے مسائل آگے پہنچانے شروع کئے ان کے لیے یہ بڑی بات تھی۔ میں نے صدق دل سے لوگوں کی خدمت کی ان دنوں نیگور میں بارش بھی نہ ہوئی۔ خاصی قحط سالی ہوئی لیکن سرکار

اپنا حق کہاں چھوڑتی تھی اسے لوگوں کے مسائل سے کیا میں نے اس کے خلاف اٹھائی۔ نیانیا مثل لاء لگا تھا میں نے کہا کہ اس علاقے کو آفت زدہ قرار دے کر غریبوں کو معاف کیا جائے میری کوششیں بار آور ہوئیں اور انہیں محصول اس سال کا معاف اس سے اللہ نے میری عزت بنائی۔ انہی دنوں یہ بی بی ڈی انکیشن آئے۔ میرا ان میں سے ایک کا قطعاً کوئی پروگرام نہیں تھا میں تو اسمبلی کا ذمہ میں رکھ کر بیٹھا تھا لیکن لوگوں نے کہا۔ میں نے کہا ایک صورت سے کھڑا ہوتا ہوں میں اکیلا تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ تم دوسرے وارڈوں میں بھی میرے آدمی لاؤ تو اوّل کا چنانچہ سوائے دو ممبران کے تمام ہمارے ہی لوگ کامیاب ہوئے۔ میں بلا مقابلہ ممبر اور بلا مقابلہ لیئر لینین کو نسل چیرمین منتخب ہو گیا۔

سوال جو گورنر کالا باغ سے آپ کا تعارف کب ہوا؟

عبدالباقی انہی دنوں تعارف ہوا۔ وہاں انہوں نے ملاقات میں بی بی ڈی کنونشن بلوایا۔ میں بھی تھا۔ گورنر امیر خاں بھی وہاں آئے تھے وہاں ڈپٹی کمشنر ملک تھا۔ اس سال بھی بارش نہ ہوئی۔ میں نے سوچا کہ تھلہ سالی کا ریزولیشن پاس کر دو کر لوگوں کی مشکلات کا ازالہ کر دوں۔ وہاں کسی کو اس کا علم ہی نہیں تھا۔ میں نے وہاں ریزولیشن کو نسل میں پاس کر دیا کہ نلال نلال علاقوں کو آفت زدہ قرار دیا جائے۔ جس سے ان کے ٹیکس وغیرہ معاف ہو گئے۔ اب یہ ملک وارث مجھ سے سودا بانی کرنے لگا۔ جو دوست آفر لایا تھا میں اس پر گھڑا لیکن اس نے کہا مسلمات اختیار کر دو ورنہ یہ تمہارے فائدہ نہ کر دے گا۔ میں نے گول بات کر دی۔ فنڈز آئے تو میں نے بند وغیرہ بنوا دیئے۔ ۱۵۰ فی بل لوگوں کو دیئے اور سب پر پھر سے کافرٹی چانس چھوڑا۔ ملک وارث نے کہا کہ تمہارا علاقہ تو آڈٹ آف دی وے ہے وہاں کون جائے گا۔ آدھا کھاؤ آدھے مجھے دو۔ اگر کوئی آیا بھی تو ہم کہہ دیں گے کہ بارشوں نے مہا دیا وہ جینا گیا میرا دشمن ہو گیا۔ ایک سیشن وہاں آپسی تعاون پر تھا کہ بی بی ڈی ممبران اور سرکاری افسر آپس میں تعاون کریں۔ اس پر میں کھڑا ہو گیا وہ سامنے بیٹھا تھا میں نے کہا آپ کہتے ہیں تعاون کر دو۔

وزیروں کے جھوٹے کارنامے غلط ثابت کروں۔ میں تو اپنا کام کر رہا تھا۔
مثلاً بجٹ تیار ہونے کا معاملہ غیر قانونی تھا۔ میں نے پوائنٹ آف آرڈر پر سارا دن
بات کی اور بجٹ منسوخ کر دیا۔

سوال..... تب آپ نے گندھارا کے خلاف خاصی تقاریر کیں؟

عبدالباقی..... انہی دنوں ایوب خاں صاحب نے اپنے صاحب زادے

کو فوج سے ریٹائر کر دیا کہ گندھارا اندھڑی اور بھارت کو صدر ایوب کی طرف سے

منہ کر دفاع کی پیشکش پر بڑی زوردار تقاریر کیں اور اخبارات کو بھی خوب لتاڑا کہ وہ

کرئیں کیلئے خبریں تو خوب شائع کر رہے ہیں اور اس شخص کے خلاف بات نہیں کرتے

جو پاکستان کی حیثیت کو تسلیم نہیں کر رہا کبھی ایران، کبھی افغانستان کے ساتھ کینیڈا

کر رہا ہے کبھی کچھ کرتا ہے۔ میں نے قومی اسمبلی سے اپیل کی کہ اس کے خلاف ایوان میں

مقدمہ قائم کیا جائے جناب ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ صدر ایوب کی ڈکٹیٹر شپ میں دراطریں

پڑنے لگیں۔ اسمبلی سے صدر پر مقدمہ قائم کرنے کا مطالبہ ان دنوں معمولی بات نہیں تھی

وہ اس سے چڑھ گئے۔ گورمانی صاحب نے کہا باقی یہ تجھے چھوڑیں گے نہیں جیل میں ڈالیں

سوال..... آپ کی پہلی گرفتاری پھر کب ہوئی۔

عبدالباقی..... انہی دنوں گورنر کا لا باغ نے اسی ملک عبدالوارث کو مکران

میں تعینات کر دیا کہ مجھے سبق سکھائے۔ اس نے دہاں مجھ پر ایران پاکستان سرحد توڑنے

کا الزام لگا دیا۔

سوال..... اس حوالے سے آپ کی خاصی شہرت رہی۔ وہ کیا معاملہ تھا؟

عبدالباقی..... بات دراصل یہ تھی ان دنوں نئی سرحد بندی کے شوق میں

حکومت نے ہمارے بہت سے علاقے ایران کو دے دیئے۔ سکندر مرزا کے زلنے

کہ یہ معاہدہ ہوا تھا۔ ایوب خان کے زمانے میں اس پر عمل ہو گیا۔ میں نے اسمبلی

میں فوراً کیا۔ اور نیشنل اسمبلی والوں سے کہا انہوں نے دہاں شور کیا کچھ نہیں ہوا

نے خود بات نہ کی تو ان سے محتاط رہنا یہ تمہیں دھوکہ دیں گے۔ میں اسمبلی میں گیا

کسی نے ان میں سے ایسی بات نہیں کی۔ نبی بخش زہری نے کہا تم ہمارے

ہو لیکن کہا کہ سردار نہیں مانتے مجھے اپنے ساتھ میں لے گئے اور غیر بخش مری سے

ملایا مجھے کہا کان لگا کر سنو۔ انہوں نے فون پر مری سے کہا کہ نہ آپ لیڈر نہ ہم لیڈر

ہمارا لیڈر ہے۔ اس نے کہا باقی کس کا بیٹا ہے کہ ہمارا لیڈر ہو؟ پھر انہوں نے

خلافت صحافت قائم کر لیا کہ میں بک چکا ہوں لیکن لوگ جانتے تھے کہ میں بکنے والی چیز

ہوں۔ پول میں اسمبلی میں پہنچا اور اپنی کارروائی شروع کی۔

سوال..... اسمبلی سے پھر آپ کی بطور ایڈیشن لیٹر شہرت کا آغاز ہوا؟

عبدالباقی..... میں نے جب اسمبلی میں پہلی تقریر کی تو مجھے پارلیمانی سیکریٹری

کی آفر آئی اور نور شہید احمد صاحب مرحوم ان دنوں لاہور منتھے۔ انہوں نے مجھے بلایا اور

کہ مبارک ہو میں ابھی تمہارے لئے پارلیمنٹری سیکریٹری شب اناؤنس کر رہا ہوں۔ میں

کہا میں تو نہیں ہوتا وہ گڑبڑ اگئے۔ اپنے ساتھیوں سے کہا بیچ گئے جی! میں اعلان کرنا

یہ نہ کر دیتا تو سبکی ہوتی۔

انہی دنوں گورنر بلوچ میں اسمبلی ممبران کی ملاقات صدر ایوب مرحوم سے کرنا

جاری تھی۔ میں کچھ دیر سے پہنچا۔ دیکھا تو نواب کالا باغ اور صدر چلے آ رہے ہیں بلوچ

یہ تھا کہ جو ان سے ملنے ملائے اپنا اور حلقہ انتخاب کا نام لے۔ صدر اگر چاہے تو کسی

سے مات کرتا رہے۔ جب صدر ایوب مجھ سے ملنے ملانے گئے تو نواب کالا باغ نے فوراً

کہا "یہ جی وہی ہے" یہ میرا متعارف تھا۔ صدر نے مجھے گہری نظروں سے دیکھی پھر مکران

کی باتیں کرنے لگے کہنے لگے کہ میں جو فی آبا تھا تم لے نہیں۔ میں نے کہا جناب تین دن

کا راستہ تھا جب تک میں گیا آپ جا چکے تھے۔

سوال..... کیا میں سے ناراضی کا آغاز ہوا؟

عبدالباقی..... میں تو ناراض نہیں تھا۔ میری یہ ڈیوٹی تھی کہ ایمان داری سے

یار بھی کرتے تھے۔ مجھے کہتے تھے کہ بلوچیاں پھڑنا اس... رب دی سوہ
در واقعی انہوں نے مجھے بچڑ یا اور الزام ہی لگایا کہ میں نے باؤڈری توڑی ہے۔
اسی آری میں پکڑ آیا۔ دلوں ایک جرگہ اپنی مرضی کا بٹھا کر ایک سپر سائیکل کارروائی
کی اور مجھے ۴ سال کی سزا دے دی۔ اس کے لیے جمالی قبیلے نے ۱۱ لاکھ کی ضمانت
کا بندوبست کر لیا لیکن میں نے منع کر دیا میں نے کہا یہ کل کہہ دیں گے کہ میں نے سرحد
ٹوڑنے پر ضمانت پھر منسوخ کر دیں گے اور میں نے کبھی سرحد توڑی نہیں۔ میں
سرحد پر گیا ضرور تھا وہ میرا حلقہ انتخاب تھا۔ دلوں ایسے لوگ تھے جن کے گمراہ سر
تھے اور ان کی زمین ایران کی طرف چلی گئی تھی۔ مجھے ان کے مسائل سمجھنے تھے۔ انہوں نے
کہا میں نے پل توڑ دیا ہے میں اتنا بیوقوف تو تھا نہیں پل توڑنے سے سرحد تو نہیں
منتقل ہو جاتی۔

سوال.... لاہور میں نائزنگ کا قلعہ کیا تھا؟

عبدالباقی.... میری اسمبلی میں مسلسل تنقید سے سرشار دربار میں تو میں مقرب
ہا تھا ان دلوں اسمبلی کا سیشن چل رہا تھا۔ میں لاہور میں ملک غلام جیلانی کے ہاں
مہمان تھا اور ان کی درخواست کرنے پر میں ان کے ہاں ٹھہرا تھا انہوں نے مجھے
فدکر کے ٹھہرایا تھا۔ ایک روز میرے پاس سیکورٹی والا آیا اور کہا کہ کچھ لوگ گرگڑھا
سے آئے ہیں۔ آپ کے مداح ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں میں باہر آ کر ان سے
ملاقاتیں لینے بیٹھ گئے آدمی تھے مجھے تنگ ضرور ہوا کہ معاملہ کڑ بڑھے۔ لیکن میں نے
تب اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ اگلے روز میں نے پولیس آرڈینس کے خلاف
بات کرنی تھی۔ اسمبلی لاہور میں پولیس لاڈلانہ کتاب تھی وہ حمزہ صاحب نے
اٹھو کر داکھی تھی۔ اب میرے کچھ پردیس میں دوست تھے میں نے کہا ان سے رابطہ
کرنا ہوں۔ پہلے دوست آپ کے نوٹے وقت کے عرفان پشپانی تھے۔ رمضان
کو بہت تھا میں ایک کتاب کا اس سلسلے میں مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک غلام جیلانی ۴
شمار کی پڑھ رہے ہو؟ بند کر دو چلو چلو میں نے کہا کہاں؟ کہنے لگے جنرل اعظم

تو میں نے فوراً رٹ کر دی کہ معاملہ رک جائے اپنا علاقہ ایران کو طر اسفر نہ ہونے
تا دوران دلوں نابینا منظر تھے جب انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ پھر وہی چین
حبش بنے۔ محمود علی قصوری میرے وکیل تھے بہر حال عدالت نے ”سے“ نہیں دیا
بہر حال علاقے توان کے حوالے ہو گئے لیکن ان کی قانونی حیثیت متنازع رہی۔ یہ
میرے لیے الگ مذاہب بنا رہا۔ بھٹو صاحب کے زمانے تک مجھ پر باؤڈر ہاک
میں اس مقدمے سے دستبردار ہو جاؤں۔ شاہ ایران الگ ناراض رہے۔ میں نے
کہا میں کیوں دستبردار ہوں۔ میں تاریخی ملک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر کیوں لگاؤں
عدالتیں بھی آپ کے قلم کے تابع ہیں جو دل چاہے کرو۔ اب جناب یہ مجھے کبھی
جیل میں بھیج دیں کبھی رہا کر دیں۔ کبھی آفر دے رہے ہیں کہ وزارت لے لو۔ میرے
نوہ لے لو۔ بھٹو صاحب شاہ ایران سے ملے ہیں تو اپنا کیس پیش کیا کہ ہماری مدد
آزاد ہیں۔ میں علاقے کی قانونی حیثیت کا فیصلہ نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ۔ وہ چاہتے تھے
کہ شاہ ایران کی حمایت حاصل کریں اس نے گناہ بھی نہیں ڈالی۔ آخر کار یہ مقدمہ ختم
تو ہوا لیکن میں نگیارہ بارہ سال مذاہب میں رہا۔ میں حیران ہوں کہ بلوچستان سے یہ
واحد ممبر تھا جس نے دن یونٹ کی حمایت کی اصولی طور پر حکومت کو مجھ سے شکایت
نہیں ہوئی چاہیے تھی لیکن میں چونکہ ان کی پالیسیوں پر تنقید کرتا تھا اس لیے میرے
خلاف ہو گئے۔

۱۹۷۲ء میں گولڈ سمٹھ کمیشن نے علاقے کی سرحد بندی کی تھی۔ ہم نے وہ کتاب
کر دی اور اس کے نقشے سے ثابت کیا کہ سرحد اصل کہاں تھی اور ایران نے تسلیم کیا
لیکن عدالت، عالیہ نے کہا کہ یہ تو کتاب ہے کوئی قانونی دستاویز نہیں۔ میرے وکیل
ناظم احمد صاحب نے کہا اگر آپ اس حرج و مرج کی علاقہ بندی تسلیم نہیں کرتے تو کل
ڈیویژن لائن کا مسئلہ بھی کھڑا ہو جائے گا۔ میں تو ایوب خاں کو کہا کہ تا تھا کہ یہ دنیا کا
واحد فیڈ مارشل ہے جس نے سبائے ملک کی سرحد وسیع کرنے کے اپنا علاقہ دشمن
کو دے دیا۔ یہاں اسمبلی کے سپیکر تھے مسعود صادق بہت اچھے آدمی تھے مجھے بہت

زندگی دی اور بچ گیا۔

سوال..... اب کچھ مختصر فاطمہ جناح کی انتخابی مہم کا حال بھی بیان کر دیجئے۔
عبدالباقی..... جناب کیا یاد دلادیا آپ نے۔ آپ کو علم ہے کہ مادر ملت
ان اپوزیشن والوں کے کہنے کے باوجود صدارتی امیدوار کھڑی نہیں ہو رہی تھیں۔ میں
ان سے ملا اور انہوں نے مجھ سے ۹ منٹ بات کی وہ اپوزیشن کو پانچ منٹ نہیں دیا
کرتی تھیں بہر حال خدانے عزت رکھی وہ عجیب دور تھا۔ مادر ملت مشرق پاکستان گئیں
۶۳ء کے آخر کی بات ہے۔ ڈھاکہ سے چٹاگانگ کا سفر ہم نے ۲۹ گھنٹے میں طے کیا۔
میں بچھ کے چلے میں ۱۰ لاکھ کی حاضری تھی۔ نب مجیب کو کوئی جانتا نہیں تھا۔ میں
نہیں سمجھتا، سال میں ہی نیا انقلاب آگیا کہ مادر ملت کے لیے جان دینے والے
بنگالی ہم سے الگ ہو گئے۔ بہر حال دھاندلیاں ہوئیں اور مادر ملت ہار گئیں۔

سوال..... موجودہ حالات میں آپ پاکستان کی سلامتی کے لیے کیا تجویز
پیش کریں گے؟

عبدالباقی..... بسب سے پہلے تو صوبائی سرحدیں توڑنی ہوں گی۔ دن یونٹ
جب تھا تو کیا اتنے مسائل تھے جتنے آج ہیں۔ آج بھی نسخہ یہی ہے کہ آپ بڑے ملکوں
کے ساتھ یونیٹری گورنمنٹ بنائیں۔ پارلیمنٹری فارم آف گورنمنٹ رکھیں لیکن موجودہ
نظام کے ساتھ تو یہی مسائل جنم لیں گے۔

۲

نے افطار پر بلایا ہے۔ ہم دونوں ان کی گاڑی میں چلے گئے سبزل اعظم کے ملاں گئے
تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی افطار کیا اور ہم چل دیئے۔ میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا
پیل ہاؤس چلو میں نے وہاں سے کتاب لینی ہے۔ ملک غلام جیلانی نے کہا نہیں پیل
اٹریوٹ پر ڈراپ کر دو۔ میں حیران رہ گیا کہنے لگے ایک مفروضی کام ہے کراچی ہا
ہے۔ اب آپ دیکھیں میں ان کا مہمان ہوں اور مجھ سے انہوں نے ذکر تک نہیں کیا
اب اچانک جانے کی سوچی۔ میں تو حیران رہ گیا۔ خیر ہم نے انہیں اٹریوٹ پر اتارا
اور میں ڈرائیور کے ساتھ چل دیا۔ عرفان چغتائی مل نہ سکے۔ دوسرا امیرا چو افس نثار
عثمانی تھا وہ بھی نہ ملے۔ تیسرے بے چارے پی پی پی آئی کے ضمیر قریشی تھے۔ میں ان کے
پانس گیا وہ پان کھا رہے تھے میں نے کہا آؤ یا میرے ساتھ چلو کچھ باتیں کرنی ہیں
میں نے سوچا جیلانی صاحب کے گھر اکٹھے ہی کھانا کھائیں گے وہیں بات کر لیں گے
گاڑی پورچ میں آئی ہم باہر نکل آئے۔ میرا ہاتھ گھٹی پر تھا تاکہ لو کہ کو مطلع کر دوں اپنا
دھاکہ ہوا اور میرے پہلو میں تیز جلن ہونے لگی۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ جیسے میرے
پاؤں تلے کوئی پٹانہ آگیا ہو۔ ضمیر ذرا پیچھے تھے۔ میں کوٹے پر تھا ضمیر چلائے کہ یہ تو گلاب
چل رہی ہیں۔ اس کے ساتھ بس وہ گر پڑے۔ میں نائنگ کی سمت بڑھنے لگا
شکر ہے ورنہ بلوچ کہتے کہ میں نے پیٹھ پر گولیاں کھائی ہیں۔ بہر حال میرے جسم میں آٹ
گولیاں لگیں۔ لیکن خدانے بہت دی۔ وہ لوگ تو مجھے مردہ سمجھ کر بھاگ گئے تھے
میں وہاں برآمدے تک پہنچا دروازہ کھلوا یا تو کہنے مجھے دودھ لاکر دیا پھر ہم
ہسپتال کی طرف آنے لگے میں دوا دسیوں کے۔ ہمارے گاڑی تک پہنچا۔ ضمیر اس اثنا
میں شہید ہو چکے تھے۔ بہت عظیم انسان تھے بڑے محنتی اور لائق اخبار نویس ہسپتال
رومانگی کے وقت میں نے لو کہ خواجہ مسند، حمزہ اور نواب زادہ صاحب کے
ٹیلیفون وغیرہ دے دیئے کہ انہیں مطلع کر دوں۔ یہ لوگ تھپیڑ میں پہنچے تو پریشان
تھے میں نے تسلی دی اور زوردار آواز سے کہا کہ کیوں گہرا رہے ہو جو اللہ کو سزا
ڈاکٹر یان قذیر نے آپریشن کیا۔ گولیاں مجھے لگی تھیں۔ اب بھی میرے جسم میں ہیں۔ خدانے

آئیے اس ضمن سیاسی پارٹیوں کے کردار کا جائزہ بھی لے لیں۔

مسلم لیگ (جے) گروپ کے جناب محمد خان جو نیچو نے ۲۰ ستمبر کو اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس کے دوران صرف یہی کہنے پر اکتفا فرمایا کہ حکومت کراچی اور حیدرآباد کے شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کے لئے مؤثر اقدامات کرے جبکہ پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر نواب زادہ نصر اللہ خان نے کہا کہ کراچی اور حیدرآباد میں خونریزی کرنے والے ملک کے دشمن ہیں اور انہیں عبرتناک سزا دی جائے اس کے ساتھ ساتھ لسانی تنظیموں پر پابندی عائد کی جائے اور عدالتوں میں لایا جائے انہوں نے ان واقعات کو نگران حکومتوں کی کمزوری قرار دیا اور مطالبہ کر دیا کہ نگران حکومتیں فوراً مستعفی ہو جائیں۔ جمعیت علمائے پاکستان کے نائب صدر شاہ فرید الحسن کا کہنا تھا کہ حکومت حیدرآباد میں خونریزی کرنے والے افراد کو بے نقاب کرے ان کا کہنا تھا کہ اس خونریزی میں سندھ کی ایک اقلیت بھی وابستہ ہے اور شاہ احمد نورانی نے بہت پہلے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے خبردار کیا تھا کہ پاکستانی سرحدوں پر ہندو آبادی پاکستان کے لیے مسائل پیدا کر رہی ہے لیکن اس طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔

پیپلز پارٹی کی شریک چیرمین مسز بے نظر بھٹو نے کہا کہ اس سانحے کی عدالتی تحقیقات کروائی جائے اور عوام کے جان و مال کی حفاظت حکومت کا فرض تھا لیکن حکومت اپنے دیگر فرائض کی ادائیگی کی طرح اس میں بھی ناکام رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکمران اپنی کرسیوں کو بچانے کے لیے عوام کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں اور ریگمنٹ بھٹو نے تو واشنگٹن الفاظ میں کہہ دیا کہ ان واقعات میں حکومت خود ملوث ہے۔

دوسرے سیاست دانوں نے بھی ملتے جلتے بیانات دیئے اور تقریباً تمام پارٹیز پارٹیوں کی طرف سے ان ہولناک واقعات کو حکومت کی ناکامی کا سبب گردانتے ہوئے نگران حکومتوں سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا گیا۔

یہی تھامہ رو عمل جو سیاسی جماعتوں کی طرف سے سامنے آیا جبکہ عوام کی توقعات اس سے بہت مختلف تھیں۔ ہمارے مضمون سیاست دانوں نے شاید اس سانحے کو بھی

سندھ جل رہا ہے اور....

مطبوعہ: ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء

۳۰ ستمبر کو حیدرآباد اور پھر کراچی میں بے گناہ پاکستانیوں پر ٹوٹے قیامت نے خیمے کراچی تک ہر در در دل رکھنے والے پاکستانی کو متاثر کیا۔ ہر کی تاریخ میں بے گناہ انسانوں کے قتل عام کی جلیانوالہ باغ کے بعد یہ واحد مثال۔ لیکن اس لحاظ سے بہر حال منفرد کے یہاں مرنے والوں کو اپنے گناہ کا علم نہیں تھا کہ کس بے گناہی کی سزا دی جا رہی ہے۔ پہلے روز حیدرآباد کے سیرے پورے بازاروں میں بچوں، عورتوں، مردوں کا جو جسمانی قتل عام کیا گیا اور بلا تخصیص رنگ و نسل جو انسانوں پر موت کے دروازے کھولے گئے اس سے ایک بات تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ غیروں کا فعل فبیح تھا انہوں کی کارستانی نہیں تھی۔ پاکستان کا کوئی شہر یہ ماننے کو تیار نہیں کہ کوئی پاکستانی خواہ وہ لسانی یا صوبائی حوالے سے کتنا ہی اہم پسند ہو اس طرح اندھا دھند اپنے ہم وطنوں کا قتل عام نہیں کر سکتا جس بے رحم شقاوت دلی سے حملہ آوروں نے کیا۔

یہ افسوس ناک واقعات بدقسمتی سے اس وقت پیش آرہے ہیں جب ملک میں جمہوریت کا دور دورہ ہونے کی نوید سنی جا رہی ہے انتخابات کی آمد آمد سال کے طویل آمرانہ تجربے کے بعد اب عوام سیاست دانوں سے خجیدگی کی توقع کئے بیٹھے ہیں۔

اس صورت حال پر ملک کے تقریباً تمام طبقوں نے دلی رنج و غم کا اظہار

پنجاب میں سیلاب آیا اور یہاں سیاسی جماعتوں نے سیلاب زدگان کی امداد کے لیے کمپ لگائے۔ ان کا یہ جذبہ قابل تحسین اور باعث برکت، ہے لیکن انہیں اس مقام پر یہ ہے کہ جب انہی سیاسی جماعتوں کے کارکن سیلاب سے تباہ حال بستیوں میں سہانے کر جاتے تو عوام سے ان کا رویہ کچھ ایسا ہوتا تھا کہ لوگوں کو یہی گمان گزرتا گویا ان سے امداد کے کام پر دو ٹوٹ طلب کئے جا رہے ہیں۔ یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے پریشان حال عوام میں یہ نظریہ جڑ چکے ہوئے لگے کہ یہ لوگ خدمت کے جذبے سے نہیں بلکہ الیکشن میں ووٹوں کے حصول کے لئے ہمارے پاس آئے ہیں۔

میں ممکن ہے کچھ سیاسی کارکنوں کی طرف سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہو گی یا ان کی یہ امدادی مہم بھی الیکشن مہم ہی ہے لیکن ایک خوش فہم اور تصویر کے مثبت رخ پر نگاہ رکھنے والے انسان کی حیثیت سے ہم یہی سوچیں گے کہ ان کا جذبہ خدمت کسی الیکشن مہم سے مشروط نہیں تھا اور خدا کرے ایسا ہی ہو۔ بعینہ حیدر آباد اور کراچی کے سانحے پر سیاسی رہنماؤں کا رد عمل کیا ہوا ہے اور انہوں نے غور و خیر کی مذمت میں بیانات دے کر اور حکومت پر ملے ٹال کر یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ تمام معاملات سے بری الذمہ ہو گئے۔

انہوں نے اس بات کا ہے کہ سیلاب زدہ علاقوں میں کم از کم ان صاحبان نے اپنا اثر کرنے کے بعد ہی سہی دورہ کرنے کی زحمت تو گوارہ کر لی اور عوام کے مسائل بھی سن لئے لیکن یہاں تو ایسی بھی کوئی مثال دیکھنے کو نہیں ملتی کراچی اور حیدر آباد میں جو قیامت ۲۰ اکتوبر اور پھر یکم اکتوبر کو ٹوٹی ہے وہ کوئی آنا فانا نہیں ٹوٹ پڑی بلکہ اس کی توقع بہت پہلے سے کی جا رہی تھی۔ اور تقریباً ہر باشندہ شخص کی زبان پر ان خدشات کا ذکر رہتا تھا کہ ایک عرصے سے ملکی سرحدوں پر منڈلا رہے اور عوام الناس کے اذکار کو آسیب لگ کر ان دس رپے فتنے، ٹھیک ہے اس معاملے میں انتظامیہ کی نااہلی کو بھی دخل حاصل رہا ہو گا۔ لیکن یہاں ہم یہ بات بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہماری انتظامیہ بھی ہم ہی تھے اور موجودہ معاشرتی اقدار میں کسی مثالی حکومت کی توقع کرنا محضوں کی جنت

معمول کی کارروائی سمجھنا تھا اور جس طرح وہ ملک میں مسلسل ہونے والے دھماکوں کی سادہ و آفاقی نوعیت کے حادثات پر معمول کے مطابق بیانات جاری فرماتے ہیں یہاں بھی سب کے معمول کے بیانات داغ کر یہ جان لیا کہ وہ اپنی ذمہ داری عہدہ براہو گئے۔

یہ معمول کی بات اس طرح ہوئی کہ عوام انسان جاننے لگے ہیں ملک میں کوئی حادثہ ہو جائے ہر اپوزیشن اس کا الزام برسر اقتدار پارٹی کو دے گی اس کی ایک تو درجہ یہی ہے کہ شہر لوگوں کے جان و مال کی ذمہ داری بہر حال حکومت کا فرض ہے اور ہے ان کے فرائض میں کوتاہی کے سبب ہی عوام کی جانیں اور ان کے مال کو خطرہ لاحق ہوں گے اگر انتظامیہ حالات پر کڑی نگاہ رکھے اور اپنے معاملات میں کوتاہی نہ کرے تو اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ دشمن فائدہ اٹھائے ہیں یا کامیاب آخر ملکی نظم و نسق چلانے کے لیے حکومتیں ادارے تشکیل دیتی ہیں اور ان کے درمیان فرائض کی تقسیم کی جاتی ہے تو مقصد بھی ہوتا ہے کہ ہر کوئی اپنا اپنا فرض ادا کرے اور بات کی تنخواہ بھی وہ حکومت سے وصول کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت ہی تمام معاملات کی ذمہ دار ہے۔

ملک میں موجود دیگر بلنقات لمٹے زندگی صرف اپنے حقوق کے لیے ہی شوق برپا کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنے فرائض کا ادراک نہیں ہے؟ ایک ایسی سیاسی جماعت جو ملکی فلاح و بہبود کی نمان ہے جس کا منشور ہو کہ ایک فلاحی مملکت بنانے کا آئینہ دار ہو۔ جسے اپنے کارکنوں کی تربیت پر ناز ہو جو ملک گیر بنیادوں پر مضبوط مستحکم اور مربوط ہونے کی دعویٰ دار بھی ہو گیا جماعت کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ جب تک اسے اقتدار نہ مل جائے وہ ریاست کی فلاحی کام میں حصہ نہیں لے گی کیا ہمارے مل میں سیاسی جماعتوں کی ملکی خدمت بنیادوں پر ہونے لگی ہے۔ اگر خدائے خواستہ رو یہی ہے تو یہ سوچ جان لیوا خطرناک ہے۔

اور کسی سیاسی، سماجی تنظیم کو شاید یہ توفیق نصیب ہوئی ہو کہ وہ ان بدقسمت لوگوں کی خبر گیری کرے۔

ان حالات میں جب عوام خصوصاً سندھ کے عوام سیاسی جماعتوں اور ان کے لیڈران کرام سے بیانات سے بہت آگے کی توقعات باندھے ہوئے ہیں۔ انفساً تو اس بات کا ہے کہ سیاسی جماعتیں اور سیاسی گروہ خواہ وہ زبان کے حوالے سے مرض و جہد میں آئے ہیں یا پھر کسی اور خود ساختہ حوالے سے رنجشیں بھلا کر۔ مدتیں دور کر کے (خواہ کچھ عرصے ہی کے لئے سہی) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے بجائے ایک دوسرے پر الزام تراشی میں مصروف ہیں۔ ایک گروہ دوسرے گروہ پر ان واقعات کی ذمہ داری ڈال کر خود کو بری الذمہ قرار دینے میں مصروف ہے بلکہ یہ دھکیں دی جا رہی ہیں کہ اگر ہمارے ساتھ ظلال، شہر ہیں یہ سلوک ہوا تو ہم اس کا بدلہ لیں گے اور کچھ جماعتوں کی طرف سے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ہمیں کام کرنے کا موقعہ نہیں دیا جا رہا یا ہمارے کام میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ یہ مجموعی صورت حال انتہائی انفسوس ناک اور ملکی سالمیت کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں سیاسی اور انتہائی عمل کی تاریخ یوں بھی بہت شاندار نہیں ہے اور حالات ایسے ہی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ بن میں عوام کا اعتماد سیاسی جماعتوں سے اٹھتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں سیاسی جماعتوں کو اپنی ساکھ بحال کرنے کے لئے بھی میدان عمل میں آنا پڑے گا اور انتخابی تقاضوں سے قطع نظر سورت احوال کی اصلاح کے لیے صرف بیانات پر اکتفا کرنے کی بجائے عملی تقاضے پورے کرنا ہوں گے۔

شہر کراچی میں ہونے والے نسل و لسانی فسادات اور ہنگاموں پر اگرچہ بہت کچھ لکھا جاتا ہے لیکن یہ موضوع اس وقت تک پرانا نہیں ہو سکتا جب تک یہ ہنگامے رونہ ہو جائیں۔ فی الحال ان فسادات کے خاتمے کے کوئی آئنا نظر نہیں آتے۔ اگر شہر

میں رہنے کے مترادف۔ اس لئے سارا الزام حکومت پر دھکر مٹھن ہو کر پڑا کیسے ممکن ہے۔

ایک عام پاکستانی جو بے وسائل ہے صرف احتجاج کر سکتا ہے۔ اس اس سلوک کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ حکومت پر تنقید کر کے یہ سمجھ لے کہ اس اپنا فرض ادا کر دیا لیکن سیاسی جماعتوں کا اپنا ملحقہ اثر ہوتا ہے۔ ایک تنظیم ہونے خدا کا شکر ہے ہمارے مل سیاسی لحاظ سے بڑی بڑی قدر اور شخصیتیں موجود اگر انہوں نے ان ہنگاموں میں اپنے کردار کا تعین کیا ہوتا اور یہ احساس بھی کیا ہوتا ان سے عہدہ ابراہونے کے لیے تمام سیاسی مساعیتیں بالائے طاق رکھ کر اپنا کردار کر ہی کی تو ممکن ہے ہمیں یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

پاکستان کے سب سے بڑے صنعتی شہر ہیں جہاں ملک کے کوئے کوئے سے حصول روزگار کے لیے جایا کرتے تھے آج زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ نفرت اور تنسب کی گنگھور گٹھائیں ہر طرف منڈلا رہی ہیں۔ اندھیرا ایسا کہ کسی کو کچھ نہیں سوجھ کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ حیدر آباد اور کراچی میں مسلسل کرنیو کے بعد یہ عالم ہے کہ بڑے گھرانوں میں لوگ ناقول سے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں اور دوسری طرف روزگار دروازے بند ہیں کئی جگہ تو سرکاری ملازمین کو بھی تنخواہ نہیں مل سکی۔

تجارتی ادارے، دفاتر، بنک، مارکیٹیں سب کرنیو کی زد میں آئی ہوئی ہیں ان لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں جو آنے والے وقت کے لئے ضرورت سٹور کر کے رکھتے ہیں۔

دونوں بڑے شہروں کی بیشتر آبادی سفید پوش اور تنخواہ دار طبقے پر مشتمل اور ان لوگوں کی زندگیوں کا ماہوار بجٹ کی محتاج ہوا کرتی ہیں۔ وہاں تو دھڑکیاں بے جو کھایا جائے۔ شنید ہے کہ بیشتر سفید پوش لوگوں کے پاس کھانے پینے کی خریدنے کے لیے پیسے بھی نہیں رہے۔ وہ کرنیو کے دفعے میں بھیک نہیں مانگتے

سی آسیب کا سایہ ہو کر فیوکی پابندیوں سے نہ صرف ملک کے سب سے بڑے صنعتی و تجارتی شہر کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی ہیں بلکہ زندگی کا ہر شعبہ زمانے کی رفتار سے رکتا جا رہا ہے۔ دفنوں میں حاضری متاثر ہوتی ہے تو تعلیمی اداروں میں "کرفیو تعطیلات" شادی کے پروگرام "کرفیو" کے اوقات کو مد نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔

سماجی تقریبات اور سرگرمیاں ان علاقوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں جنہوں نے آج تک کرفیو کا ذائقہ نہیں چکھا۔ کہنے کو تو کراچی کے باشندے بھی ملک کے آزاد شہری ہیں لیکن حقیقتاً کرفیو کے پابند ہیں۔ کرفیو کے نتیجے میں شہر کے معمولات میں کیا تبدیلیاں آ رہی ہیں، زندگی کس طرح متاثر ہو رہی ہے۔ عام لوگ کن مسائل کا شکار ہیں اس کے لیے ہم نے کرفیو زدہ علاقوں کے کمینوں کا ایک سروے کیا ہے۔ اگرچہ فساد جب چھوٹا ہے تو سائے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے لیکن شہر کے کچھ علاقے ایسے ہیں جنہیں "ہنگاموں کا گڑھ" کہا جاسکتا ہے۔

قلعہ شرفی کے علاقے ملیر، ملیر توسیع، سودہ آباد، ماڈل کالونی، شاہ فیصل کالونی کے علاوہ لیاقت آباد، گلپہار، ناظم آباد، پالوش نگر، اورنگی یہ وہ علاقے ہیں جن کے باسیوں کے لیے کرفیو روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ ملیر اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں ہنگامے کی بنیادی وجہ مہاجر، پنجابی، پٹان پرستوں کی حالی آبادی ہے۔ لسانی تعصب کی بناء پر جو لوگ اپنے رملشی علاقوں سے نکال دیئے گئے یا خود چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے۔ چنانچہ ملیر مہاجر سکون علاقہ جو پہلے کٹھنٹ میں شامل تھا ہنگاموں کی آماجگاہ بن گیا۔ نئی آبادی کے ساتھ ملیر کے پرانے باسی بھی ان ہنگاموں کی نہ صرف لپیٹ میں آتے ہیں بلکہ ان میں "حصہ" بٹاتے ہیں۔ اکثر اوقات ہنگاموں کا لقمہ بنے والے دیگر علاقوں کی بھی یہی صورتحال ہے۔ یہاں کے باقی مختلف لسانی گروپ آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور جہاں ایسی صورتحال نہیں دہاں شریلنگ سکون مولی رافقہ کو بنیاد بنا کر فساد کی آگ بھڑکا دیتے ہیں اور اس طرح یہ تمام علاقے کرفیو کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ ہم نے کرفیو کے متعلق سروے میں انہیں

میں امن و امان کی صورتحال کچھ دن بہتر رہتی ہے تو اس سکون کو طوفان سے پہلے کی خاموشی قرار دیا جاتا ہے اس کے بعد پھر کوئی معمولی سا جھگڑا، کسی شریلنگ کی پھینکی ہوئی چنگاری فسادات کی مہم کو ہوتی آگ کا روپ دھار لیتی ہے۔ نئے سرے سے خون بہنے لگتا ہے، زندگی منہ چپائے لگتی ہے اور شہر میں کوفیہ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ صورتحال شہر کا "مزاج" بنتی جا رہی ہے۔ فسادات کے پس پردہ جو عوامل کا مزا ہیں ان سے حکومت بھی باخبر ہے اور عوام بھی لیکن ان عوامل کے سد باب کی صورتحال فی الحال ممکن نظر نہیں آتی۔ اس میں حکومت کی کوتاہی بھی ہو سکتی ہے، سیاست دانوں کی مناد پرستی اور نا فرس شناسی کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے اور عوام کی عاقبت نا اندیشی کو بھی صورتحال کی خرابی اور اس خرابی کے نہ سدھارنے کی وجوہات خواہ کچھ بھی ہوں ان ہنگاموں سے شہر کا ہر فرد متاثر ہو رہا ہے۔ آئے روز لگنے والے کرفیو نے نہ صرف شہریوں کے لیے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں بلکہ کراچی میں ایک کرفیو زدہ معاشرت جنم لے رہی ہے یہاں کی نوخیز نسل کرفیو کی پابندی کے سائے میں پروان چڑھ رہی ہے کیا یہ ہم سب کے لیے لمحہ نگر نہیں۔ مفاد پرست عناصر کے لیے ہنگامہ کر دانا بائیں کا تھکا کھیل ہے لیکن اس کے نتیجے میں لگنے والے کرفیو کا عذاب بے گناہ شہری کئی ہفتے تک بھگتتے رہتے ہیں بے پناہ آبادی کے مسائل کے شکار اس شہر میں مزید مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

کرفیو کے دنوں میں شہر کی تمام ٹریفک کا بہاؤ کرفیو سے مستثنیٰ علاقوں کی جانب ہوتا ہے سڑکوں پر ٹریفک کا سیلاب اٹھانظر آتا ہے۔ اپنی اپنی منزل پر جلدی پہنچنے کی کوشش میں مصروف "مسافر" جب ٹریفک کے نیل بکراں میں پھنسے ہوتے ہیں تو ان کے چہرے پر صاف لکھا نظر آتا ہے اگر ممکن ہو تو وہ اس "شہر مسائل" سے ہی بھاگ جائیں۔ روزانہ قیمت آزمائی کر کے اپنی روزی کمانے والا مزدور ریلوے کرفیو کی پابندیوں کے سبب جب گھر پہنچتا رہتا ہے تو کئی کئی دن ان کے ہاں چولہا نہیں جلتا۔ شہر کے بڑے بڑے کاروباری مراکز یوں ویران ہوتے ہیں جیسے یہاں

مذاکرے کی ضرورت ہے۔ سیاست دان سمیت ہر فرد کا یہ فرض بن گیا ہے جہاں جہاں ناؤں نافذ کرنے والے افراد کا تعلق ہے کرنیو کے دوران فوج اور ریجنل ریفرم لادریہ لوگوں کے ساتھ کافی سخت ہوتا ہے، بعض اوقات تو گھر سے باہر جھانکنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔

ملکت یاسمین (طالبہ جامعہ کراچی).... کرنیو کے نفاذ سے زندگی کی رفتار ایک دم رک ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جب بھی کرنیو لگتا ہے سخت کوفت ہوتی ہے تمام معمولات زندگی متاثر ہو جاتے ہیں، پڑھائی کا سخت حرج ہوتا ہے، کرنیو کی وجہ سے کبھی امتحانات ملتوی ہو جاتے ہیں اور کبھی کورس ہی مکمل نہیں ہوتا۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہماری زندگی کا شمیڈول ہی کرنیو کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے۔

باربار کرنیو لگنے کے باوجود صورتحال میں بہتری کے آثار نظر نہیں آتے انتظامیہ پر شدید غصہ آتا ہے جس کی ذمہ داری امن و امان کی صورتحال برقرار رکھنا ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے انتظامیہ کی ذمہ داری صرف کرنیو کا نفاذ ہی رہ گئی ہے۔ وہ البی کو شمش کیوں نہیں کرتے کہ ہنگامے، فساد بپا نہ ہوں تاکہ کرنیو لگانے کا موقع نہ ملے۔ بعض اوقات تو ان حالات سے اتنا جی گھڑتا ہے کہ کراچی چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے کرنیو نافذ کرنے والوں کا رویہ خواتین کے ساتھ ٹھوس نام نہاں ہے۔

ظفر قبائل (انجینئر میٹھنا سائبر لائٹس).... کرنیو کے نفاذ سے ہم خود کو محفوظ تصور کرتے ہیں اگرچہ یہ پابندی یا تنبیہ جیسی حیثیت رکھتا ہے لیکن کراچی کے حالات اور انتظامیہ کی نااہلی دیکھتے ہوئے تو یہی دل چاہتا ہے کہ یہاں مستقل کرنیو لگا دیا جائے تاکہ قتل و غارت سے تو نجات ملے۔ کرنیو کے نفاذ سے بھی برلشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دفتر جانے میں دشواری، اشیائے ضرورت کی خریداری میں تکلیف، بچوں کی پڑھائی کا حرج الگ ہوتا ہے لیکن یہ ساری پریشانیوں پر سوچ کر برداشت کر لینے ہیں کہ اس طرح کم از کم ہماری جانیں

علاقے کے باسیوں کے تاثرات معلوم کئے کرنیو کے نفاذ سے ان کے تاثرات کی ہوتے ہیں؟ کرنیو سے معمولات زندگی کس طرح متاثر ہوتے ہیں؟ کیا مسائل پیدا ہوئے ہیں، بار بار کرنیو سے انہیں علاقے کی صورتحال میں بہتری کے کچھ آثار نظر آتے ہیں؟ اور علاقے میں کرنیو کے دوران قانون نافذ کرنے والے اداروں کا رویہ لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ ان تمام سوالات کے جواب کرنیو زدہ علاقوں کے مکینوں نے اس طرح دیئے۔

مسز شریف زوادی (خالق خانہ).... کرنیو کا اچانک نفاذ بیک وقت اطمینان اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے اطمینان اس لیے کہ گھر کے ارد گرد گولیوں کی ”ٹھٹھائی“ ٹھٹھائی سے نجات مل جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے لیے اس خوف سے نجات مل جاتی ہے کہ کیا خبر کسی وقت کسی دہشت گرد کی گولی کا نشانہ بن جائیں اس طرح کرنیو سے وقتی طور پر ہنگامے سے تو نجات مل جاتی ہے لیکن کرنیو سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں خالق خانہ کو بہت سے مسائل سے ٹپنا پڑتا ہے۔ گھر میں اشیائی خورد و روز موجود نہیں ہوتیں۔ سخت کرنیو کی صورت میں دفعہ بہت کم ہوتا ہے اس دوران اگر کچھ سامان خریدنے جائیں تو دو دن، تین گنا دام پر ملتا ہے۔

دوکاندار کہتے ہیں ”ہم نے بھی تو اپنی روزی اسی وقفے میں کمانی ہے۔ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا مسئلہ بن جاتا ہے۔ گھر میں اگر بچھوٹے بچے ہوں تو پریشانی اور بڑھ جاتی ہے۔ مسز زوادی نے کہا بار بار کرنیو کے نفاذ سے ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ اب شہر میں کسی پر بھی ناگزیر ہم سہم اپنے علاقے میں کرنیو کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ کرنیو کے نفاذ سے مجھے تو صورتحال میں بہتری کی کوئی ضرورت نہیں نظر آتی۔ اب تو یہ ایک معمول بن گیا ہے کچھ دنوں بعد دوبارہ ہنگامہ ہو جاتا ہے لوگ مار دیئے جاتے ہیں اور پھر کرنیو ٹوک جاتا ہے میرے خیال میں ہنگاموں کی اصل وجوہات تلاش کر کے ان کا سدباب کرنا ضروری ہے۔ ہم مختلف قومیتوں کے لوگ اسی جگہ مل جل کر رہتے تھے معلوم نہیں اب یہ تعصب کی آگ کیسے بھڑک اٹھی ہے اسے

پنے کی اشیاء کی کمی ہو جاتی ہے اور کر فیو تا غدیہ ہوتا ہے کہ باہر جھانکنے تک کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہیں کر فیو کے اس حد تک عادت ہو گئی ہے کہ چند دن کر فیو کے بغیر گزاریں تو عجیب لگتا ہے۔

کر فیو امن عامہ کے مسئلے کا وقتی حل ہے بلکہ یہ حل بھی اب موثر نہیں رہا کیونکہ کر فیو کے دوران بھی ہنگامے جاری رہتے ہیں اس سے بہتر تھا کہ اگر انتظامیہ امن قائم کرنے میں ناکام رہی ہے تو فوج کو مستقل یہاں تعینات کر دیا جائے۔ یہ کر فیو سے زیادہ فائدہ مند ہو گا جہاں تک کر فیو نافذ کرنے والوں کا تعلق ہے اس کی شکایت کرنا بے جا ہے کیونکہ پولیس ریجنز اور فوج کے سپاہیوں کو آئے روز کر فیو زدہ علاقے میں ڈیوٹی دینی پڑتی ہے نہ صرف ان کی ڈیوٹی مشقت طلب ہوتی ہے۔ بلکہ شہر پسند افراد ان سے چھپر چھاڑتے ہیں اس لیے یہ لوگ بھی سب کو ایک لاشیٰ سے لٹکتے ہوئے نہایت سختی سے پیش آتے ہیں۔

فرحت سعید (سکول ٹیچر).... کر فیو کے اچانک نفاذ سے بہت غصہ آتا ہے کیونکہ اس سے اسکول کی پڑھائی کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، طالب علموں کا وقت ضائع ہوتا ہے، کورس مقرر مدت میں مکمل نہیں کر دیا جاسکتا، آئے روز ہنگاموں اور کر فیو سے ذہن منتشر ہو کر رہ گیا ہے، ہر وقت یہی سوچ رہتی ہے ہمارے شہر کا کیا بنے گا؟ یہ فسادات آخر ہمیں کہاں لے جائیں گے اب تو صورتحال یہ ہو گئی ہے کسی بھی وقت کسی جانب سے فائرنگ شروع ہوتی ہے اور دن رات انہی آوازوں کو سنتے اور لڑتے گزر جاتے ہیں اگر کر فیو لگ جائے تو کچھ دیر کے لیے ان حالات میں تبدیلی آتی ہے درنہر دہری معمول ہوتا ہے لیکن کر فیو ہنگاموں کا مستقل حل نہیں، اس ضمن میں مثبت سیاسی پیش رفت کی ضرورت ہے۔

قانون نافذ کرنے والے ادارے شہریوں سے تعاون بھی کرتے ہیں لیکن جہاں ضرورت ہو سختی سے بھی پیش آتے ہیں لوگوں کو سزا بھی دیتے ہیں میرے خیال میں موقع کی فراہمی سے ان کا یہ فعل درست ہوتا ہے۔

تو محفوظ رہتی ہیں۔

صرف کر فیو کا نفاذ امن عامہ کے مسائل کا حل نہیں حکومت انتظامیہ اور سیاست دانوں کو مل بیٹھ کر اس کا کوئی ٹھوس حل نکالنا چاہیے تاکہ اپنے شہر اور اپنے گھر میں لوگوں کے خود کو غیر محفوظ سمجھنے کے احساس کا خاتمہ ہو۔

آمنہ مظفری (لیڈی ڈاکٹر).... جب بھی علاقے میں ہنگامہ ہوتا ہے ذہنی طور پر کر فیو کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بار بار کر فیو لگنے سے اب ہم اپنی زندگی سے پروگرام اسے مدنظر رکھ کر بناتے ہیں۔ گھر میں ایسے سامان کا ذخیرہ رکھا جاتا ہے کر فیو کی صورت میں جس کے حصول میں پریشانی ہو سکتی ہے۔ کر فیو سے بہت مسائل پیدا ہو جاتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گھر میں نظر بند کر دیئے گئے ہوں۔ بیرونی دنیا سے رابطہ کا واحد ذریعہ ٹیلیفون رہ جاتا ہے مجھے تو پیشے کے حوالے سے بھی ہر مشکل پیش آتی ہے برقیوں کے ٹیلیفون آتے ہیں لیکن انہیں دیکھنے نہیں جاسکتے۔ مریض دیکھنے کا سارا نظام الاوقات گڑ بڑ ہو جاتا ہے کسی تقریب میں نہیں جاسکتے ہر طرح کی سماجی سرگرمیاں معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔

کر فیو سے مسائل کے حل کی بھی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ بار بار کر فیو کا نفاذ سے لوگوں کے لیے اس کی اہمیت ختم ہو گئی ہے اب تو کر فیو کے باوجود ہنگامہ آرائی ہو جاتی ہے میرے خیال میں تو اس وقت فسادات کے سیاسی حل کی اشد ضرورت ہے۔ قانون نافذ کرنے والے لوگوں کا رویہ عوام کے ساتھ سخت اور پریشان کن ہونا ہے اگر فیو سے پریشان حال لوگوں کے ساتھ یہ نہایت سختی سے پیش آتے ہیں۔

خلیل الرحمن (بزنس مین).... ہر دفعہ جب کر فیو لگتا ہے تو اس دوران آنے والی مشکلات یاد آنے لگتی ہیں کر فیو سے نہ صرف ہم جیسے کاروباری آدمی بلکہ ملازمت پر مشہور جیڑی فروش، گھریلو خواتین، بچے، طالب علم، بوڑھے، بیمار سب متاثر ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے معمولات زندگی منجمد ہو جاتے ہیں۔ ہم جیسے لوگ گھر میں بیٹھ رہیں گے تو آمدنی کا دربار ضرور متاثر ہو گا بعض اوقات گھر میں

ہماری ثقافتی روایات دم توڑ رہی ہیں

مطبوعہ: ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء

سہرت رہی ہے اور کوئی اپنی کسی سے کسی کی سہانہ داری کا گہرہ ہے۔ کیا مستقبل میں انسان کو دیش سماجی اور معاشی مسائل اسے قابل رہنے کسی کی شجاعت کے ڈنکے بجتے ہیں۔ زندہ قومیں اپنی انہی روایات پر فخر کرتی ہیں اور ان کے کہہ اپنی روایات کا احترام قائم رکھ سکے؟ کیا ہم جدید تقاضہ ملے زندگی کے دنیا کے کسی گوشے میں بھی ان کے حوالے سے لوگ انہیں یاد رکھتے ہیں۔

پاکستان میں بسنے والے لوگوں کی اس خطے کے تہذیبی اثرات اور اسلام کی شان کو قائم رکھیں گے یہی ہیں وہ سوالات جن کے جوابات ہیں آج

برکات کے سبب کچھ خصوصیات کا شہرہ ایک دنیا میں رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ پاک
کے لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ بڑے بے سادہ ہیں اور اپنی روایات کا احترام کرنے میں
ہیں۔ ہمارے محل چاروں صوبوں اور پیران صوبوں کے مختلف شہروں کے حوالہ
سے بھی کچھ خصوصیات روایات ایسی ہیں جن کو وہاں کے مکینوں نے آج تک اپنا
حوالہ بنا رکھا ہے۔ مثلاً لاہور کے قریب ہر بڑے شہر کے قدیم محلوں کے گلیاں ایک مربع سے رات تک ایک گھر کے تاراف
بازار وہاں کے کمینوں کا کھانا پینا، نشست و برخاست، سواری اور دیگر سوانح
کا اپنا ایک انداز ہے۔

آن کی ترقی یافتہ دنیا میں ہر انسان خواہ اس کا تعلق کسی ترقی پذیر ملک کرے یا ننگے پدموں پر چلتے ہوئے روایات سمیت

امام بخش کی باتوں میں تجربے کی سچائی موجود ہے۔ لاہور بھی کی مثال بہت دور دراز پھر ختم ہو گئی۔ چھوٹے بڑے باغوں اور اکھاڑوں میں روحانی ابلیگ آج لاہور کے قرب و جوار میں جتنی جدید آبادیاں دکھائی پڑتی ہیں ان کے زیادہ اور جہانی توانائی حاصل کرتے تھے۔ اس کے بعد لاہور کے روایتی ناشتوں اور لسی کی مکین قدیم لاہور کے باشندے ہی ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟
 آج صورتحال یہ ہے کہ لوگ دیہاتیوں سے شہروں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ آج بھی آپ کو اندرون لاہور ایسے مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ آج بھی آج صورتحال یہ ہے کہ لوگ دیہاتیوں سے شہروں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ آج بھی آپ کو اندرون لاہور ایسے مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ آج بھی

ہیں اس کا جواز بھی پیش کیا جاتا ہے کہ دیہاتوں میں روزگار نہیں اور شہروں میں لاہور کی سبوں کا وہ جوش و خروش اور دم دبہا اب کہاں؟
 حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں اور ضروریات زندگی آج اتنی بڑھ چکی ہیں کہ اس دور میں نوجوان کے لیے کمزوری صحت طعنہ ہوا دیہات میں رہ کر صرف کھیتی باڑی کے ذریعے گزارہ ممکن نہیں رہا۔ ہمارے ملک میں بھی اب نوجوان خود کو کمزور ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں بھی کبھی جاسکتی ہے کہ حکومت چونکہ اپنے ترقیاتی منصوبوں کو بڑے شہروں کیپے جم کو دبلا پتلا کرنے کے لیے فاقے کرتے ہیں اول تو خالص غذا کھانے کو ملتی ہی محدود رکھتی ہے اور دیہاتی آبادی جو ملک کا ۸۰ فیصد ہے اس سے بہرہ وہ نہیں اگر ملتی ہے تو لوگ کھاتے نہیں نوجوان کھانے سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ اسے ہو پاتی اس لیے بھی شہروں کی طرف آبادی کی منتقلی کا رجحان عام ہے۔ بات دہش کیے کریں گے؟ کیونکہ ورزش وہ کرنا نہیں چاہتے انسان نے محنت سے جی چرانا سے شہروں کی طرف منتقلی کی ہوئی تو بھی ٹھیک تھا لیکن طرہ تماشا تو یہ ہے کہ گورنر کو دیا ہے وہی وجہ ہے کہ نوجوان خود کو سمارٹ رکھنے کے لیے فائف کشتی کرتے ہیں۔ اب چھوٹے شہروں سے بڑے شہروں کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ ہمارے دور میں سورج مکھنے کے بعد بستر پر موجود رہنا کمزوری سمجھا جاتا تھا شہروں میں روزگار کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں ممکن ہے کہیں صورت حال انداز پر ملنے ملا کرتے تھے اب ماڈرن زندگی نے اندرون شہر کے نوجوانوں کو بھی برعکس رہی ہو لیکن اگر کوئی شخص جو گرجا والہ میں رہتا ہے اور لاہور منتقل ہو کر دیر گئے تک بستر پر لیٹے رہنے کا عادی بنا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ اندرون شہر یا کوئی سکھ کا شہری حیدر آباد اور پھر کراچی منتقل ہونا چاہے تو اس کی وجہ نہ ملے گا کاشتہ دوپہر تک لوگ کھاتے ہیں۔ اس دور میں صبح کا آغاز نوجوان نماز ہی نہیں ہو سکتی کچھ اور وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی پچھلے کچھ عرصے سے ایک نئی بات جو بڑے شہر سگریٹ نوشی لازم سمجھی جانے لگی ہے کبھی گھروں میں بزرگ حقہ پیا کرتے تھے۔

دیکھنے کو مل رہی ہے وہ بیکہ لوگ پرانے ملبوں سے نئی آبادیوں میں منتقل ہو کر سگریٹ پان کی لت پڑ گئی ہے یہ سگریٹ کی عادت ہے جس نے پھر کیا ہمارے ثقافتی اور روایتی بندھن کمزور پڑنے لگے ہیں؟ یا پھر مذہبی فتنے کو جنم دیا اور آج آپ کو شکل دیکھنے پر ہر دوسرا نوجوان کمزور یا بیمار دکھائی دے اور بعد از زندگی کے تقاضوں نے لوگوں کو اقتدار بدلتے پر مجبور کر دیا ہے۔

لاہور شہر جہاں کی صحبتیں اور شاہیں زندگی کی بھرپور رعنائیوں کا مظاہرہ کرنے والوں سے تیز اور اخلاق چھین لیا ہے۔ چھوٹے بڑوں کا احترام نہیں کرتے اور بڑے ماحول قدر سے بدلا دکھائی دیتا ہے صبح کا آغاز اذان ہی سے ہوتا ہے۔ بڑوں کو نہ گناہ ناپسند نہیں کرتے، ہر آدمی دوسرے سے زیادہ غفل مند بننے کے لوازم مند رہے ہو گئے ہیں جس سے کسی شہر کا تہذیبی پہلو نکلتا تھا اب پہلوانی نہیں پڑا ہے ایک دور تھا جب محلے کا ایک بزرگ سارے محلے کے لیے

تحقیقی علاج یا فراڈ

مطبوعہ: ۷ نومبر ۱۹۸۹ء

خدا نہ کرے آپ بیمار ہوں لیکن بادی النظر میں ایسا ممکن نہیں۔ ہم جس فضا میں جن حالات میں، جس آب و ہوا میں اور جن اشیائے خورد و نوش کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں وہاں صحت مند رہنے کے مواقع کم اور بیمار ہونے کے زیادہ ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب خالص غذاؤں کے حوالے سے پاکستان خصوصاً پنجاب کو دنیا بھر میں ایک مقام حاصل تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں پنجاب کے علاقے کو دیسی گندم، دیسی گھی خالص دودھ اور دیگر خالص اشیائے خورد و نوش کے حوالے سے یاد کیا جاتا تھا۔ آج ایسا صرف سوچا ہی جا سکتا ہے۔

زرعی ادویات، کھادیں اور دیگر مختلف نوعیت کے سپرے کرنے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ فصل کا خالص پن برقرار رہ سکے۔ زیادہ فصل حاصل کرنے کی دھن میں انسان نے اپنی غذا کو زہر آلود کر لیا ہے۔ کبھی لوگ طاقت حاصل کرنے کے لیے جسمانی اور ذہنی مشقوں کے لیے گھی، دودھ اور دہی کا استعمال کرتے تھے اب ڈاکٹر صاحبان ان سے پرہیز کا مشورہ دیتے ہیں اور مکھن دودھ دہی کے ساتھ ایسی ایسی بیماریوں کا سلسلہ جوڑا جاتا ہے کہ لوگ ان سے خوف کھانے لگے ہیں۔ جدید دور کے انسان نے جسمانی کسرت سے کنارہ کشی اختیار کر کے غذا میں کمی کے ذریعے صحت برقرار رکھنے پر عمل شروع کر دیا ہے۔

اں کے ساتھ ہی ہمارے ہاں خاص طور سے انسانی استعمال کی اشیاء میں ملاوٹ

قابل احترام ہوتا تھا اب ہمارے بچے بزرگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق ان بزرگوں کے کہ وہ خود کو جدید تعلیم یافتہ اور بزرگوں سے بھی بڑھ کر عقل مند سمجھنے لگے ہیں۔ کوئی کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ ہر شخص دوسرے کے عمل سے شاکہ اپنے آپ سے بھی مطمئن نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا تضاد ہم میں کہاں لگ گیا؟ کیا اس کا سبب محض بدلتے ہوئے حالات اور جدید تقاضائے زندگی ہیں؟ اس کا کچھ اور سبب بھی ہے۔ ہمارے رویوں میں اتنا بڑا انقلاب محض گردش کی دین نہیں ہے۔ انسانی رویے میں تبدیلی کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں۔ سرفہرست یقیناً انسان کا قناعت پسند نہ رہنا ہے۔ آج کا پاکستانی مسلمان کیا کثافتی ورثہ برقرار رکھ پائے گا؟ یہی ہے وہ سوال جس کا جواب ہم سب کو ملنے کے حوالے سے تلاش کرنا ہے۔

پ

بیٹ کی معمولی خرابی ہے۔ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ اس نے بشیر احمد کو دوایاں دیں کہ شہر بھیج دیا۔ معمولی سا فاقہ ہوا لیکن پھر درد کا وہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے بعد بشیر نے ایک حکیم سے رجوع کیا۔ حکیم صاحب کے بعد ہومیوپیتھک ڈاکٹر صاحب کی باری آئی لیکن مرنے والے کا تو دل بڑھتا رہا۔

بشیر احمد کو بالآخر کسی نے مشورہ دیا کہ فلاں ماہر امراض معدہ سے رجوع کرو۔ بشیر سپیشلسٹ صاحب کے پاس پہنچا تو معاملہ مرض بڑھ گیا۔ جوں جوں دوا کی، والا ہو گیا۔ بیماری سے تنگ آیا بشیر احمد جن دنوں بڑی سنجیدگی سے خودکشی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان دنوں کسی خدائے ترس بندے نے اس کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے اسے مشورہ دیا کہ وہ فلاں علاقے میں ایک ڈاکٹر صاحب سے رجوع کرے۔ زندگی سے یوں بشیر احمد دل ہلایا اور پورے دل کا پلندہ ان کے سامنے رکھ دیا ڈاکٹر صاحب نے کاغذوں اور نفلوں کے ڈھیر کو ہاتھ سے ایک طرف ہٹا کر اس کی زبانی تمام معاملات سننے اور معمولی دواؤں سے اس کا علاج شروع کر دیا۔ بشیر احمد کو اب خاصا فاقہ ہے اس نے کام پر جانا شروع کر دیا ہے اور اس کی صحت بھی نارمل ہونے لگی ہے۔

اشتقاق حسین کو برص کی بیماری تھی۔ جو پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے ایک ماہر امراض سے مشورہ کیا جنہوں نے اشتقاق کو ایک خاص دوا کھانے کی ہدایت کی۔ اشتقاق نے سپیشلسٹ کی ہدایت کے مطابق دوائی کا استعمال شروع کیا۔ اس کے مرض برص کو قدرے فاقہ ہو گیا لیکن دوائی استعمال کرنے کے ڈیڑھ ماہ بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل کو دھچکے لگتے ہوں۔ یہ کیفیت خاص طور سے کھانا کھانے کے بعد پیش آئی۔

اشتقاق نے سپیشلسٹ پر و فیئر صاحب کو متعلقہ کٹیف سے آگاہ کیا تو انہوں نے مختلف ٹسٹوں کی ایک لسٹ اس کے سامنے رکھ دی ٹسٹ رپورٹیں دیکھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اشتقاق کو کھانے کے بعد ایک گولی استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ اس دوران اسے فاقہ تو کیا ہوتا اس کا وزن بھی کم پڑنے لگا۔

صورت حال بگڑتی دیکھ کر اشتقاق نے ایک اور ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا۔

ایک عام سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ آپ جو مسالہ لکھی آٹا، دودھ، مکھن استعمال کر رہے ہیں وہ واقعی وہی کچھ ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔ غذا میں ملاوٹ نے پاکستان کے ہر چوتھے آدمی کو مختلف عوارض کا نشانہ بنایا ہے۔ ذہنی تفکرات اس سے سوا ہیں اور سب سے بڑھ کر ماحول کی خود پیدا کردہ آلودگی نے ایسی ایسی پیچیدہ بیماریوں کو جنم دیا ہے کہ جن کا ذکر اس سے پہلے کسی نے سنا ہی نہیں۔ اخبارات کے ذریعے لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی وائرس پھیل گیا ہے اور عوام اس کا شکار ہو جاتے ہیں کبھی وبائی امراض کا وائرس، کبھی آتشیں جہاز کا وائرس جس بیماری کی ڈاکٹر صاحبان کو سمجھ نہ آئے۔ میڈیکل سائنس جس کی کوئی توجہ نہیں دے سکتی اسے کسی نہ کسی وائرس سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔

کبھی نہ قابل علاج عارضہ ہے پھر پورے پورے ایڈمنسٹریشن کی دوائی۔ اب شاید کوئی اور ایسی بیماری کے جراثیم دریافت ہو جائیں جو انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہو گا ہمارے ہاں یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں علاقے میں ایک پراسرار بیماری کے اتنے لوگ اب تک ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس بیماری کا کوئی نام نہیں ہوتا اس کی سمجھ کسی کو کم ہی ہوتی ہے بس یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ایک وائرس ہے آخر یہ وائرس ہے کیا بلا؟

ہمارے ہاں آخر بیماری کی تشخیص مسئلہ کیوں بن کر رہ جاتی ہے۔ ایک عام اگر احتیاط نہ کرے اور مرض تھوڑا پرانا ہو جائے تو مریض کے لیے وبال جان کیوں بن جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب جاننے سے پہلے آپ تک کچھ مریضوں کے تجربات پہنچا دیے۔ بشیر احمد کی عمر ۳۵ سال ہے۔ آج سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے اس کو پیٹ دایں طرف درد کا احساس ہوا۔ بشیر احمد نے ہمارے ہاں مروجہ طریق علاج کے پہلے تو خود درد کی ایک گولی کھائی جب فاقہ نہ ہوا تو اپنے ساتھی کے مشورے سے گولیاں کھالیں۔ لیکن درد میں فاقہ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔

اس کے بعد بشیر احمد نے مقامی ڈاکٹر سے رجوع کیا جس نے اسے بتایا۔

جنہوں نے اسے بتایا کہ اسے غلط گولی استعمال کروائی جا رہی ہے۔ یہ گولی تو دل کے لیں استعمال کرتے ہیں۔ اس صورت حال نے اشتیاق کو گرہ لگا کر رکھ دیا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر ای سی جی کروائی تو رپورٹ نارمل تھی۔ ایک لیبارٹری کے بجائے اشتیاق نے الگ الگ لیبارٹریوں سے مختلف اوقات میں آٹھ مرتبہ ای سی جی کروائی لیکن رپورٹ ہر دفعہ نارمل ہی رہی۔

اس کے بعد اشتیاق کا رابطہ مختلف ڈاکٹروں، حکیموں، ہومیو پیتھک ڈاکٹروں سے رہا ہے۔ وہ ۳ سال سے اپنا علاج کروا رہا ہے لیکن اس کے مرض کوفاقہ نہیں ہوا۔ اس دوران اس کا ۴۴ پاؤنڈ وزن کم ہو چکا ہے اور معدے یا دل کی تکلیف جو بھی ہو جوں کی توں برقرار ہے وہ جس ماہر امراض کے پاس جاتا ہے وہ اپنی فیس وصول کرنے کے بعد ای سی جی معدے کے بحیرے، خون کے ٹسٹ، پیشاب کا ٹسٹ، بگہر، گردے، معدے کا الٹرا ساؤنڈ کروانے کو کہتا ہے اور اشتیاق کا ہر ٹسٹ نارمل آتا ہے۔ جب وہ ایک ڈاکٹر سے کہتا ہے کہ یہ ٹسٹ میں پہلے سچی کروا چکا ہوں اور ان کے نتائج نارمل ہی ملتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب اس کی بات سنی ان سنی کے کہہ جیتے ہیں کہ فلاں رپورٹوں کو چھوڑو اور فلاں لیبارٹری سے ٹسٹ کرواؤ۔ تین سال کی تنگ و دو کے بعد اشتیاق کو صرف ایک بات کی سمجھ آئی ہے کہ اسے دل کا نہیں معدے کا کوئی عارضہ لاحق ہے اور اب وہ امراض معدے کے ماہرین سے دوبارہ رجوع کر رہا ہے۔

یہ صرف دو مثالیں تھیں آپ کو ایسی ہزاروں مثالیں اپنے معاشرے میں مل جائیں گی۔ بیماری کی تشخیص نہ ہونے پر متعلقہ امراض کے ماہرین سے جب ملین رجوع کرتا ہے تو وہاں صرف دوسروں پر دوسرے پر دوسرے صاحب کی فیس ہی کا مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے ٹسٹوں کی ایک فہرست بھی دے دی جاتی ہے اور یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ٹسٹ فلاں جگہ سے کروائیں جس جگہ کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اس کے نرخ عالمیاب سے دو گنا نہیں تو ایک گنا زیادہ ضرور ہوتے ہیں۔

مریضوں کی طرف سے یہ تسکایت عام ہے کہ جن خصوصی لیبارٹریوں سے ٹسٹ

ہیں حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ وہاں بھی وہی مشینیں نصب ہیں جو دیگر لیبارٹری میں ہوتی ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں متعلقہ ڈاکٹر صاحب کی کمیشن ملے ہوتی ہے اس الزام میں کس حد تک سچائی ہے اور کس حد تک جھوٹ اس میں شامل ہے۔ اس پر بحث کرنا فضول ہے لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ وہ لوگ جو بڑے شہروں کے

مارکیٹوں میں لیبارٹریز کا کاروبار کرتے ہیں ان کے اور شہر کے جدید اور ماڈرن علاقوں میں موجود لیبارٹریز کے رزلٹ میں سے کسی کو بھی اس لحاظ سے چیلنج نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں مارزلٹ فلاں سے بہتر ہے کیونکہ حکومت ہر کسی کو لیبارٹری قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتی نہ ہی کوئی عام آدمی ٹسٹ نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اگر یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے کہ فلاں لیبارٹری کے نتائج فلاں کے مقابلے میں ناقص ہیں تو یہ قابل گرفت جرم ہونا چاہیے اگر کوئی لیبارٹری کسی ٹسٹ کی غلط رپورٹ دیتی ہے تو یہ انسانی جان سے کھیلنے والی بات نہیں تو کیا ہے؟ کیونکہ ڈاکٹر نے اسی حاصل کردہ رپورٹ کی بنیاد پر مریض کا علاج کرنا ہوتا ہے۔ اگر رپورٹ میں قابل اعتبار نہیں تو وہ لیبارٹری کیوں کر قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

بات لیبارٹریوں کی جگہ ہے تو صرف لاہور شہر میں ہمارے ذاتی سروے کی مطابقت

پانچ ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں گنا کا لوٹسٹ آپ کو پراگنیٹی ٹسٹ، الٹرا سونڈ
بلڈ ٹسٹ، ایس جی وغیرہ لکھتے ہیں جن پر پانچ تا چھ سو روپے اور سی این ٹی میں
آپ کو ڈی این ایس، ٹی ایل سی، ڈی ایل سی اور کلچر وغیرہ تین تا چار سو روپے
ابتدائی خرچ کرنا ہوتے ہیں۔

کیا ان ٹسٹوں کے بغیر مرض کی تشخیص ممکن نہیں؟

کیا مریض خواہ اس کی بیماری کسی بھی بیٹج پر ہو اس کو ٹسٹ کروانا لازم ہیں؟
ان سوالات کے جوابات تو ماہرین امراض ہی دے سکیں گے لیکن سوچنے
کی بات یہ ہے کہ ٹسٹوں کے نام پر ہونے والا بزنس کس حد تک صحیح یا غلط ہے
ترقی یافتہ ممالک میں کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو ٹسٹ لکھنے سے پہلے متعدد مرتبہ سوچتا
ہے کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ ملکی قوانین کے مطابق کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں
کوشش ہم بھی کوئی ایسا ضابطہ اخلاق ترتیب دے سکیں اور اس پر عمل پیرا بھی ہو جائیں

—•—

ہوتے ہیں۔ اب آپ ہزار منٹ کو گھنٹوں میں تبدیل کر لیجئے۔ اور اندازہ لگا لیجئے اس
کے لیے کتنا وقت درکار ہے۔ اور کیا کوئی ایک اکیلا پروفیسر اتنا وقت نکال سکتا ہے
ہرگز نہیں۔

ہمارے ہاں سب سے زیادہ بیماریاں پیٹ کی ہوتی ہیں اگر پیٹ کی بیماری
پچیدہ ہو جائے تو عموماً اس مرض کے ماہرین نے یہ اندازہ لگانا ہوتا ہے کہ کہیں مریض
کے معدے یا آنت میں السر تو نہیں۔ یا پھر معدے پر سوجن تو نہیں آگئی۔ اس ضمن میں
مریض کو عموماً الٹرا سونڈ سٹول اور لیورن ٹسٹ۔ گیسٹروسکوپ کی حتیٰ کہ کلوٹو سکوپ اور
بائی آپس تک کروانا ہوتی ہے گیسٹروسکوپ پر پرائیویٹ علاج میں عموماً ۲ تا ڈھائی
ہزار روپے وصول کئے جاتے ہیں۔ اور اس پر ۳ تا ۵ منٹ لگتے ہیں۔ حیرت کی بات
یہ ہے کہ گیسٹروسکوپ کی ایک مشین ایک تا ڈیڑھ لاکھ روپے میں آجاتی ہے اور یہ ضرور
نہیں کہ مریض بہت امیر ہی ہو لبا اوقات بلکہ اکثر اوقات پچیدہ بیماریاں غریبوں
کو بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اگر یہ تمام ٹسٹ ہوں تو مریض کا
خرچہ پہلے مرحلے میں تین سے چار ہزار روپے کے درمیان اٹھتا ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ماہر امراض پروفیسر کے پاس
جاننا اور عام ڈاکٹر کے پاس جانے میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں مشورہ فیس دوسو
روپے ادا کرنی پڑتی ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔ فرض کیجئے خدا نخواستہ آپ
کو عارضہ دل لاحق ہے یا اس بیماری کا تشک ہے تو دوسو یا ڈیڑھ سو روپے فیس
دینے کے علاوہ آپ کو ای سی جی، بلڈ ٹسٹ، چھاتی کے ایکرے، ایس جی او ٹی،
ایس جی پی ٹی تک کروانے ہوتے ہیں جن پر عموماً ایک تا ڈیڑھ ہزار خرچ اٹھتا
ہے۔ اس طرح گردے کی بیماری کے تشک میں الٹرا سونڈ، خون کے ٹسٹ، بیٹاب
ٹسٹ، سادہ ایکرے اور آئی وی پی پر ابتدائی اخراجات ڈیڑھ ہزار روپے
کے قریب اٹھتے ہیں۔

اعصابی امراض لاحق ہوں تو سی ٹی سکین، سی، این ایس ایف وغیرہ پرجا

بہ احسن طریق سے ادا کرتا ہے اس میں ظالم اور مظلوم دونوں کے لیے مکمل انصاف کی ضمانت دی گئی ہے۔ ظالم کو اس کے ظلم کا پورا پورا بدلہ چکانا ہوتا ہے اور مظلوم کو اس کا پورا حق ملتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں مظلوم کی عزت نفس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس پر کوئی زد نہیں آتی لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم اس نظام کی برکات سے فیض یاب نہ ہو سکے اور فرنگی کے بنائے ہوئے اس نظام کو اپنا لیا جو اس نے خود اپنے لیے بھی پسند نہیں کیا تھا بلکہ برصغیر کے محکوم عوام کو اپنی گرفت میں لیے رکھنے کے لیے بنایا تھا۔

اس نظام انصاف میں انصاف اسے ملتا تھا جو بصورت دیگر بھی انصاف حاصل کر لینے کی طاقت رکھتا ہو مثلاً اس کے پاس عدالت کے سامنے درجہ گزرنے کے لئے سرکاری فیس کی ادائیگی کے لیے پیسے موجود ہوں۔ وہ وکیل کی فیس دینے کی استعداد رکھتا ہو۔ طویل عدالتی کارروائی کے دوران اٹھنے والے اخراجات کا متحمل ہو سکے۔ گویا ایک مثالی نظام تو وہ ہے کہ جو انصاف مظلوم کے گھر تک پہنچاتا ہے اور دوسری طرف مظلوم کو انصاف کے حصول کے لیے بھی ایک طویل اور صبر آزما اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

یہ پتہ مختلف طبقہ ہائے فکر کی طرف سے تسلسل سے جاری ہے کہ موجودہ عدالتی قوانین کے ذریعے عام آدمی کے لیے انصاف کا حصول کاردار ہے۔ یہ الگ بات کہ کوئی اس پیکار پر کان دھرے یا نہ دھرے لیکن ہر کوئی اس نقطہ نظر کی تائید ضرور کرے گا۔

پاکستان ڈسٹرکٹ کورٹس، سیشن، بلٹی کورٹ، سپریم کورٹ کسی بھی عدالت کا رخ کیجئے۔ آپ کو حقیقی مظلومین کی ایک بھڑکھائی دے گی جو طویل عرصے سے اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر ہے۔ ایک مقدمہ جس کا آغاز داد کے زمانے میں ہوا تھا وہ آج پورے کو جھگٹنا پڑ رہا ہے اور موجودہ نظام کو دیکھتے ہوئے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اور کتنی مدت تک یہ سلسلہ جاری رہے۔

انصاف نہیں ملتا

مطبوعہ: ۳ نومبر ۱۹۸۹ء

دنیا کا کوئی معاشرہ خواہ وہ کتنا ہی مہذب یا ترقی یافتہ ہوئے کا دعویٰ دار ہو نہیں کہہ سکتا کہ اس کے دامن میں بسنے والے عوام ایک دوسرے کے رویے سے شاکتی نہیں نیکسایت تو ہر جگہ موجود ہے کہیں کم کہیں زیادہ۔ انسان اپنے خود ساختہ نظام کی زیادتیوں کا شکار خود ہی بن جاتا ہے شاید یہی انسانیت کا بڑا المیہ ہو۔ وہ قوانین اور مضابطے جو انسان نے اپنے جیسے انسانوں کی بھلائی اور فلاح کے لیے صدیوں کی سوچ بچار کے بعد مرتب کئے۔ ستم ظریفی نہیں تو اسے کیا کہئے کہ انسان ان قوانین سے بھی عاجز ہے۔

سوال یہ نہیں کہ ایسا رویہ کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک غلط سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اور اس کا صرف ایک ہی جواب بن پڑتا ہے کہ انسانوں نے جب خداوند تعالیٰ کے فطری نظام کو ٹھکرایا اور اپنی عقل پر مکمل انحصار کے ذریعے نظام دنیا ترتیب دیا تو ان فطری خامیوں پر اس کی نظر نہ جاسکی جن کا علم خالق کائنات کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔

مملکت خداداد پاکستان اسلام کے بابرکت نام پر اور اسلامی نظام کی برکات سے مستفید ہونے کے معرض وجود میں آئی تھی۔ ہماری نیتوں کا فتور تھا کہ ہم خلاصہ کئے ہوئے عہد سے پھر گئے جس کا خمیازہ آج ہمیں جھگٹنا پڑ رہا ہے۔ دیگر نظام ہائے زندگی کی طرح اسلام کا ودیعت کردہ تعزیری نظام بھی جزا و سزا کے تمام تقاضے

پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے کسی ملزم یا بے گناہ کو اور سسر سے بڑھ کر ان کے لواحقین کو کن مراحل سے گزرنا ہوتا ہے اس کا ذکر ہی بہتر تکلیف دہ ہے۔ عموماً پولیس جس شخص کو گرفتار کرتی ہے خواہ وہ سچا ہے یا جھوٹ پولیس کی کوشش ہی ہوتی ہے کہ اسے رات دیر گئے اچانک چھاپہ مار کر پکڑ لے۔ شاید کچھ خاص کیس ہی ایسے ہوتے ہوں گے جہاں قانونی طریقہ کار کے مطابق وارنٹ کے اوقات میں کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ ممکن ہے پولیس افسران کے پاس یہ جواز موجود ہو کہ وہ رات کے اوقات میں اس لیے چھاپہ مارتے ہیں کہ انہیں ملزم گھر پر موجود ہونے کا علم ہوتا ہے۔ دن کے اوقات میں ملزم فرار ہو سکتا ہے یا پھر ان کو ہی وہ چھپنے کے لیے مطلوبہ جگہ پر آ جاتا۔

اس کے برعکس ملزم کے لواحقین کا کہنا ہے کہ پولیس نے جو تکمیل زیادہ تر بے گناہ لوگوں کو ہی گرفتار کرنا ہوتا ہے اور اس خدشے کے پیش نظر کہ دن کے اوقات میں شاید ان کی من مانی کارروائی مکمل نہ ہو سکے یا پھر ملزم کوئی ایسا "سہارا" تلاش نہ کرے جو اس کے کام آ سکے کیونکہ رات کے اوقات میں کسی کو ٹیلی فون کر کے جگانے میں ہیکچا کا سامنا ہوتا ہے۔ لاہور کے ایک فوری علاقے سے لاہور کچہری میں تاجیج بھگتنے کے لیے آنے والے ایک بے یار و مددگار شخص نے حلفاً بتایا کہ جس ملزم کی وہ پیر دن کرنے آئے ہیں اس کا واقعہ کچھ اس طرح ہے بشیر نامی اس ملزم کا اپنے باپ سے کسی شہر پر جھگڑا ہو گیا۔ باپ بیٹا آپس میں الجھ پڑے اور بیٹے نے باپ کے پاؤں پر کھلبلی مار دی۔ عموماً ایسے معاملات کا فیصلہ یونین کونسل کی سطح پر ہو جاتا ہے اور مدد مصالحتی عدالت بھی اس سلسلے میں جگہ جگہ قائم ہیں۔ یہ الگ بات ہے ان کا کردار اتنا موثر نہیں رہا جتنا رہنے دیا گیا۔ کسی نے پولیس کو یہ اطلاع پہنچا دی کہ اس شخص نے کی حدود میں فلاں گاؤں میں باپ اور بیٹے میں لڑائی ہوئی ہے۔ فرض شناس پولیس فوراً حرکت میں آئی اور ملزم کو گرفتار کر کے تھانے لے گئے۔

سکاوں کے لوگوں اور برادری والوں نے بہت شور مچایا کہ ایسے واقعات

یاں معمول میں اور سہم آپس میں اپنے معاملات طے کر لیں گے لیکن تھانیدار نے کہا کہ جب تک اس کی فیس ادا نہیں کی جاتی ان کی جان نہیں چھوڑ سکتی۔ تھانے دار نے اپنی فیس اتنی زیادہ طلب کی تھی کہ وہ لوگ ادا نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں کی زندگی سوار و مدار ہی مزدوری پر ہو اور جو آج کے لیے آج ہی کھاتے ہوں وہ بھلا پولیس کو رشتہ کیسے پیش کر سکتے ہیں، نتیجہ ظاہر تھا پولیس نے "ملاحظہ کروایا اور بیٹے کو گرفتار کر کے جیل ڈشیل لاک آپ میں بھیج دیا۔

اب مقدمے کی بڑی عجیب اور تکلیف دہ صورتحال ہے بشیر کے والد کو اس کی ملاقات پر مینے میں دوسرے لاہور کچہری اور ایک دوسرے جیل جانا ہوتا ہے۔ یہ لوگ کتنے اذیت ناک مراحل طے کر کے یہاں آتے اور واپس جلتے ہیں اس کا اندازہ آسانی سے نہیں لگایا جاسکتا۔ بشیر کے لواحقین کا کہنا ہے کہ ملاقات پر اس کی بوی بچے ماں، باپ اور دو تین رشتہ دار مل کر آتے ہیں۔ ہر کوئی کچھ نہ کچھ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ کیونکہ پولیس گارڈ جو ملزم کو عدالت میں پیش کرنے لاتی ہے جب تک اس کی مٹھی گرم نہ کی جائے وہ ملاقات کرنے ہی نہیں دیتے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ملزم کو کھانا کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کم از کم پولیس کی طرف سے ہمیں یہی اطلاع فراہم کی گئی تھی لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کھوکھا ہی جیل واپس جائے بات صرف اتنی ہے کہ ملزم کے ساتھ اس کی گارڈ کے کھانے پینے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ بصورت دیگر قانون پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔

انسانی رشتوں کی کمزوریاں ہمیشہ سے انسان کے پاؤں کی زنجیر بنی رہی ہیں۔ کوئی شقی القلب قاتل بھی ہوا ولاد کے لیے اس کے دل میں موجزن جذبات فطری تقاضا میں عدالت میں پیش ہونے والے ملزم کو اس کے بچے اور بیوی بھی ملنے آتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ وہ انہی آنکھوں کے سامنے موجود اپنے باپ اور خاوند کو دیکھیں اور منہ دوسری طرف پھیر لیں۔ وہ جلمے اس ایک جاگذاڑے کا کب سے انتظار کر رہے ہوتے ہیں لیکن انہیں اپنے پیاروں سے تب ہی ملنے کی اجازت

دی جاتی ہے جب وہ پولیس کی مٹھی گرم کر سکیں۔

ایک آدمی کی ملاقات پر واسطہ چار تا پانچ سو روپے خرچ اٹھتا ہے۔ یہ بات بہت عجیب لگے لیکن ایسے عموماً ایک آدمی کی ملاقات کے لیے چار سو روپے آتی ہیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی چیز حوالاتی کے لیے لے کر آتا ہے۔ اس گارڈ کے لیے بھی جو اس کے ہمراہ ہوتی ہے۔ فی کس اگر سو روپے یہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پہنچی ہے جو ایک دیہاڑی ان کی مزدوری کی ٹوٹتی ہے۔

خرچہ میں شامل ہے۔ یہی حال جیل میں ہونے والی ملاقات کا ہوتا ہے جس قیدی یا حوالاتی کی ملاقات

مقامات کی طوالت اور عدالتی طریق کار اتنا لمبا اور تنگ دینے والا ہے کہ وہاں کو بھی ڈیوٹی سے بیرک تک پہنچنے کیلئے راستے میں جا بجا نذرانہ دینا پڑتا ہے اور ملنے تک ملزم اور اس کے لواحقین کی کمرہست ٹوٹ چکی ہوتی ہے۔ آوارہ گرد اور بے گھر لوگ جیل میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

آوارہ ویات یا سگریٹ کا استعمال معمولی لڑائی جھگڑا، جیب تراشی اور عام زور و جبر کیلئے بے اوقات نکال دینے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس مرحلے پر ملزم اور اس کے لواحقین کا واسطہ براہ راست اور چار چار سال تک انتظار کرنا پڑتا ہے جبکہ ان مقامات میں شاید آٹھ یا دس اور عدالت سے ہوتا ہے۔

سزا بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد جب ملزم جیل کی لٹریل ریہاڈ پر چلا جائے تو پولیس درمیان سے نکل

سید سجاد حیدر شاہ کو سیرورین نوشی کے جرم میں آج سے ۱۲ ماہ پہلے گراہی ہوئے۔ ان کے بعد عدالتوں کے چکر اور قانونی فیس اور جیل کے اخراجات لواحقین اور ملزم کی جان گیا۔ آج تک اس کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اچھے وکیل کی فیس نہ مل سکی تھی۔

ہزار روپے سے کم نہیں ہے اور وہ یہ پانچ چھ ہزار روپے یہ کہاں سے لائے؟ انصاف کے حصول کے لیے عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانے والوں کو ہر قسم محض ایک اچھا وکیل نہ کرنے کے سبب وہ آج تک حوالاتی ہے۔ سجاد حیدر شاہ نے انصاف کی کارساز کرنا ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت اسٹامپ تک نہیں گرفتار کیا گیا تو اس کی شادی کو ۲۸ دن گزر رہے تھے اس کا کہنا ہے کہ اس کی گرفتاری کے وقت پنجاب میں اسٹامپ کی صورتحال بڑی تکلف دہ ہے، جس کی وجہ سے خواہ مخواہ سے اس کے والد کی وفات ہو چکی ہے۔ سجاد حیدر نے اپنی پیٹھ پر تشدد کے

دکھاتے ہوئے کہا کہ اسے جیل میں محض اس لئے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہ وہ احکامات کو تسلیم نہیں کرتا۔

ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ سجاد حیدر شاہ کی بات کو سنا جائے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ سجاد حیدر شاہ کی بات کو سنا جائے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ سجاد حیدر شاہ کی بات کو سنا جائے۔

انصاف کے نام پر انصاف کے حصول کی خاطر ہونے والی ایسی کوتاہیوں کا خاتمہ
 ضرور ہو گیا ہے۔ آوارہ گردی جیسے جرم کے مرتکب کو سالوں یا مہینوں قید رکھنا قرن انصاف
 کی ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت "مصالحی عدالتوں" کے کردار کو موثر بنائے اور
 ان عدالتوں کے مقدمات کا فیصلہ سنجی سطح پر ہی ہو جائے تاکہ اس طرح ممکن ہے عدالتوں
 مقدمات کا بوجھ کم پڑے اور طویل اور تھکا دینے والے اعصاب شکن انتظار سے پہلے
 انصاف میسر آجائے۔

اب یہاں کیا ہوتا ہے کہ صوبائی حکومت نے بڑے شہروں میں اسٹامپ
منوریات پوری کرنے کے لیے مختلف اضلاع سے اسٹامپ اکٹھے کرنے شروع
دیئے ہیں۔ مثلاً لاہور میں اسٹامپ کی قلت ہے تو خزانے والوں نے شیخوپورہ
گو جوالاوالہ وغیرہ سے اسٹامپ یہاں جمع کرنے شروع کر دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا
کی ضرورت تو پوری ہی نہیں ہو سکے گی اور وہاں خواہ مخواہ قلت پیدا ہو جائے
وہاں کے لوگوں کو بھی پھر انہی مسائل کا سامنا کرنا ہو گا۔

ہمارے عدالتی نظام کی مبنیہ سست روی کا الزام عدالت کو نہیں،
 آج بھی پاکستان کے بڑے شہروں میں ڈسٹرکٹ کورٹ سطح پر کسی بھی
 کو روزانہ اوسط پچاس تا ستر پیشیاں جھگڑائی ہوتی ہیں جو کہیں متعلقہ تھانے
 کے ہاں لگتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ مقدمات تو وہ ہیں جن کے لپریس نے چالان؟



قائد اعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شاہ رگ قرار دیا تھا اور بستر مرگ پر جب علم ہوا کہ دشمن نے اس وادی جنت نظیر میں اپنی فوجیں داخل کر دی ہیں تو قائد اعظم نے حکم دیا تھا کہ دشمن کو بھول اور گولیوں کی زبان میں جواب دو۔

افسوس قائد اعظم کو اللہ تعالیٰ نے جس عظیم مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا اسے مکمل کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس واپس بلا لیا اور قائد اعظم کے جانشین کھوٹے سکے ثابت ہوئے جنہوں نے کشمیر کو دشمن کے ہنجر استبداد سے راکھ دلانے کے لیے کسی ٹھوس اقدام کے بجائے صرف زبانی کلامی بیانات تک فوروارد کر رکھا۔

کشمیر کا مسکہ ہمارے حکمرانوں نے اپنی دانت میں دفن کر دیا تھا۔ خصوصاً شملہ ماہدے کے بعد سے اس کی کاغذی اہمیت بھی دم توڑنے لگی تھی لیکن اچانک ہی بزمہ بن کشمیری مجاہدین نے بھارتی انتظامات کا بائیکاٹ کر کے تحریک آزادی انے جوش دلوئے عزم اور تازہ خون کے ساتھ آغاز کیا جس کے بعد سے آج لاکھ لاکھ کی گلیاں بازار شہیدوں کے خون میں نہا رہے ہیں۔

میر واعظ مولوی محمد فاروق کی شہادت کے بعد سے تو گو با تحریک نے پھر فائزنگ پائی ہے اور حریت پسند مجاہدین آزادی بڑھ چڑھ کر اپنی جانوں کا دروازہ پیش کر رہے ہیں اور تاریخ شاہد ہے جب کسی قوم نے مرے کی راہ اپنا قاتل آزادی اس کا نصیب بن گئی۔

مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد آزادی اور موجودہ صورت حال پر کچھ مضامین

تحریک آزادی کشمیر

توڑ اس دست جفاکیش کو یارب جس نے
روح آزادی کشمیر کو پامال کیا۔!
(علامہ اقبال)

اہل پاکستان کے فرائض

مطبوعہ: ۷ اپریل ۸۹

اور تحریک آزادی کشمیر کے روح رواں عبدالحمید دیوانی جنہیں بھارتی
کا طیارہ اغوا کر کے پاکستان میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہے، کا ان
پیش خدمت ہے۔ خدا کرے جب یہ کتاب آپ پڑھ رہے ہوں کئی
مظلوم و مقہور مسلمان آزادی حاصل کر چکے ہوں۔

”سریگرم میں انڈیا کلب اور سنٹرل ٹیلی گراف آفس کی عمارتوں کو بموں سے اڑانے
کی کوشش“ اننت ناک میں بس سیٹھ پریم کا زبردست دھماکہ دو افراد ہلاک کئی
زخمی، مختلف علاقوں میں پے درپے دھماکوں سے شہر میں خوف و دہشت، ”بم کے
چاروں دھماکوں نے پچھلے ہفتوں کا سکوت توڑ دیا“ ”سریگرم میں ڈی آئی جی پولیس
کو قتل کرنے کی کوشش۔ ایک حملہ آور ہلاک سنتری زخمی“ ”تخریب کاری میں تربیت
یافتہ“ ”نوجوان گرفتار کشمیر بریٹن فرنٹ کے چیئر مین امان اللہ خان کے وادی
کے خفیہ دورے کی تصدیق ڈائریکٹر جنرل پولیس کی پریس کانفرنس“ ”مقبول بٹ کو
نہرائے موت سنانے والے جج کی رہائش گاہ پر حملہ“ ”حالیہ بم دھماکوں کی ذمہ داری
برٹن فرنٹ نے قبول کر لی“ ”دہشت گرد سریگرم میں پھر سرگرم ہو گئے۔ مگر بل باغ
میں گولیاں چلائیں“ ”لال چوک میں حلوائی کی ماروٹی کاڑھی بم سے اڑائی گئی۔ فتح کدل
میں تین راؤنڈ چلائے گئے۔ سکاک سرائے میں بھی بم پھینکا گیا“ ”کشمیر بریٹن فرنٹ کے
مازہ پلان کا انکشاف۔ ڈائریکٹر جنرل پولیس کانفرنس“ ”سریگرم میں مزید بم کے دھماکے
اور فائرنگ کی وارداتیں“ ”ڈیڑ لاکھ کشمیری سریگرم کی بلڈنگ کو طاقتور بم سے اڑانے کی
کوشش“ ”ریاستی وزیر زراعت پر برٹن فرنٹ سے ساز باز کا الزام“ ”سریگرم
کا گزشتہ چھتیس گھنٹوں میں بموں کے سات دھماکے“ ”مرکزی حکومت نے ریاستی
حکومت سے امان اللہ خان کے خفیہ دورے وادی کی مفصل رپورٹ طلب کی“ ”اننت ناک

ٹرانسپورٹ یارڈ میں دو زبردست دھماکوں سے قصبے میں سراسیمگی چار گاڑیاں تباہ
کا مینہ کانگامی اجلاس بم دھماکوں سے پیدا شدہ صورتحال کا جائزہ لیا گیا، شہر کے
مقامات پر دیواروں، کھیلوں اور گاڑیوں پر چپاں حزب الجاہدین کے پوسٹر پوسٹ
دیئے۔ پوسٹروں میں بھی تقسیم کئے گئے تھے، "موادی میں شیر بریشین فرنٹ کاسیسی
بھی سرگرم حکومت کو انتباہ، "منہر لگام میں مزید تین بم دھماکے، "مرکزی سرکار کے پر
انفارمیشن بیورو کی عمارت کو بم سے اڑانے کی کوشش، عمارت میں بریشین فرنٹ کالہ
بھی پڑا ملا۔

درج بالا جملہ مقبوضہ کشمیر کے دارالحکومت سرینگر سے شائع ہونے والے
سرینگر ٹائمز، آفتاب، اذان اور وادی کی آواز کی ان سینکڑوں سرخیوں میں سے
جو گزشتہ سال جولائی کے اواخر سے وسط فروری ۸۹ء کے درمیان سات ماہ کے
مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کی سرگرمیوں سے متعلق واقعات کے بارے میں
لگاتار رہے ہیں۔

تاریخیں ان سرخیوں سے آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ گزشتہ سات ماہ
مقبوضہ کشمیر کے حریت پسند کس قسم کی کارروائیوں اور سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔
۱۲ اکتوبر ۸۸ء تا ۲۶ جنوری ۸۹ء اور ۱۱ فروری ۸۹ء کو بریشین فرنٹ حزب الجاہدین
سٹوڈنٹس لیگ اور سٹیلز کانفرنس کی اپیل پر ہونے والی ہڑتالوں، مظاہروں، مظاہر
کی طرف سے پولیس پر پتھروں اور پٹرول بم چھینکنے اور پولیس کی طرف سے مظاہرین پر
چارج، آنسو گیس اور فائرنگ سے متعلق سرخیاں شامل نہیں ہیں۔

جولائی ۸۸ء کے اواخر میں جب بموں کے ان دھماکوں کی ابتدا ہوئی تو
حکومت نے الزام لگایا کہ یہ کارروائیاں پاکستان اپنے تربیت یافتہ ایجنٹوں کے
کمراندہ ہیں۔ لیکن انہیں بعد میں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ تمام کارروائیاں
مقبوضہ کشمیر میں قائم مجاہد تنظیمیں کر رہی ہیں۔ بھارتی اور ریاستی حکام کا یہ بھی
کہ آزاد کشمیر و پاکستان میں قائم ان مجاہد تنظیموں نے مقبوضہ کشمیر کے سینکڑوں
الہ پاکستان کو ماضی میں کشمیریوں سے دھامی دینے تک بجا طور پر یہ شکوہ رہا ہے
لیکن جبکہ مقبوضہ کشمیر کے لیے کوئی بڑی اور منظم تحریک نہیں چلا رہے۔ لیکن جبکہ مقبوضہ کشمیر کے
مجاہدین نے اپنی سابقہ سب سے نتیجہ مدافعتیہ جدوجہد ترک کر کے مسلح جدوجہد
اپنے محدود وسائل کے ساتھ اور انتہائی

۱۰ ماسعد حالات میں جنگ آزادی لڑ رہے ہیں اور ان میں سے سینکڑوں حریت پسندوں کو گرفتار کر کے قید و غلبہ کا نشانہ بن رہے ہیں تو اہل پاکستان خاموشی سے دیکھ رہے ہیں جبکہ حکومت پاکستان آزادی کے لڑنے میں روٹے اٹکا رہی ہے کیا اہل پاکستان خاص کر پاکستان کے سیاسی لیڈر اور اخبارات کے ایڈیٹران کثیر پسندوں کے لیے ہمدردی اور حوصلہ افزائی کے دو بول بھی نہیں بول سکتے؟

دس کروڑ پاکستانیوں میں سے تقریباً دو کروڑ کے آباؤ اجداد انیسویں صدی میں اور اس کے بعد کثیر سے ہجرت کر کے ان علاقوں میں آ بار ہوئے تھے جو اب پاکستان کے دو کروڑ پاکستانی بھی اپنے آباؤ اجداد کے مادر وطن اور اس کے مجبور و مظلوم باشندوں کے ساتھ کسی ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے۔ ان دو کروڑ کشمیری نژاد پاکستانیوں کے اس انتہائی قابل افسوس طرز عمل کے برعکس امریکہ کے ائرش نژاد غیر ملکی جو گذشتہ تقریباً چار صدیوں سے اپنے آبائی وطن آئرلینڈ سے ہزاروں میل دور آباد ہیں جن میں سے نوے فیصد نے اپنے آبائی وطن کو کبھی دیکھا بھی نہیں، اس آبائی وطن کے حصے شمالی آئرلینڈ کی آزادی کے لیے معروف جدتلمیم آئی۔ آر۔ اے کی بھرپور مالی سیاسی اور سفارتی مدد کر رہے ہیں اور اسی مدد کے بل بوتے پر آئی۔ آر۔ اے سامراج کے خلاف گزشتہ نصف صدی سے سر پٹا ہے۔

کیا اہل پاکستان خاص کر کثیر دوستی کے دعویداروں اور کثیر نژاد پاکستانیوں کو کشمیری حریت پسندوں اور تحریک آزادی کشمیر کے بارے میں اپنے اخلاقی فرائض نہیں؟ اگر ہے تو اس انتہائی قابل افسوس خاموشی کا کیا سبب؟

وزیر داخلہ مفتی محمد سعید کی بیٹی ڈاکٹر روبہ سعید کے اغوا کا پس منظر اور جذبات
میں اور اس کے بعد کثیر سے ہجرت کر کے ان علاقوں میں آ بار ہوئے تھے جو اب پاکستان کے دو کروڑ پاکستانی بھی اپنے آباؤ اجداد کے مادر وطن اور اس کے مجبور و مظلوم باشندوں کے ساتھ کسی ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے۔ ان دو کروڑ کشمیری نژاد پاکستانیوں کے اس انتہائی قابل افسوس طرز عمل کے برعکس امریکہ کے ائرش نژاد غیر ملکی جو گذشتہ تقریباً چار صدیوں سے اپنے آبائی وطن آئرلینڈ سے ہزاروں میل دور آباد ہیں جن میں سے نوے فیصد نے اپنے آبائی وطن کو کبھی دیکھا بھی نہیں، اس آبائی وطن کے حصے شمالی آئرلینڈ کی آزادی کے لیے معروف جدتلمیم آئی۔ آر۔ اے کی بھرپور مالی سیاسی اور سفارتی مدد کر رہے ہیں اور اسی مدد کے بل بوتے پر آئی۔ آر۔ اے سامراج کے خلاف گزشتہ نصف صدی سے سر پٹا ہے۔
کیا اہل پاکستان خاص کر کثیر دوستی کے دعویداروں اور کثیر نژاد پاکستانیوں کو کشمیری حریت پسندوں اور تحریک آزادی کشمیر کے بارے میں اپنے اخلاقی فرائض نہیں؟ اگر ہے تو اس انتہائی قابل افسوس خاموشی کا کیا سبب؟

روبیہ سعید کے اغوا کے واقعہ نے پورے ہندوستان کو ہلکا کر رکھ دیا اور مسک لگایں کشمیر کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ دنیا بھر سے اخبار نویس اور رپورٹر سری نگر پہنچے جمال نہیں اندازہ ہوا کہ مفتی محمد سعید غلط نہیں کہہ رہے۔ کشمیر کا مسئلہ آج پنجاب کے اندر بادل خطرناک رخ اختیار کر چکا ہے۔ کشمیر کی روح زخمی ہے اور جسم لبو بہان ہے۔ ان میں پیدا ہونے والا احساس بالیسی تمام حدود کو

رٹ کے بہادر نوجوانوں کی ٹٹھی میں سے۔

آج کشمیر میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حکومت نہیں ہے۔ آج وہاں کسی خطا یہ
پولیس کا قانون نہیں چلتا۔ آج کشمیر میں عوام تو عوام سرکاری انصر اور پولیس والے
میں کشمیر لبریشن فرنٹ کے نوجوانوں کا حکم مانتے ہیں۔ جب یہ نوجوان کہتے ہیں تو کشمیر
اورابند ہو جاتا ہے۔ بڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ کشمیری
دام لیکشن کا بائیکاٹ کریں تو وہاں فاروقی حکومت اپنی تمام شینز کا استعمال کر کے
دھمکے دوٹ بھی نہیں ڈلواسکی۔ سرگیکر بن دکھاوے کے لیے بھی کسی آزاد میدان
نیشنل کانفرنس کے امیدوار محمد شفیع بھٹ کے خلاف کاغذات نامزدگی داخل
ہیں کئے اور وہ بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے۔ عبدالرشید کابلی جو سری نگر سے ممبر پارلیمنٹ
تھے انہوں نے بھی الیکشن کا بائیکاٹ کیا۔ اگر وہ میدان میں ہوتے تو یقیناً شفیع بھٹ
ہزانت ضبط ہو جاتی۔ اللہ انکے زتنہیں نے وادی کے تمام شراب فروشوں کو اور
لوگوں کو شراب کی فروخت بند کرنے کا حکم دیا تو چند دن کے اندر اس پر عمل درآمد
ہو گیا۔ براڈوے جیسے بڑے ہوٹل نے اردو اخباروں میں اشتہار دے کر اعلان کیا
کہ اپنا ہوٹل کا بار فوراً بند کر رہے ہیں کیونکہ انہیں اندازہ ہے کہ حکومت کشمیر ان
کوئی حفاظت نہیں کر سکتی کشمیر کے مشہور سادیب اختر محی الدین جنہیں صدر ذاکر حسین
نے پدم شری کے ایوارڈ سے نوازا تھا مفتی صاحب کی بڑی کے اغوا کی مذمت کرتے ہیں
مگر گلے دن کشمیر لبریشن فرنٹ کے دباؤ میں وہ کشمیری عوام پر ہونے والے مظالم کے
خلاف احتجاجاً پدم شری کا ایوارڈ واپس کر دیتے ہیں۔ انہوں نے ایک ملاقات
میں بتایا کہ کشمیری عوام پاکستان نواز نہیں ہیں۔ لیکن وہ کسی کی کالونی بننے کو بھی تیار
نہیں ہیں۔ وہ خود اپنی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کھلے عام
بڑے بڑے گولی گولی میں پاکستان اور کشمیر لبریشن فرنٹ کے جھنڈے لہرائے جاتے
ہیں۔ بڑے بڑے گولی گولی میں کہا جاتا ہے کہ جو انہیں ایسا کرنے سے روک سکے۔ بموں کے دھماکے روز
امول بن گئے ہیں۔ نوجوان کھلے عام اپنی فرن میں کلاسنکوف لیے گھومتے ہیں کشمیریوں

پار کر گیا تھا۔ نفرت، مایوسی، بے اعتدالی، شکوک و شبہات اور غم و غصہ کے طہر
جذبات نے کشمیری عوام کو آج ہندوستان سے جتنا دور کر دیا ہے۔ شاید وہ ماہ
میں کبھی نہیں تھے۔ ایک سینئر صحافی نے یوں کہا کہ آج پوری دنیا کو کشمیر یاد آ رہا ہے
لیکن پچھلے ڈھائی تین برس سے جب یہاں ہماری ماؤں بہنوں اور نوجوانوں پر
کے پہاڑے توڑے جا رہے تھے اس وقت آپ لوگ کہاں تھے۔ آج وزیر داخلہ
کی بیٹی یرغمال بنی ہے تو سب کو اسلام یاد آ رہا ہے مگر جب ماؤں اور بیٹیوں کو جلاوطن
میں بند کیا جا رہا تھا اور نوجوانوں کے عمل کی سزا ان کے بوڑھے ماں باپ کو دی جا رہی
تھی اس وقت یہ مولوی اور قاضی کہاں تھے؟ یہ بات مسلسل ہر جگہ سننے کو ملی۔ ایک
معصوم لڑکی کا اغوا کشمیری روایات کے خلاف تھا مگر آج کشمیر میں مایوسی کا جو ماحول ہے
اس میں بہت کم لوگ اس بات کو سننے کو تیار تھے۔

آج کشمیر کے بیشتر شہروں اور قصبوں کو فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ کرنیو
دیا گیا ہے۔ سڑکوں پر ٹینک کھڑے کر دیئے گئے ہیں مگر یہ کشمیر کے مسئلے کا حل نہیں ہے
آج وادی میں روایتی قیادت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ آج میر واعظ مولوی فاروق کا
شار، عبدالغنی لون، عبدالرشید کابلی جیسے لیڈروں کی بات سننے کو کوئی تیار نہیں ہے
کشمیر لبریشن فرنٹ نے تو صاف کہہ دیا کہ دہلی کے شاہی امام بخاری اور جماعت اسلامی
کے مولانا ابواللیث کون ہوتے ہیں ہمارے معاملات میں مداخلت کرنے والے
اور ہمیں اسلام کا سبق پڑھانے والے۔ آج کشمیر میں ایک وقت میں شیر کشمیر اور بابا
قوم کہلانے والے شیخ محمد عبداللہ کا نام سننے کو کوئی تیار نہیں ہے۔ آج ان کا نام ایک
گالی بن گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ کو بہت نہیں ہے کہ وہ سرگیکر کی سڑکوں
چلیں آج کشمیر کے اہم اخبارات جیسے کہ آفتاب اور سری نگر ٹائمز، لا تعلق کے اعلا
سے بھرے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی نیشنل کانفرنس کی حمایت کی
آج اخبار میں اعلان کر کے اس سے لا تعلق کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کے پس منظر
جذبات کا رفرما ہیں یا خوف، یہ نہیں کہا جاسکتا مگر حقیقت یہ ہے کہ آج کشمیر

ہاں کر رہے تھے وہ آج مالوس ہو کر ہتھیار اٹھا رہے ہیں۔

سنجیدہ اور تجربہ کار کشمیری لیڈروں نے جن کا نام میں یہاں لینا پسند نہیں کروں
 مانجھے بتایا کہ ہم بھی جانتے ہیں کہ کشمیر کے مسائل تشدد اور ہتھیاروں سے حل نہیں ہوں
 کشمیری عوام کا نعرہ چاہے جو بھی ہوں سے وہ بھی جانتے ہیں کہ آج کے حالات
 کشمیر کے مسائل انہماق و تفہیم سے ہی حل ہوں گے محکموں کی پالیسی بہت دیر پا ثابت
 نہیں ہوگی۔ آج اصل مسئلہ کشمیری عوام کے اعتماد کو بحال کرنے کا ہے۔ ان کے دلوں کو
 جیتنے اور ان کے فحشوں پر برہم رکھنے کا ہے۔ جتنا دل کے ذمہ دار لیڈروں کو بھی ان کے
 جذبات کا احساس ہے اور وہ دہلی کے بااثر سیاسی و صحافتی حلقوں کو بھی، لیکن مسئلہ پچیلے
 چالیس برس میں اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ اس کا کوئی فوری اور کارگر حل نظر نہیں آ رہا۔
 فی الحال کشمیر میں فاروق حکومت کا نئے رہنما ملک کے مفاد میں ہے نہ کشمیر کے مفاد
 میں ضرورت اس بات کی ہے کہ فاروق حکومت کو ہٹا کر کشمیر میں گورنر سراج قائم کیا جائے
 نام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ بد عنوان افسروں کے خلاف سخت کارروائی
 کی جائے کشمیری عوام کی لوٹ کھسوٹ بند کرائی جائے۔ بلا تاخیر کشمیر کی اقتصادی ترقی کے
 لیے واضح اور سٹوس پلان بنایا جائے کشمیری عوام خصوصاً نوجوانوں کے روزگار کا
 انتظام کیا جائے بہر حال میں کشمیری عوام کو اعتدال میں لایا جائے اور یہ احساس دلایا جائے
 کہ وہ اس ملک کا حصہ ہیں اور اس ملک میں اتنا ہی حق رکھتے ہیں جتنا کہ ہندوستان
 کا کوئی دوسرا شہری ہندوستان کے مختلف حلقوں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات
 سے بھی کشمیری عوام کے دل پر چڑھ گئی ہے۔ ہندوستان میں فسادات کا خاتمہ ہوگا ہندوستانی
 مسلمان مطمئن اور خوشحال نظر آئیں گے تو کشمیری عوام کا ہندوستانی نظام پر اعتماد بھی بحال
 ہوگا ان اقدامات سے ایسا ماحول بنے گا جس سے آزادانہ و ایماندارانہ انتخابات ممکن ہو
 سکیں گے۔ ان انتخابات میں تمام جا عتوں کا حصہ لینے کی آزادی ہو اور کسی پڑ پکتان کو لڑائی
 کا حق نہ ہو کہ جمہوری عمل سے باہر نہ رکھا جائے کشمیری عوام جسے اپنا نمائندہ منتخب کریں
 اور پھر پورا اعتبار کرتے ہوئے اقتدار ان کے حوالے کیا جائے۔ ساتھ ہی پاکستان سے

نے اپنی تاریخ میں کبھی ہتھیاروں کا استعمال نہیں کیا مگر آج ان نوجوانوں کو ان ہتھیاروں
 کا نشانہ ہے اور کشمیری نوجوان ان ہتھیار بند نوجوانوں کو دیکھ کر فحش محسوس
 کر رہے ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ کشمیری عوام کو ڈاکٹر روبہ سعید کے اغوا پر افسوس اور ملال
 نہیں تھی۔ آج بھی اگر کسی مسلم لیڈر کو کشمیر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو
 مفتی محمد سعید میں جو آگ بگولہ ہو کر انہیں گالیاں دیتے تھے وہ بھی مفتی صاحب کا
 احترام سے لیتے تھے۔ مگر کشمیر کے جذباتی عوام لبریشن فرنٹ کے اس "کارنامہ" پر افسوس
 کم اور فحش زیادہ کرتے نظر آئے۔ اس کا اظہار اس وقت ہوا جب پیرا او سمبر کو افراد
 پھیلے کر روبہ سعید کے بدلے پانچ قیدی نوجوانوں کو سرنگھٹ شہر کے مہواری کدل علاقہ میں
 شام ۴ بجے رہا کر دیا جائے گا۔ ان کا استقبال کرنے کے لیے ہزاروں مرد، عورتیں اور
 بچے دہلیں جمع ہو گئے۔ پٹانے چھوڑے گئے کھلے عام ان کی حمایت میں نعرے لگنے لگے
 کشمیر کی آزادی کی تقریریں کی گئیں۔ آخر کار جب ۱۳ دسمبر کو یہ نوجوان رہا ہوئے تو ہر
 میں سڑکوں پر عوام نے اس طرح جشن منایا جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑی فتح حاصل
 کی ہو۔ پاکستان کے جھنڈے لہرائے گئے لوگ سڑکوں پر ناچے مٹھائیاں بانٹیں اور
 پورے ہندوستان کو یہ کھلا پیغام دیا گیا کہ کشمیری عوام کی ہمدردیاں معصوم روبہ
 زیادہ ان پانچ نوجوانوں کے ساتھ ہیں جنہیں پولیس کی قید سے رہا کیا گیا ہے۔
 جوشش اور جذبہ میں عام کشمیری لوگ جنگجو نوجوانوں کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے
 ہیں۔ اس کے لیے جہاں پچیلے چالیس برس میں کشمیر لوں کے ساتھ ایکشن کے نام پر ہونے
 والا مذاق ذمہ دار ہے وہاں پچیلے دھاتی برس میں فاروق عبداللہ کی تکبی جسے
 بد عنوان حکومت بھی ذمہ دار ہے کشمیر میں صرف،، عین آزادانہ اور ایماندارانہ
 ہوئے جس کے لیے آج بھی کشمیری عوام اس وقت کے وزیراعظم مارجی ڈیلیاں کا
 عزت و احترام سے لیتے ہیں خصوصاً،، عین جماعت انتخابات ہوئے ان میں کھلی دھاندلہ
 ہے ایسا ہی کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوان مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کی حمایت میں دن

بتر تعلقات اتوار کرتے ہوئے اس مسئلہ کا مستقل اطمینان بخش حل تلاش کیا جائے۔
کر لے کے لیے بہت ہمت، حوصلے، سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کی ضرورت ہے۔
اڑٹیکوں سے وقتی طور پر نوکثیر میں حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے مگر وہاں عوام کے
زخموں پر ہم رکھنے کے لیے یہ سب اقدامات نہایت ضروری ہیں۔

تاریخ خیریت کا لازوال کردار

مطبوعہ: ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء

یہ ۱۳ اکتوبر ۸۹ء کی بات ہے کہ دن کے ساڑھے تین بجے لال بازار پولیس چوکی
کا ڈوئریل افسر عبداللہ حسب معمول علاقے میں امن و امان کی صورت حال کا جائزہ لینے کے
لیے اپنے سکورٹر پر سوار حوال چوک کے قریب مزار کامل صاحب کی زیارت کے بالمقابل ایک
پٹرول پمپ سے سکورٹر کے لیے پٹرول خریدنے میں مصروف تھا اسی اثنا میں ایک آٹو اس
کے سامنے رک گیا لیکن محمد عبداللہ نے اس طرف دھیان نہیں دیا چانک آٹو میں ۳۰
نوجوان انڑے اور انہوں نے محمد عبداللہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا محمد عبداللہ ان
نوجوانوں کا ارادہ سمجھنے سے قاصر رہا تاہم اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی اور اس نے فوراً
اپنے پستول پر گرفت مضبوط کر لی ان چار نوجوانوں میں سے ایک نوجوان جو بزرگ کی
جیکٹ پہنے ہوئے تھا نے محمد عبداللہ سے اپنی پستول ان کے حوالے کرنے کے لئے کہا
لیکن محمد عبداللہ نے پستول دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ نوجوان سیخ پا ہو گئے اور
ایک نوجوان نے محمد عبداللہ کا گریبان پھٹا لیا اور اس کا پستول چھیننے کی کوشش کی محمد عبداللہ
نے فوراً پستول کو ہاتھ میں لہراتے ہوئے ان نوجوانوں سے خوف زدہ ہونے کی بجائے
پستول سے ہوا میں جوابی کارروائی کے طور پر تین راؤنڈ چلائے اسی دوران نوجوانوں
میں سے ایک نے محمد عبداللہ سے پستول چھین لی اور محمد عبداللہ دم بخود بکھتا رہ گیا اس
پل کے لوگ پوری طرح اس واقعے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ محمد عبداللہ اپنی
پستول چھین جانے سے سخت مایوس اور افسردہ دکھائی دے رہا تھا چنانچہ اس

ہندوستان میں بی جے پی اور شیو سینا جیسی کچھ جماعتیں ہیں جو عام ہندوستانیوں
کے جذبات کشمیریوں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہیں مسلسل دفعہ ۲۰ کو شتم کرنے کے مطالبہ
کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ فقرہ پرست لیڈر جانتے ہیں کہ دفعہ ۲۰ کشمیر کو ہندوستان سے لڑتی
نہیں بلکہ جوڑتی ہے۔ آج بی جے پی شیو سینا اور براج مھووک جیسے لیڈر مغنی محمد سعید کے
وزیر داخلہ بنائے جانے کی صرف اس لیے مخالفت کر رہے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں یہ جانہ
مسئل کشمیری عوام کو کھینے اور ان کے جمہوری حقوق چھیننے کا نعرہ لگاتی ہیں۔ اپنے ان بابا
سے یہ ملک دوستی نہیں بلکہ ملک دشمنی کا ثبوت دیتی ہیں۔ مرکزی حکومت اگر کشمیری عوام
کے تئیں منصفانہ اور مہر داند رویہ اپنانے کی کوشش کرتی ہے تو یہ جماعتیں اس پر پاکستان
نوازوں کے سامنے گھٹے ٹھیکے کا الزام لگاتی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کشمیری عوام کے جمہوری
جذبات کو کچنا پاکستان نوازی ہے۔ ایسا کرنے سے وادی میں پاکستان نوازوں کے ہاتھ مضبوط
ہو رہے ہیں۔ پچھلے چالیس برس میں وہاں ایماندارانہ طور پر الیکشن نہ کرائے اور کشمیری عوام
کے بنیادی حقوق چھین کر پاکستان نوازوں کے ہاتھ مضبوط کئے گئے ہیں۔

کشمیر کا مسئلہ آنے والے چند ماہ میں پنجاب سے بھی زیادہ اہمیت حاصل کر گیا۔ اگر ملک
کی تمام سیاسی جماعتوں نے سیاست سے بلند ہو کر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش
نہیں کی تو پھر اس کا خمیازہ ہم سب کو جھگستا پڑے گا۔ کانگریس کو بھی اس مسئلہ سے سیاسی
فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کے پراسن اور ایماندارانہ حل کی تلاش میں موجودہ حکومت کی
مدد کرنی چاہیے۔ ورنہ ہم سب کو اس کی قیمت چکانی ہوگی۔ (بھارتی اخبارات سے ترجمہ شدہ)

——————

اصل واقعے سے آگاہ تھا بہر حال دیکھتے ہی دیکھتے حول اور اس کے بارونق بازاروں میں زبردست ہتھ پھل پھیل گئی جیکر نزدیکی گلی میں تو انہیں جسم کا ایک زخمی نوجوان کراہ رہا تھا۔ اور مرد کے لیے اپنے رب کو پکار رہا تھا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہہ رہا تھا جس سے ایک کا ایک حصہ لال ہو گیا دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ارد گرد ایک طبی بھینچ جمع ہو ہو گئی لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ نوجوان کون ہے اور کن حالات میں زخمی ہو گیا اگرچہ چند راہ گیر اس واقعے کے چشم دید گواہ تھے مگر انہوں نے جلے واردات سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی اسی دوران کچھ نوجوان محمد عبداللہ سسٹنٹ سب انسپکٹر اور سپاہی غلام محمد کی پٹائی کرنے لگے انہوں نے محمد عبداللہ کا سکوتر بھی نذر آتش کر دیا لیکن اس نے اپنے ساتھی سمیت جان بچانے کی خاطر نزدیکی سی آر پی بنکر میں پناہ لی زخمی نوجوان کے پاس کھڑے نوجوانوں نے اس کو سہارا دے کر اپنی ٹانگوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی یہی انہیں ایک حبسی گاڑی واپس سے گزری جس کو ان نوجوانوں نے روک کر ڈرائیور کو زخمی نوجوان کو ہسپتال پہنچانے کے لیے کہا اس نوجوان نے ہامی بھری اور زخمی نوجوان کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹائے ہما مشورہ دیا گاڑی میں ڈرائیور کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ چنانچہ واقعہ کی ایک چشم دید گواہ خاتون نے وہاں موجود تمام نوجوانوں پر برہمت لیتے ہوئے زخمی نوجوان کے ساتھ جانے میں پہل کی ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ وہاں سے گزر رہے ایک شخص کی نظر زخمی نوجوان پر پڑی اس نے چیخ کر کہا یہ تو مجاہد عبدالحمد شیخ ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ لوگوں نے عبدالحمد شیخ کو سہارا دینے میں ایک دوسرے پر برہمت اپنی شروع کی انہوں نے حبسی گاڑی کے ڈرائیور کو مشورہ دیا کہ وہ زخمی حمید کو کسی پرائیویٹ ہسپتال میں علاج و معالجہ کے لیے داخل کرائے تاکہ وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے ڈرائیور نے گاڑی کا رنج لال چوک کی طرف موڑ دیا اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی جو راستے میں عبدالحمد کو دلاسہ دیتی رہی گاڑی شہر کی مختلف ٹرکوں کو بھٹا گئے ہوئے گھر ل باغ میں طاہر خانم زنگ بوم کے دروازے کے سامنے رگ گئی زخمی عبدالحمد کے ساتھ بیٹھی عورت آہ بکا کرتی ہوئی زنگ بوم کے انچارج

نے اپنا سکوتر دوبارہ سٹارٹ کر کے ان چار نوجوانوں کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا جنہیں وہ حول چوک کے نزدیک پہنچا گیا اس نے دیاں ڈیوٹی دے رہے ایک سپاہی غلام محمد کو حکم دیا کہ وہ اپنی موجودہ بندوق کو لوڈ کر کے سکوتر کی پچھلی سیٹ پر سوار ہو جائے غلام نے اپنے انصر کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی بندوق کو لوڈ کیا اس کے بعد دونوں پولیس اہلکاروں نے چار مسلح نوجوانوں کا پیچھا شروع کیا چاروں نوجوان ایک نزدیکی گلی سے اپنے خیالات میں منہمک کسی خوف و ڈر سے اور اہر ہو کر جا رہے تھے اور ان کے وہم و گمان میں یہ نہ تھا کہ محمد عبداللہ ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اس میں سے اچانک ایک نوجوان نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے دوسرے محمد عبداللہ کو اپنے بندوق بردار سپاہی کے ساتھ سکوتر پر آتے دیکھ کر خطرے کی بوسونگھ لی اس نے اپنے دو گھبرائے ساتھیوں کو اس خطرے سے آگاہ کیا جنہوں نے خاصی پھرتی دکھاتے ہوئے پستول نکال کر محمد عبداللہ پر تین رائیونگ گولیوں کے چلائے جن میں سے محمد عبداللہ کے کندھے پر دو گولیاں لگیں۔ اپنے کندھے سے جب اس نے خون بہتے دیکھا تو وہ دہشت زدہ ہو کر رہ گیا اس نے فوراً اپنے ماتحت سپاہی سے ۲۰۳ بندوق چھین لی اور چاروں نوجوانوں پر نشانہ تاز کر کے بعد دھمکے پانچ گولیاں چلائیں جن میں سے تین گولیاں اس کے دو ساتھیوں کا ٹانگوں میں لگ گئیں جس نوجوان کو ۲ گولیاں لگ گئیں وہ غش کھا کر ٹرک پر دوڑھا ہے مگر گیا یہ دیکھ کر اس کے تین ساتھیوں کو سکتہ ہو گیا وہ اسے اٹھا کرے جانے کی کوشش کرنا لگے مگر حمید کے ہوش و حواس ابھی قائم تھے اس نے ساتھیوں سے کہا کہ وقت ضائع نہ کرو مجھے گولی مار کر پوری طرح ختم کر کے یہاں سے بھاگ جاؤ یا پھر مجھے اپنے دال پر چھوڑ دو کچھ دیر تک یہ مکالمہ جاری رہا بالآخر تینوں مسلح نوجوان جائے واردات سے فرار ہو گئے اور اپنے ساتھ حمید کی پستول بھی لے گئے جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت حول بازار میں لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے کہ اچانک گولیوں کی سناہ سے فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور وہاں زبردست گھبراہٹ مچ گئی لوگ گھروں کی طرف بھاگتے بھاگتے ایک دوسرے سے اس واقعہ کے بارے میں استفسار کرنے لگے مگر شاید ہی کوئی

اپریشن کے بعد صدر ہسپتال کے ایک خاص کمرے میں رکھا گیا جس کے ارد گرد سی آر پی نے ہتھار بنالیا اور کسی کو اس کمرے تک جانے کی اجازت نہیں دی گئی آپریشن کے بعد عبد الحمید شیخ کی حالت میں اگرچہ کئی حد تک سدھار آ گیا لیکن تیز بخار اور سانس لینے میں دشواری محسوس کرنے کی وجہ سے اس کی حالت دوبارہ بگڑ گئی جس کے پیش نظر اس کو مورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ منتقل کیا گیا عبد الحمید کے دو دیگر زخمی ساتھیوں کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک مقامی ہسپتال میں مرہم پٹی کرانے کے بعد فرار ہو گئے بتایا جاتا ہے کہ ہسپتال میں پولیس کے کڑا پہرہ ہونے کے باوجود اپنے خفیہ ٹھکانے تک پہنچ گئے۔

زخمی عبد الحمید شیخ جن کو کشمیر برٹن فرنٹ کے ان چار ایریا کا مڈروں میں سے ایک ہے جن کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس نے فی کس ۲۵ ہزار روپے کا انعام رکھا ہے حمید شیخ نے ۱۹۸۷ء کے انتخابات میں وادی کے باقی نوجوانوں کی طرح مرگرم حصہ لیا اس نے مسلم متحدہ محاذ کے امیدوار مولوی محمد یوسف شاہ کو کامیاب بنانے کے لیے رات دن کوششیں کیں مگر جب انتخابی دھاندلیوں کے ذریعہ وزیر تعلیم محمد الدین شاہ کو کامیاب قرار دیا گیا تو حمید شیخ اور اس کے دیگر چار ساتھیوں اشتقاق، حمید، جاوید محمد مرین ملک کا جمہوریت پر سے اعتماد اٹھ گیا اور وہ سخت بدظن ہو گئے۔ انہوں نے اسلامک سٹوڈنٹس لیگ کے سیزلے کشمیری عوام کے غضب نددہ حقوق کی حصولیابی کے لیے آواز بلند کی لیکن انتخابی دھاندلیوں کے بل بوتے پر وجود میں آئی ہوئی حکومت کے ارباب و اعیانہ نے ان کی آواز دبانے کے لیے زندان کے دروازے کھول دیئے حمید شیخ اور اس کے دیگر ساتھی جلیوں میں انصاف کو دہائی دیتے رہے شیر گڑھی تھانے جمال عبد الحمید کو نظر بند کیا گیا میں اسے سخت اذیتیں دی گئیں حتیٰ کہ ایک اطلاع کے مطابق وزیر تعلیم محمد الدین شاہ نے شیر گڑھی تھانے میں خود جا کر عبد الحمید شیخ کی شدید پٹائی کی جس سے اس کے جذبات مزید مجروح ہو گئے جلیوں سے چھوٹنے کے بعد حمید الدین کے ساتھیوں نے جن کو کشمیر برٹن فرنٹ کے ساتھ وابستگی اختیار کر لی اور

ڈاکٹر کے ایل چودھری کے پاس پہنچی حمید کے جسم سے خون کی بھاری مقدار بہہ جانے سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی چنانچہ جب ڈاکٹر چودھری نے زخمی حمید کی حالت دیکھی تو اس نے نامعلوم عورت کو مشورہ دیا کہ وہ کوہٹا حمید کو صدر ہسپتال پہنچائے عورت نے ہمت اور حوصلے سے جیسی ڈرامیور سے صدر ہسپتال چلنے کی درخواست کی چنانچہ وہاں سے زخمی حمید کو صدر ہسپتال پہنچا یا گیا نامعلوم عورت نے یہاں بھی آہ و فغان اور سینہ کو پی کرتے ہوئے امیر جنسی میں موجود ڈاکٹروں کو اپنی طرف متوجہ کیا عورت نے ان ڈاکٹروں سے کہا کہ اس کا بھائی گولی لگنے سے شدید زخمی ہو گیا ہے ڈاکٹروں نے اس کو تسلی دی اور اسے سٹریچر لانے کے لیے کہا اس دوران جب عبد اللہ شیخ کو سٹریچر پر ابتدائی طبی جانچ کے لیے امیر جنسی کے مخصوص کمرے میں لایا گیا نامعلوم عورت وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئی اس نامعلوم عورت کی شناخت ابھی تک معمر نہ ہوئی ہے اور شاید ہی یہ معمر کبھی حل ہوگا مگر حال ڈاکٹر حبیب طیبی جانچ میں موز تھے تو عبد الحمید نے انہیں اپنا نام اور اہلیت بتائی جس سے ڈاکٹر غصہ و برے کے لیے مجبور ہو گئے لیکن بعد میں انہوں نے عبد الحمید کو آپریشن تھیمٹر منتقل کیا اس وقت خضیہ پولیس کے کسی اہلکار کے کافروں میں یہ بات پہنچ گئی اس نے فوراً نزدیکی پولیس سٹیشن کو مطلع کیا چنانچہ پولیس کی ایک بڑی جمعیت وہاں پہنچی جس نے پورے ہسپتال کا گھیراؤ کیا۔

ڈاکٹروں نے ساڑھے چار گھنٹے کے طویل آپریشن کے بعد عبد الحمید شیخ کے جسم سے گولیاں نکالیں اور اس کی جان بچانے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ ہسپتال ذرائع سے معلوم ہوا کہ جب عبد الحمید شیخ کو آپریشن تھیمٹر سے باہر لایا جا رہا تھا تو چند نوجوانوں نے آپریشن تھیمٹر کا گھیراؤ کیا اور ڈاکٹر سے عبد الحمید شیخ کو ان کے حوالے کرنے کے لیے کہا لیکن ایک سینئر ڈاکٹر نے ان کو مشورہ دیا کہ حمید کی حالت انتہائی ناک ہے اور اگر ایسی حالت میں اس کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا تو اس کا پتہ مشکل ہے یہ مشورہ سن کر مذکورہ نوجوان وہاں سے بھاگ گئے جبکہ عبد الحمید کو

ملج جدد جہد میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی وہ اپنے پاس ہتھیار رکھا کرتے تھے چنانچہ گرفتاری کے وقت بھی ان کے پاس کسی قسم کا کوئی اسلحہ موجود نہ تھا۔ آپریشن بالا کوٹ کے نقیب اعظم قتالی نے بھی شبیر احمد شاہ کی گرفتاری کے موقع پر اپنے ایک بیان میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ شبیر احمد شاہ کا مسلح جدد جہد سے کوئی تعلق نہیں اور وہ ریاست کے ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے سیاسی مشن پر پاکستان جا رہے تھے۔

جہاں تک عبدالحمید شیخ کا تعلق ہے تو وہ اعلیٰ درجہ کا کارروائیوں سے وابستہ رہے تھے اور حکومت بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے چنانچہ ۳۱ اکتوبر کی سہ پہر کو گھانا پارچہ میں جڈی بل کے قریب جب وہ سب آپیکل محمد عبداللہ کی گولیوں کا نشانہ ہوئے تو وہ خود بھی مسلح تھے اور ان ساتھیوں اور پولیس اہلکاروں کے درمیان گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا تھا جس کے نتیجے میں پولیس اہلکار محمد عبداللہ کے کندھے میں بھی ایک گولی لگ گئی تھی۔

کشمیر ریشن فرنٹ کے سرگرم رکن عبدالحمید شیخ کے زخمی ہونے کے بعد سے درجنوں گزری احتجاجی مظاہروں میں پولیس کی گولیوں سے شہید ہو چکے ہیں ان میں نوجوان ہی نہیں عورتیں اور کم سن لڑکے بھی شامل ہیں حمید شیخ کی صحت یابی کے لیے دعایہ مجالس کا انعقاد فرودیناز اور بھیرٹول کی قربانی کا سلسلہ برابر جاری ہے بڑا مالو و اندر کھانا میں ان کی رہائش گاہ لوگوں کا تانتا بندھا رہا ہے ان کے زمرہ کو وہاں جو دعایہ مجلس منعقد ہوئی اس میں ایک اندازے کے مطابق ۳۰ ہزار لوگوں نے شرکت کی ان میں سیاسی لیڈر بھی تھے اور طالب علم بھی مرد بھی تھے اور عورتیں بھی اس موقع پر حمید کے والد خواجہ عبدالکبیر شیخ نے ایک جذباتی تقریر کی جس سے ماحول رقت آمیز ہو گیا انہوں نے کہا میں اپنے نخت جگر کے بارے میں اس حد تک اطمینان ہوں کہ اسے درجہ شہادت کیوں عطا نہیں ہوا اور وہ صرف زخمی کیوں ہو گیا انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے فرزند کو قوم کے لیے وقف کر دیا ہے اور انشاء اللہ جب فرزند کو اس بلایا جہان ہو گا تو اسے بھی قوم کے لیے وقف کر دوں گا یعنی مشاہدین کا کہنا ہے کہ ان موقع پر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور فضا پر خوش تحریروں سے گونج اٹھی

اور کشمیری آزادی کے لیے چلائی جا رہی تحریک آزادی میں سرگرم رول ادا کرنے میں ہونے لگے گذشتہ ایک سال سے ان کی کارروائیوں نے پولیس حکام کی آنکھوں کی نیند سواری کر دی ہے اور بے بسی کے عالم میں ان پانچ پیر تیلے اور چیت نوجوانوں کے غیظ و غضب کا نشانہ رہے کشمیر پولیس نے ان کو پکڑنے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی لیکن بے سود اب حوالہ میں جس ڈھنگ سے عبدالحمید شیخ پولیس کی گولی کا نشانہ ہو گیا اس سے پولیس حکام کی ہڈیوں کی لہر دوڑی ہوگی مگر حمید کے چاہنے والوں و ساتھیوں کو یقین نہیں آتا ہو گا کہ حمید مغبوط جسم کا مالک اور پھر تیلہ نوجوان اتنی آسانی سے پولیس کے ہتھے چڑھ جائے گا جسے صورہ انٹی ٹیٹ منتقلی سے قبل ایڈووکیٹ امتیاز احمد صوفی اور شبنم غنی کون نے کرنا ایڈووکیٹ مسٹر ظفر شاہ کی قیادت میں لمبی کورٹ سے اجازت حاصل کر کے مدد سنبھال میں اس سے ملاقات کی تباہی جانا ہے کہ جب یہ وکلاء عدالت کا اجازت نامہ لے کر سنبھال پہنچے تو ایڈیٹل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر علی محمد متو نے انہیں ملاقات کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور تقریباً ایک گھنٹے تک انہیں روکے رکھا جب یہ دہان سے نہ بٹے تو انہوں نے پولیس کو مطلع کیا چنانچہ ایس ایس پی اللہ بخش خود وہاں آئے اور ان کے ہمراہ حمید کے والد اور والدہ بھی تھیں کو اپنے ساتھ حمید کے کمرے میں لے گئے جہاں کمرے کے اندر اور باہر پولیس کا ٹیڈوز تعینات تھے حمید نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ اس کے کان میں جو باتیں تھیں وہ کہاں ہیں والدہ رو رہی تھیں البتہ حمید نے اسے خاموش کر لیا ان کے والدین سے کہا کہ میرے بارے میں نکرہ مند نہ ہوا میں نکرہ کرو کشمیر پولیس کے ایک اہلکار محمد عبداللہ کے ہاتھوں شیخ عبدالحمید کے شدید زخمی ہونے پر پوری وادی میں زبردست تشدد پھوٹ پڑا اور جس طرح مرد عورتیں اور بچے حکومت اور پولیس کے خلاف مظاہروں میں شرکت کے لیے سڑکوں پر نکل آئے اس سے حریت پسندوں کو حلا ملایا اس سے قبل اگرچہ پیلو لیگ کے رہنما شبیر احمد شاہ کی گرفتاری اور ان کی موت کی خبر کے موقع پر وادی میں بے مثال ہڑتال ہوئی تھی اور حکومت کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے تھے لیکن شبیر احمد شاہ کے متعلق نہ صرف لوگوں بلکہ حکومت کو بھی بخوبی علم ہے کہ انہوں

پیلز کانفرنس کے چیئرمین عبدالغنی لون اور شقائق احمد ساگر نے بھی اس موقع پر تقریریں کی۔
کیس بعد میں درگاہ غوث شیرسرٹے پائیک میں بھی ایک بہت بڑی وعایہ مجلس کا انعقاد ہوا جس میں لوگوں کی بھاری تعداد شرکت کی یہاں مقررین میں لوگوں کی بھاری تعداد شرکت کی یہاں مقررین نے حبیبہ شیخ کو جنرل عبدالحمید شیخ کہہ کر پکارا اور ان کی ہر بات پر ہلکا یا گلیا تو وادی میں کوئی ہمہ گیر احتجاج نہیں ہوا اور نہ ہی اس قسم کے تشدد و ہتھیاروں کے لیے دعا کی۔

ان واقعات سے ایک بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ لوگ اعلانِ آزادی کے بعد جو گندہ شہنشاہی کے پھر سے وادی میں رونما ہونے لگے وہی ظاہر ہے موجودہ وقت پر حریت پسندوں کی حمایت میں ٹرکوں پر نکل آنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔
اور اس سلسلے میں اپنی جانوں کی بھی پروا نہیں کرتے گھاسی پاریں عبدالحمید شیخ نے اپنے ہاتھوں سے موجودہ ہے کہ لوگ نہ صرف ان کی سرگرمیوں کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہی دیلاں لوگوں کی بے شمار بھڑے ہو گئی تھی جس نے نہ صرف محروم پولیس بلکہ ان کا بھرپور ساتھ دینے کے لیے بھی تیار رہیں بشیر احمد شاہ کی گرفتاری کے موقع پر اہلکار محمد عبداللہ کی ٹیائی کی بلکہ اس کے سکوتر کو بھی نذر آتش کر دیا تو جوانوں نے اس سلسلہ چار دن تک بے شال ہڑتال کے بعد عبدالحمید شیخ کے پولیس کی گولی سے عبدالحمید شیخ کو سرکاری ہسپتال لے جانے کے بجائے جس طرح پہلے ان خود مریم کی لاش کو ہارنے کے بعد پوری وادی میں ایک پھر لاش لاش ہڑتال اور تشدد و امیر واقعات ان اور پھر ریڈیو نرسنگ ہوم لے جانے کا پرخطر کا زمانہ انجام دیا وہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان کے لیے غوث فراہم نہیں کرتے بلکہ تقویت کا باعث بھی ہیں بشیر احمد شاہ کی گرفتاری پھر اعلیٰ عدالت پر وعایہ مجالس کا انعقاد اور اس سلسلے میں لاٹو سپیکر وں پر اس کا بار بھاری پڑا تشدد بھڑے ہوئے والوں کی تعداد کم تھی لیکن شیخ اعلان اس بات کی واضح علامت ہے کہ لوگ اس معاملے میں حکومت یا پولیس کو بدلہ لینے نہ چاہتے تھے بلکہ انہیں حراست میں لینے کے بعد کے واقعات کے دوران یا میں لانے کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں اس بات کا کوئی خوف اور ڈر ہے کہ بننے والوں کی تعداد نہ صرف بڑھ گئی ہے بلکہ تشدد و امیر مظاہروں میں بڑھ چڑھ حصہ اس سلسلے میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔

۱۹۶۶ء میں جب وادی میں کشمیر لبریشن فرنٹ کی داغ بیل ڈالی گئی اور اس وقت آڑی اور سو پور بارہ مولہ اور وادی کے دوسرے قصبوں میں بھی مقبول ہٹ زیر زمین سرگرمیوں میں مصروف رہے تو حالات بالکل مختلف نوعیت کے مظاہروں کا سلسلہ جاری رہا حریت پسندوں کے تئیں والمانہ عقیدت اور زبردست تھے عام لوگ اس تحریک میں حصہ لینے سے گھبراتے تھے یہاں تک کہ مقبول بلکہ حمایت کا یہ مظاہرہ جہاں ان کے لیے باعثِ تشوہی ہو گا وہاں حکومت کے لیے ان کے ساتھیوں اور رنگ زیب، لیسین اور کالے خان کو پناہ دینے کے لیے لوگ بے حد شکات اور پریشانیوں کا موجب ثابت ہو گا اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ مسلح راضی کرنا کارے وارد تھا اگرچہ چند پڑھے لکھے نوجوان ان کی امداد اور حمایت کے لیے آئے تھے مگر انہوں نے عملی طور پر بھی نہ کیا لیکن سب کے ہاتھوں نے وادی میں انہوں نے وادی کی تمام سیاسی طور طریقے پر ہتھ مارا یہاں تک ان کے گھر والے بھی ان کی سرگرمیوں سے ناواقف

آزادی کی خواہش دہشت گردی نہیں

کثیر فریڈم مومنٹ کے عبد الحمید دیوانی کہتے ہیں !

سوال۔ دیوانی صاحب آپ پر نیشنلزم کی چھاپ کیوں ہے؟ کیا آپ کشمیر کو الگ

بنانا چاہتے ہیں؟۔

جواب۔۔۔۔ میں ہرگز نیشنلسٹ نہیں ہوں یہ لفظ مسلمان کے لیے گالی سے
میں یہ بات مجھ سے جناب راؤ رشید صاحب جو اس وقت پولیس کے سربراہ تھے
نے غاشی قلعے میں کہی تھی اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ تم کشمیر کی رٹ کیوں لگا رہے ہو تم لوگوں
کی حیات کر کے ہم نے آدھا ملک گنوا دیا ہے۔ ہم کسی کشمیر و کشمیر کو نہیں جانتے۔ اس وقت
میری حالت یہ تھی کہ میں رتھوں سے چور چور تھا میرے جسم کے ہر حصے سے خون بہہ رہا تھا
اور مجھے آئی جی پولیس کی موجودگی میں بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا تو راؤ صاحب نے مجھے
کہا کہ تم جیسے نیشنلسٹوں کے لیے بقیہ پاکستان داؤ پر نہیں لگانا چاہتے میں نے ان سے بھی
کہا تھا جناب عالی جہاد اپنی اصل روح کے ساتھ کشمیر میں نافذ ہو چکا ہے میرے پاس کشمیر
میں ہندوستان کے جید علماء کرام کے فتوے موجود ہیں ہر وہ جگہ جہاں مسلمان ابتلا کا شکار
ہے جہاں فہ آزادی کا سانس نہیں لیتا وہاں پہنچ کر جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ میں نیشنلسٹ
نہیں مجاہد ہوں اور آزادی کے بعد کشمیر کا الحاق پاکستان سے چاہتا ہوں اور یہی پالیسی
مکانت پاکستان کی ہے مگر میری ایک نہ سنی گئی اور مجھ پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔
جب میں کوٹ لکھپت جلی نمبر ۱۳ میں بند تھا تو میں نے کشمیر کی ہٹری کو ملے سے دلواریں
بارگونی۔ میں کوٹھری میں بند ہوتا تو دل کا غبار نکال کر تاتھا ایک شام میرے پاس جلی کا

کا وجود باقی نہیں رہا چاروں طرف ”مجاہدوں“ کا طوطی بول رہا تھا لیبر واقعات سے
ظاہر ہے کہ کشمیریوں اور دہلی کے درمیان فاصلے بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں حکومت
سے اشتہاری مجرم قرار دیئے گئے نوجوانوں کے تین عوام کی والدہانہ عقیدت کا اظہار
بغادت کے مترادف ہے۔

یہی وہ عبد الحمید شیخ ہے جو حریت پسندوں کی طرف سے بھارتی وزیر داخلہ
محمد سعید کی صاحبزادی کی رہائی کے عوض مانگے گئے حریت پسندوں میں سرفہرست
اور جس کی رہائی کے لئے وادی کشمیر شعلہ جوالہ کا روپ دھاک گئی تھی عبد الحمید شیخ
ہی انشا اللہ کشمیر کو بھارت کے نچر استبداد سے رہائی دلائیں گے کاش ہم ان جیالوں
دعا سے زیادہ بھی کچھ کر پاتے۔

گت کے قلعے چلاس میں ایف ایس ایف کی زیر نگرانی ایک زمین دوز اندھیری کوٹھڑی میں اپنے ساتھیوں سمیت بند تھا۔ تھوڑے ماہ میں اس اندھیری کوٹھڑی میں بند رہا مجھے تاریخ اور دن یاد نہیں رہے۔ سورج کی روشنی میں نہ آنے کے سبب ہمارے جسم سے ہمارے کمال اور مرنی شروع ہو گئی تھی۔ ہمیں زندہ رہنے کے لیے ناقص ترین غذا فراہم کی جاتی تھی۔ اور ایف ایس ایف کے افسران جب بھی ملنے آتے ایک جملہ ضروریات کہتے کہ بس بھٹو صاحب کا حکم آنے والا ہے تم لوگوں کو گولی سے اڑا دیا جائے۔ تو میں کہتا اللہ کے بند وارہ گولی جو ملے تم لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے موت تو کوئی معنی نہیں رکھتی۔ میں اس اذیت سے نجات پا کر اپنے اللہ کے حضور چلا جاؤں گا۔ جہاں اللہ میرے لیے بے حد آسانیاں اور انعام ہیں۔ جواب میں وہ کہتے کہ باگلی ہو گیا ہے۔ عرض کر رہا تھا کہ جس دن منید الحق نے حکومت سنبھالی چلاس کے قلعہ کا نظم و نسق ایف ایس ایف سے لیا گیا اور مجھے عزت و احترام سے سورج کی روشنی میں ایک آرام دہ کمرہ صرف رہنے کو ملا بلکہ ایک اور مل مجھے دیا گیا۔ ایک بریگیڈر صاحب نے جنرل صاحب کی جانب سے جند بنیر گالی کا ایک پیغام مجھے دیا اور بالآخر ایک فوجی عدالت نے مجھے نہ صرف باعزت بری کیا بلکہ جنرل صاحب کی طرف سے ایٹیلی جس کے کچھ افسران بارہا میرے پاس آکر رہے کہ آئے کہ میں کچھ رقم رولٹس کے لیے بنگلہ اور سیٹھ کوٹ میں زمین خریدنے قبول کر لوں گے میں نے جنرل صاحب کو کہلا بھیجا کہ مجھے ان آسائشوں کی ضرورت نہیں میں ایک کروڑ پتی خاندان کا فرد ہوں میرے پاس مقبوضہ کشمیر میں کروڑوں کی جائیداد ہے وہیں رہتا۔ مجھے اسلمہ پائے اور پاکستان سے نکلنے کی اجازت جنرل صاحب نے میری اس خواہش کے جواب میں کہا بھیجا کہ پاکستان ابھی آنا طاقتور نہیں۔ میں آج بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں کو آنا طاقتور بنادے کہ عالم اسلام کے حقوق کی بات کہہ اور منوا سکے۔

سوال ... جہاد کے متن میں علماء و مشائخ کے کردار کو آپ کن نظروں سے دیکھتے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں ان کی قیادت مؤثر نتائج برآمد نہ کر سکتی تھی اور پھر آپ کو عالم اسلام کی توجہ اس جانب مبذول کرانے میں قدرے آسانی ہوتی؟

ایک نمبر دار آیا کہ دیوانی صاحب جلدی کریں آپ کو یہ کوٹھڑی خالی کرنا ہے میں نے کہا کہ اب اور کون سے ترک میں سے جاؤ گے تو اس نے کہا کہ آپ کو لبتا بمتز جگر فرما کر ہے یہاں ایک اور شخص آ رہا ہے اور اگلے ہی دن جناب ذوالفقار علی بھٹو فرمائیں آئے۔ زندگی کی جدید سہولتیں اس کوٹھڑی میں مہیا کر دی گئیں بھٹو صاحب کو آئے ہوئے تھے کہ ایک جھارٹوکش عیسائی نے جو بھٹو صاحب کے کمرے کی صفائی پر تھا اس سے میرے کان میں کہا بھٹو صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے وہ جو کچھ آپ نے وہاں پر رکھا تھا۔ بھٹو صاحب انہیں گھورتے رہتے تھے۔ تو میں نے اس جھارٹوکش سے کہا کہ بھٹو صاحب سے کہہ دو جب وہ برسر اقتدار تھے تو انہوں نے میرے لیے کچھ نہ کیا تھا۔ بے پناہ غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اب جبکہ وہ میری طرح ایک قیدی ہیں مجھے کیا کہنا چاہیں گے۔ ان سے کہہ دو میں اب ان سے نہیں مل سکتا۔ تو اگلے دن اس جھارٹوکش نے بتایا کہ میں نے دیوانی صاحب آپ کا جواب ان تک پہنچا دیا وہ سن کر بڑے غور ہوئے انہوں نے سولے سے کہا میں اس شخص سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ اب ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ میں بہر حال انہیں صدق دل سے معاف کر چکا ہوں کہ شاید انہوں نے مجھے نیشنلسٹ کی نظر سے دیکھا تھا جبکہ میں توحید کے اعلان کے بعد جہاد کی نیت سے بھارتی ملیدار ۷۳ء لے کر پاکستان آیا تھا میں چاہتا تھا کہ عالم اسلام اس اہم مسئلہ کی طرف راغب کروں۔ اس سلسلے میں میں نے ہندوستان کے جدید علماء سے ملاقاتیں بھی کیں۔ جہاد کشمیر کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان افغانستان کے مسلح طرح عالم اسلامی کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ افغانستان کی جدید مسلح ہو کر شروع کی گئی۔ جبکہ میں نے جب بھی اسلحہ بھارت لے جانے کی کوشش کی ہے میں ہی دھریا گیا اور تشدد کا نشانہ بن رہا۔ مدر ضیاء الحق مرحوم اس مسئلہ کی نیکی سے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا بھیجا کہ ابھی پاکستان آنا طاقتور نہیں جتنا تم سمجھتے ہو دعا کرتے رب العزت اس کو وہ قوت و ہمت عطا کرے کہ پاکستان بھارت سے کشمیر کے درست تم سے کسی روکا وعدہ نہیں کر سکتا۔ فیاد الحق شہید جب برسر اقتدار آئے

مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا احمد علی لاہوری شاہ ولی اللہ اور شہدائے بالاکوٹ آج بھی ہمارے لیے شعل راہ ہیں۔ آج افغان جہاد میں ہزاروں علماء کرام سرکھٹ ہیں میں بھی نود و ق موع میں کھڑا کسی مجاہد عالم کا منتظر ہوں جب کشمیر کے بے بس مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو بھارتی مظالم سے نجات دلائے۔ میں ان کی قیادت میں عالم سپاہی کی طرح لڑنا فرما سکتا ہوں۔

سوال۔۔۔۔۔ آپ افغانستان بھی گئے ہیں وہاں آپ کی ملاقات علماء کرام سے ہوئی ہے کیا آپ نے اپنا مقصد ان کے سامنے رکھا اگر آپ نے مسکے انہیں بتایا تو ان کا موقف اس ضمن میں کیا رہا۔

جواب۔۔۔۔۔ جناب قائم عوام اور ان کے جیالوں نے میرے دل میں امیدوں کے برحق چراغ کو بجھا دیا تاہم جنرل صاحب نے خاصی امید دلائی میں نے وہ شمع پھر روشن کی میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بہت سارا وقت پاکستانی رباب اختیار کر لیا سمجھاتے ہوئے گزار دیا کہ وادی کشمیر کے مظلوم و مجبور اور محکوم مسلمان مرد عورتیں اور بچے پاکستان ہی کو اپنی منزل مقصود تصور کرتے ہیں اور چونکہ آپ بھی عالمی سطح پر اس مسئلہ کو اٹھائے ہیں لہذا میری اعات کی جائے تاکہ میں اپنے عمل سے انہیں اس ذلت سے نجات دلانے کی کوشش کر سکوں مگر میرے ساتھ کیا سلوک ہوا یہ آپ لوگ بار بار پڑھ چکے ہیں۔ اب جبکہ ضیاء الحق نہیں رہے اور اسلامی جمہوری اتحاد اقتدار سے محروم رہے تو پھر کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ لہذا اب ہرگز یہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا میں نے کشمیر کی پوری حالت زار جدید عالم باعمل اور مجاہد کبر حضرت مولانا ارسلان خان رحمانی کے سامنے رکھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہیں پہلے استفادہ کی جالالت کا علم نہ تھا۔ آپ بے فکر رہیے پاکستان اس مسئلہ میں پہلو تہی کرے تو کرے۔ ہم نہیں کریں گے۔ راستہ ہم پاکستان سے لیں گے اور بھارت کے تسلط سے اپنے دینی جانوں کو نجات دلا کر رہیں گے۔ اسی طرح کا بیان کم و بیش مولانا کما نند ان جلال الدین عثمانی اور نظام الدین حقانی نے بھی دیا ہے اور افغانستان کے علماء نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر فرست پاتے ہی اپنے گھر کی تعمیر بعد میں کریں گے پہلے بھارت سے نپٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں

جواب۔۔۔۔۔ میں اس بات کے خفی میں ہوں اور تشدد کے آخری معنوں کو کہ قیادت بہر حال علماء ہی کا حصہ ہے میرے والد صاحب جناب مفتی حسام الدین یک عالم دین ہی تھے میں گو کسی دینی ادارے میں علم حاصل نہ کر سکا یہ میری بد قسمتی ہی جان لیو مگر میں نے اسلامیات میں ماسٹر ڈگری لی۔ میرے معاملات ہندوستان کے علماء کے ساتھ تھے علماء ہی ہندوستان میں جہاد کو اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ کر کے لڑنا میں نے جہاد کے خصوص و خصوص سے ایک عام مسلمان بھی واقف ہو سکتا ہے مگر اس کی اصل روح سے نیاز صرف اور صرف علماء کرام ہی کو حاصل ہے۔ جب ہم جہاد کی اصل روح کے ساتھ نفاذ کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب وہ قواعد و ضوابط ہیں جو ہمیں قرآن و روئے سے ملے ہیں اور تاریخ شاہد ہے جس جہاد کی قیادت علماء کرام کے ہاتھ میں رہی وہ کامیاب و کامران رہا۔ آپ دوسریں جانا چاہتے تو افغانستان ہی کو لے لیجئے۔ قیادت کامل طور پر علماء کے ہاتھ میں ہے لہذا جہاد کا نفاذ اس کی اصل روح کے ساتھ ہونا نتائج سامنے ہیں اس سے قبل ۸۵ء میں اعلان جہاد کیا گیا۔ دینی مدارس کے طلبہ نے تحریک اٹھائی اور برطانیہ سے لڑے مگر جب قیادت میں عام لوگ بھی شامل ہو گئے پھر غیر مسلم بھی شامل ہوئے تو جہاد کے قواعد و ضوابط کو برقرار رکھنا ممکن نہ رہا اور نتیجہ ناکامی یہی حال ریشی رومال کا ہوا اور کم و بیش تحریک خلافت بھی اسی سانحہ سے دوچار رہی اور ہم غاظر خواہ نتائج حاصل نہ کر کے افغانستان میں غیر عالم عنصر اسے امریکہ اور روس کی سبھ کر میدان سے باہر رہے قیادت علماء کرام کے ہاتھ رہی تو نتیجہ دنیا کے سامنے ہے دینی مدارس کے طلبہ نے جو فوجی قواعد و ضوابط سے نا آشنا تھے روس کی باقاعدہ فوج کو مع بھارتی مشینوں اور بہترین اسلحہ کے ناکوں چھینے جو ادویئے کیونکہ اس جہاد کی قیادت علماء کرام کے ہاتھوں رہی لہذا پوری دنیا کے دینی مدارس کے طلبہ نے اس میں حصہ لیا۔ یونیورسٹیوں سے بھی طلبہ اس میدان میں آئے۔ دارالعلوم دیوبند سے بنگلہ دیش سے کویت سعودی عرب سے الجزائر سے لیبیا سے پاکستان سے اور نہ جانے کس کس خطے سے دینی علماء کے طلبہ نے اس جہاد میں حصہ لیا۔ حضرت مولانا عبد اللہ سندھی مولانا محمود الحسن اسیرا

یاد رہے کہ یہ وعدہ کسی سیاسی پلیٹ فارم سے نہیں ہوا اکتہ الشد کے لیے خون کا نذرانہ پیش کرنے والے ان مجاہدوں کی طرف سے کیا گیا ہے۔ منجھ رہا ہے کہ یہ جہاد کشمیر کی خوشنوداب دیگر اسلامی ممالک کی طرف بھی رخ کرے گی پاکستان دینی جماعتوں نے مکمل تعاون کا یقین دلایا ہے۔ غلامی میں قوموں کا مورال گر جاتا ہے اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ کشمیری مسلمان آج بھی جہاد کی راہ پر گامزن ہیں۔

سوال.... سارک کانفرنس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

جواب.... سارک کانفرنس کے نتائج میری توقع کے عین مطابق ہیں۔ اس سے پہلے بھی زیادہ پراسید نہیں تھا۔ مایوسی توقعات کی بنا پر ہوتی ہے موجود قیادت کے متعلق مجھے کوئی خوش فہمی نہیں۔ مجموعی اعتبار سے جائزہ لیجئے تو آپ کو نظر کہ سائنڈائشیا کی اقوام میں چھ ممالک اس تنظیم کے ممبر ہیں۔ جھوٹان بھارت ہی کا حصہ سری لنکا اور مالدیپ بھارت کے مشترک علاقے ہیں نیپال بھارت کی بھارت کی آؤڈر اور شر تول کا شکار رہتے ہیں۔ بھارت سے چھوٹے ہیں ان میں سے کوئی نہیں جو بھارت کی طرف کے خلاف کچھ منوا سکے کی پوزیشن میں ہو۔ رہی پاکستان کی پوزیشن تو اب بھارت کی سن سال حکومت ہے لہذا سوائے مدد سرائی کے یا ایک جھوڑے شو بزنس کے اس سے کوئی خاص خواہ نتیجہ برآمد نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ سب وقتی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ اسلام کے اس نظریہ سے بچائے اب اور بھی طاقتیں موجود ہیں جو پاکستان کی بقا کی مناسب ثابت ہوں گے۔

منجھ حکومت کا چیراغ آخری ہچکی لے چکا ہے ایک کروڑ مسلح افغان پاکستان کی طرف ہیں۔ اس سارک کانفرنس میں تین اہم شخصیات منظور کی گئیں یا یہ کہہ لیجئے کہ نہیں باتوں کو زیادہ اہمیت دی گئی یہ بات تو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہندوستان میں کسی بین الاقوامی معاہدے کی کوئی اہمیت نہیں اس کے ساتھ کسی شاستر میں ساتوں اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹا بولنا اور عہد سے پھر جانا اس وقت بہت ضروری ہے جب کسی مہیچہ کو فائدہ اور ہندوستان کو نقصان ہوتا نظر آئے۔ چوری کرنا دھوکہ دینا اور دھوکے میں رکھنا کرشن جی ماری کے زیر اصولوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہمیں اور بہت سی خرابیوں سے کیا لینا دینا

نہ صرف دھوکہ دہی اور عہد سے پھر جانے پر بات کریں گے۔ پاکستان کے تخیل کے اصل اور پہلے وارث جناب سید امیر علی نے وادی کشمیر کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا مسلمانو! یہ بات اچھی طرح جان لو کہ کسی مسلمان کے احق ہونے کے لیے یہ بات بے حد کافی ہے کہ وہ کسی ہندو کے وعدہ یا عہد کا اعتبار کرے۔ لہذا اس عہد کا بدل ہمیشہ سے تیار رکھو جو تم سے وہ ہندو کر گیا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے جو کانگریس نے مسلمانوں سے وعدے کئے چلے انہیں پارٹی پالیسی کہہ کر نظر انداز کر دیئے ہم ان عہد ناموں اور وعدوں کو زیر بحث لے آتے ہیں جو حکومت ہند نے حکومت پاکستان سے کئے۔ مولیٰ جناح اللہ اس کی قبر پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہے۔ ٹیل ٹاک میں کسی کانگریسی لیڈر کو ذلیل کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ گاندھی ٹیل پر جب مار جاتا تو اپنے آپ کو بے اختیار ممبر کہہ کر جھاک کھڑا ہوتا ان سب کا یہی کردار تھا لہذا جناح جو بھی معاہدہ ان کے ساتھ کرتے اس کا توڑ بھی ساتھ ساتھ لیتے کہ اگر یہ منحرف ہو جائیں تو پھر مسلم لیگ کون سی حکمت عملی اختیار کرے گی۔ وہ بھی ان ہندوؤں سے ہمیشہ شکا رہے اور انہیں وعدہ معافی کی صورت ہی دیئے رکھی۔ پاکستان بننے سے پہلے جو معاہدے ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے ان کی تفصیل بے حد طوالت کا سبب بنے گی میں بعد از ۱۹۴۷ء کا ذکر کروں گا۔ سب سے پہلا معاہدہ ایک انگریز ایڈمنسٹریٹر کی نگرانی میں ہی طے پایا تھا کہ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور ہندو اکثریت کے علاقے بھارت کا حصہ ہوں گے اور ریڈ کلف کو نگران مقرر کیا گیا مگر وہ کیا حیدر آباد وکن جو ناگڑھ مناو اور وادی کشمیر وایض مسلمانوں کے علاقے ہونے کے باوجود بھارت کا ٹوٹ انگ بنا دیئے گئے ریڈ کلف کو رشوت دے کر اور ناقابل تخریب طریقے سے لہجا کر معاہدے کی دوجیاں بکھر دی گئیں۔ اس کی ایک شق کہ پاکستان کے حصے کے اثاثے کرنسی پوسٹ پیسٹ اسلمہ اور دیگر چیزیں پاکستان کو دی جائیں گی کیا وہ دی گئیں؟ مشرقی پنجاب سے امن اور سلامتی کے ساتھ مسلمانوں کے اخراج کا معاہدہ کیا گیا۔ مسلمان کتنے خون کے دریائے جہنم عبور کئے گوشہ عافیت میں داخل ہوئے۔

نظم معاہدہ کیا گیا یہ معاہدہ چونکہ سراسر بھارت کے مظالم کا نگہداشت ہے اور اسے قائم عوام نے جو ساری عمر خود کو قسیری دنیا کے ذہن ترین لیڈر منواتے رہے انہوں نے نوے ہزار قیدی سے بلیک میل ہو کر کیا تھا اس معاہدہ کو سمجھنے کے لیے ایک مثال فردروں کا تاکہ بات جیالوں کی سمجھ میں آجائے ایک طاقتور آدمی ایک بچے سے لڑ پڑے اور اسے ایک معاہدہ پر مجبور کر دے کہ آئندہ جب میں تمہیں ماروں گا تم کسی اور کو مدد کے لیے نہیں بلاؤ گے بلکہ ہم خود ہی اس جھگڑے کا فیصلہ کریں گے اب بچہ جو کمزور ہے چھوٹا ہے اس معاہدہ کے تحت بدھ گیا اس سے رونے کا حق چھین لیا گیا ایک معاہدہ قائم عوام کے مشورہ پر تاشقند میں بھی ہوا تھا۔

جنرل ایوب خاں جو ایک اعلیٰ پایہ کے فیلڈ مارشل تو تھے محب وطن بھی تھے مگر سیاسی سوچ بوجھ سپاہی کا مسلک نہیں ہوا کرتی لہذا یہی قائم عوام تھے جنہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ کشمیر میں مجاہدین کی ایک جماعت داخل کر دی جائے بھارت نہایت با اصول لوگوں کا ملک ہے وہ انٹرنیشنل باؤنڈری کر اس نہیں کریں گے لہذا اجاہی داخل ہوئے مجھے اس کی پیشگی اطلاع نہیں دی گئی۔ میں ان دنوں جامع مسجد سری نگر میں میرا اعظم کے ہمراہ جو درشتہ میں میرے چچا تھے (تقریریں کرتا پچھتا تھا چندھاکے ہوئے تو میری بھی آنکھ کھل گئی میں گھس گیا اور پھر گھستا چلا گیا میں نے تاشیغی سمجھی ایسے ہی ایک بدستے کو پناہ دیئے ہوئے تھا ۲۷ جون ۱۹۶۵ء کو گھر سے دور ایک مقام پر جس کا نام کوپلہ رہا ہے پچھڑایا گیا میرا مکان سری نگر سے چالیس میل دور وولر جھیل کے کنارے قصبہ بانڈی پورہ میں تھا البتہ میری ایک خالہ سری نگر کے محلہ ٹورا میں رہتی تھی شیخ عبداللہ جس کے والد شیخ ابراہیم جو سری نگر ہی کے محلہ نو شہرہ میں بہری بیچارے تھے اور شیخ عبداللہ ٹیچر ہو گیا تو میرا اعظم مولانا یوسف شاہ صاحب جو میرے چچا ہیں آزاد کشمیر کے صدر بھی رہے انہوں نے عوام میں اسے بڑے اعتماد سے مخالفت کروایا۔ جب یہ پالور ہو گیا تو بک گیا اس کے خریداروں نے میری خالہ کے بالکل متصل جگہ بھی خرید کر اس کو دیا اور جب میں سری نگر کا لہج میں پڑھتا تھا تو نذوق عبداللہ

سکھوں کے ماٹرنائٹنگ جیسے نیم ہندو کے ذریعے سے معاہدہ کیا گیا کہ مسلمان اگر پنجاب میں خون سے نہ لادیں گے تو سکھوں کو نہ صرف الگ قومی تصور دیا جائے گا بلکہ بھارتی زمین میں الگ قوم کا درجہ دیا جائے گا اور پنجاب میں داخلی خود مختاری دی جائے گی مگر دیا گیا صرف ایک کروڑ روپیہ وہ بھی صرف تار سنگھ کو اور جیسے ہم کشمیری پچھتر لاکھ میں بکے اس طرح سکھ قوم ایک کروڑ میں خریدی گئی سکھوں نے حق خدمت ادا کر دیا مگر انہیں ملا کیا۔ ایک ذلت آمیز غلامی۔ پاکستان بھارت کا بڑا دشمن قرار پایا۔ جہاں سکھوں کے تمام مذہبی مقامات پوری طرح نہ صرف حفاظت میں رکھے گئے بلکہ وہ آتے ہیں اور یا تار کرتے ہیں بھارت میں ان کے اکال تخت کی بار بار سخت بے حرمتی کی گئی۔ ان کے ساتھ کئے گئے معاہدے کا پھر کیا انجام ہوا کشمیر کے بے بس اور مظلوم جب عقوبت خاںوں میں پھڑپھڑائے اور ان کی سلاخی خون سے سرخ ہو گئیں باہر بھارتی نو نزع کے عالم کو جا پہنچی تو نہرو نے ان خود استصواب رائے کی عرضداشت لیا این او بی داخل کرادی اس بین الاقوامی معاہدہ جو لیاقت نہرو معاہدہ کہلایا گیا اس پر ہندو نے عمل کیا جو خود اس کی خواہش پر ضابطہ تحریریں لایا گیا تھا۔ پھر نون نہرو معاہدہ ہوا پھر پانی کی تقسیم پر ایوب خان نے کیا کیا عہد نامہ مگر اس سے روگردانی کر کے بھارت نے سلال ڈیم بنایا۔ اب سری نگر اور بارہ مولا کے درمیان ۱۹ میل چوڑی اور ۶۰ میل لمبی جھیل وولر پر وولر ڈیم بنایا جا رہا ہے تاکہ دریائے جہلم کا پانی پاکستان کو نہ دے کہ پنجاب کو نہ دھوکہ نہ بھرنا جا سکے۔ دہاں میری تنظیم نے حکومت مقبوضہ کشمیر کو ایٹی میٹم دے دیا کہ اس ڈیم کو ٹاڑ دیا جائے گا ہم پاکستان کے حصے کا پانی جو اللہ نے ہم کشمیریوں کو دیا ہے اپنے پیارے پاکستان کو اس حق سے محروم نہیں ہونے دیں گے نتیجتاً کوئی کشمیری مزد اس ڈیم کی تعمیر میں حصہ نہیں لے رہا لیبر لیوی اور بہار سے منگوائی پڑی ہے اب سکھوں کے خوف سے کہ ان کے حالیہ سنیلاب جو ایک خطرناک منصوبہ کے تحت سکھوں اور پاک کو تباہ کرنے کے لیے بھاگڑہ ڈیم سے لایا گیا تھا اس ڈیم کے ایم ڈی کو سکھوں نے گولی مار دی سکھوں نے بھی وولر ڈیم کی بنا پر کھلی دھکی دے دی لہذا کام دہاں بند پڑا ہے اس کے بعد

میرا اہم مکتب تھا۔ بلا کا شرابی بدکردار مگر کند ذہن تھا۔ میں تو عرض کر رہا تھا کہ مجھے گرفتار کر کے اور پاکستانی ایجنٹ قرار دے کر سری نگر کے خوفناک ترین انٹروگیشن سیل باغ متباب سیل نمبر ۱۶ میں بھیج دیا گیا وہاں غلام قادر ڈوگر کا مدھڑیلی جیسے منکر اور مشہور ترین ایس پی کے حوالے کر دیا۔ غلام قادر ڈوگر پولیس میں ملازم تھا نہ پانچ جماعت پاس کر کے حوالدار بن گیا تھا اور اپنے ظلم کی وجہ سے پورے کشمیر میں جانا جاتا ہے اس لئے تھے ہی میرے ناخن اور پاؤں کے ناخن تار کاٹنے والے پلاس سے اس بے دردی سے کاٹے کہ پتھر کی دیواریں بھی اس بربریت پروردی ہوں گی یہی حال دوسرے مجاہدوں کا بھی ہوا پھر ہم جو درد سے بے حال تھے ہماری پتلونوں کے پانچے باندھ کر سھو کے چوہے چھوڑ دیئے گئے رات بھر ہم اس دوسرے عذاب میں رہے۔ صبح ہم سے پوچھا گیا کہ بناؤ پاکستانی دہشت گرد کہاں ہیں مگر علم چنچہ صرف مجھے تھا باقی یہ بات نہ جانتے تھے لہذا وہ مجھ سے اس شدید بربریت کے باوجود یہ سب نہ پوچھ سکے۔ پھر جب میرا جواب نفی اس قادر یا کو ملا تو اس نے پسی ہوئی مچی میں ہمارے ناخولوں پر ڈوا دی۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ میرے مالک گرامتھان لیا ہے تو مجھ کو دراور بے بس کو مہبت بھی عطا کرے جو لاٹ کا باقی مہینہ ہم نے قادر جوڈ کو قادر مطلق سمجھا تھا اس کی تحویل میں گزارا۔ باقی مجاہدین چونکہ مجھ سے پھار لگ کر دیئے گئے تھے لہذا ان کا علم پھر مجھے کبھی نہ ہونے پایا شہادت ملی فرار ہونے کے غازی ہی رہ گئے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ جب بھارت نے ہر معاہدہ کو بالا لئے طاق رکھ دیا جاتے ہوئے کہ کشمیر بس جا پاتا ہے بین الاقوامی سرحد عبور کر کے لاہور پر حملہ کر دیا تو مجھے بھی سری نگر سے جوں منتقل کر دیا گیا سیل نمبر ۱۶ متباب باغ سری نگر میں جو دن گزارا وہ قیامت سے کم نہ تھے۔ میں ان کے منہ سے جب وہ مجھ سے سوال کرتے تھے جب لفظ پاکستان سنتا تھا تو جیم میں ایک فرحت کا احساس سا دڑتا تھا راتوں کو وہ جب مجھے ادھوا کر کے ایک زمین دوڑاندھیری کو ٹھہری میں پھینک جاتے تو میں پاکستان کا فتح کے جواب دیکھا کرتا مجھے ایسے لگتا کہ ابھی ابھی جیل کا دروازہ کھلے گا اور پاکستانی

وہی جوان بوٹ سبالتے میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے دیوانی صاحب آپ کو بے حد بچے ہیں آئیے پہلے ہسپتال چلیں پھر مجھے گرم دودھ پلا کر نرم ترین بستر پر لٹا دیا جائے گا۔ صبح کے خواب سبائے راتوں کو اؤگلتا ہوتا صبح بھر وہ مجھے مارنے لے جاتے۔ آپ میرے پاگل پن پر شاید یقین نہ آئے قادر یا راکش پاکستان کو گامیاں دیا کرتا تھا ایک دن میں نے گالی دی وہ میرے قریب ہی بیٹھا تھا میں نے پوری قوت سے اپنے خون آلود ہاتھ سے ایک مکہ اس کے منہ پر دے مارا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں کہ ان لوگوں نے کیا کیا میں نے تو آنکھ انہی اس اندھیری کو ٹھہری میں کھولی جہاں فرش پر میرے اور نہ جانے کن کن مجاہدوں کے خون کی بو مجھے اور زیادہ پریشان کر دیتی۔ میں بے حد کمزور ہو گیا ہوائے گرم پانی کے یا کمین دلیئے کے کچھ نہیں کھا سکتا تھا میرا منہ پورا کھل ہی نہ سکتا تھا سینئر فائر بزنس تک مجھے جموں جیل میں رکھا گیا پھر کشمیر کی خوفناک ترین جیل کٹھوعہ جلی منتقل کر دیا گیا ٹھوکر جلی اور کٹھوعہ از خود پورا علاقہ سانپوں اور بکھجوروں کے لیے مشہور ہے۔ آپ یقین کریں کہ جلی کے ہر کمرے میں سانپ اور بکھجور لافند اچھوڑے گئے آج کل وہاں کچھ حریت پسندوں کو رکھا جاتا ہے سبیل یعنی وہ چھوٹا سا کمرہ جس میں مجھے رکھا گیا تھا۔ اس کے ایک کونے میں زمین سے چار فٹ اونچا اور ساٹھ سے تین فٹ لمبا ایک فٹ چوڑا ایک تھڑا سا بایا گیا تھا جس کی دیواریں ایک خاص قسم کے تیل سے چڑھی ہوئی تھیں۔ بکھجور اور سانپ اس پر چڑھنے کی کوشش کرتے مگر پھسل جاتے ان سانپوں اور بکھجوروں کو باقاعدہ خوراک دی جاتی تھڑا چونکہ بہت چھوٹا تھا لہذا حائی ماہ میں نے اس پر بیٹھ کر ادیکھ کر گزارے اور بٹ کر نہیں سوا۔ دن میں ایک بار وہ صرف ایک گھنٹے کے لیے مجھے باہر نکالتے اور میں اہر کل کر ہی زمین پر لیٹ جاتا جب پریم ناٹھ سپرنٹنڈنٹ جیل تبدیل ہو گیا اور ایک کچھ بیلو وہاں آیا تو اس نے مجھے دن بھر باہر جلی کی چار دیواری کے اندر رکھنے کا حکم دیا۔ نہ صرف رات کو ہی وہاں بند کیا جاتا جو میں جاگ کر گزار لیتا۔ اپنے دکھوں کی وہ داستان بڑھی گئی گزار کر دن کا۔ سردست مجھے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہندو اور عہد نامہ مختلف چیزیں ہیں۔ اب چوتھی سارک کا نفرنس میں کشمیر ساجن گلیشیر اور دیگر اہم مسائل

جن میں افواج میں کسی ڈیفنس بجٹ میں کمی زیر بحث نہیں لائی گئی اولیت ایٹمی ٹھکانوں پر حملہ نہ کرنے کا وعدہ پاکستان سے لیا گیا۔ یہ معاہدہ اگر نہ بھی ہوتا تو بھی بھارت پاکستان کے چھوٹے سے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرتا حالانکہ اسرائیل اور روس دونوں نے ایسا کرنے کے لیے دباؤ بھی ڈالا اور وسائل مہیا کرنے کا وعدہ بھی کیا مگر بھارت ہتھاکر اسی ایک پلانٹ کے بدلے پھر کیا کچھ اور کتنے پلانٹ گنوا نے پڑتے۔ لہذا یہ معاہدہ سراسر بھارت کی جیت ہے اور اس نے عوامی دورے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دل ننان کی اعانت سے پاکستان آرمی کو اس کے کئی اقدام کے جواب میں باعہدہ لیا ہے۔

دوسرا معاہدہ ڈرگ کا ہے۔ ڈرگ یا تو پاکستان اور افغانستان کے درمیان پڑے جسے وزیرستان کہا جاتا ہے وہاں بے یاروس سے اس کے ایجنٹ یورپی اور اسلامی ممالک کے لیے لاتے ہیں۔ پاکستان محض گزرگاہ ہے یہ درست ہے کہ دریا جہاں سے گزرتے ہیں وہاں کی جگہ بھی گیلی ہوتی ہے نہریں کھود کر پانی ادھر ادھر لے جایا جاسکتا ہے اگر اسے امریکہ اور یورپ کے لیے بھیجتا رہے۔ درمیان سے بھارتی یو پارٹی اسے بلی کی ملی بھگت سے بھارت لے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی فیصدی بھارتی انتخاب حکومت پاکستان ریجنل زبردباؤ بڑھا کر اسے بھارت بلانے سے روکے گی۔ امریکہ اور یورپ نے اپنی طرف آنے والے تمام راستے جدید ایئر کیئر مشینز پر پاکستان کو قفل کر کے دباؤ دے کر بند کرانے ہیں اب اس سیلاب کو جو شمال مغرب سے آ رہا ہے اپنی ہی کھیتیاں اجاڑنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ پاکستان پولیس کا کاردار اچھی طرح واضح ہے۔ تیسری بات دہشت گردی کو روکنا۔ دہشت گردی کی ہم بھی مذمت کرتے ہیں مگر قوموں کا دوسری قوموں سے ظلم اور نا انصافی کی بنا پر آزادی کی خواہش کو دہشت گردی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس معاہدے کی رو سے عوامی حکومت سکھوں کے معاملات کو کارڈ سمجھنے لگی ہے سکھ قوم جو ڈھاکہ کی قبیلہ اد میں انڈیا میں رہتی ہے ہم کثیر مسلموں کی طرح بھارت سے حق خود ارادی طلب کرنے پر مجبور کر دی گئی ہے۔ ہماری طرح ان سے بھی معاہدہ کیا گیا تھا جو تاریک پٹیل معاہدہ کہلاتا تھا کہ ہمیں مسلمانوں کو قتل کرنے کے عوض خالصتان عطا کیا جائے گا۔

محل محرمیوں کے بعد وہ اپنا حق مانگتے ہیں تو یہ دہشت گردی نہ ہوئی ان کے جائز حق کا منب ہوا۔ پاکستان پر الزام لگایا جاتا تھا کہ سکھوں کو کساتا ہے۔ ہتھیار فراہم کرتا ہے ریٹنگ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ بھارت کے اندرونی معاملے میں مداخلت ہے میں کہتا ہوں کہ تامل موریوں میںہ ورام کے باسیوں کو گورکھوں کو، ناکالینڈ میں بسنے والے مجبور عوام کو کشمیری حریت پسندوں کو کیا پاکستان اسلحہ ٹریننگ مہیا کرتا ہے۔ ان لوگوں کو کس نے کسا یا میب الرحمان اپنی تمام تر خباثتوں کے باوجود کیا کر لیتا کیا بھارت کو زیادہ مراعات دے داندہ منظرہ قیاس بھی پاکستان کو درپیش ہے ایک موثر ایلائنس مغربی پاکستان کی جماعتیں مل کر پاسکی تئیں جو ایک موثر دباؤ سے اسے ایسا کرنے سے باز رکھ سکتیں جتنی جیسے آج

پاکستان میں اسلامی جمہوری اتحاد کی شکل میں موجود ہے جس دن ڈھاکہ خال ہوا میں سری نگر جیل میں تمام رات ساڑھے آٹھ بجے اندر گا ندھی نے بڑے فخر سے آکاش دانی کے ریڈیو سے قوم کو خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ دو قومی نظریہ لمحہ سندھ میں غرق کر دیا گیا ہے ہم جیل میں تھے۔ جگہ کی صورت حال سے بے خبر جس دن اچانک یہ خبر سنی میری امیدوں کے چراغوں میں سے ایک چراغ اور بجھ گیا گنتا تھا میں اندر گہرے اندھیرے میں پھینک دیا گیا ہوں کہ یہ کشمیر کیالیں گے آدھا ملک گنوا دیا۔ میں نے جذبات میں شرابور ہو کر بیرک کے اندر ہی پوری قوت سے پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا دیا۔ میرے ساتھیوں نے بھی نعرے لگائے جس کی قیمت مجھے اگلے ہی دن چکانی پڑی مولوی فاروق میرے ساتھ ہی بیرک میں بند تھا ہم وقت اپنے بچوں کو یاد کر کے جتنے شعرا سے یاد تھے پڑھا کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ تھی خبر یہ دے دی کہ وہ حکومت ہند کا وفادار رہے گا اس کے ساتھیوں کو اس کی رہائی کی اطلاع دے کر اسے رہا کر دیا گیا۔ جو اسے چھوڑنے کے بارہا کہتا تھا کہ اسے گئے اور میں

میں کوڑے لگا کر ایک ماہ سزا اور پڑھا کر دوبارہ بند کر دیا گیا۔ بات دہشت گردی کی مذمت کی ہو رہی تھی راجیو گا ندھی نے سری لنکا مالدیپ اور مشرقی پاکستان کے صدر کے سامنے جانے کس نمبر سے دہشت گردی کی مذمت کی تھی۔ ہم بھی پوری قوت سے دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں مگر نہایت ادب سے جناب راجیو سے پوچھتے ہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

را، آزاد ریاست بنانے کیلئے کوشاں

کہ ایران اور ترکی سے دفاعی۔ اقتصادی اور معاشرتی معاہدے کرنے چاہئیں۔ اگر روس سے نام نہاد معاہدہ دوستی کر سکتے تو یہیں بھی امریکہ کو تھوڑا سا مارا چاروں مسلمان ملکوں کو لائسنس بنانا چاہیے اس طرح آہستہ آہستہ مسلمان بر تعداد بڑھ سکتی ہے۔ ایران عراق کے ساتھ اپنے تنازعات طے کر رہا ہے لہذا ممالک پاکستان کی اس ضمن میں حوصلہ افزائی کریں گے۔ افغان جو خالص اسلامی قز کر اہرنے والے ہیں ترکی جو یورپ سے ٹیکنالوجی حاصل کرتا ہے ایران جو تیل کی دولت سے مالا مال ہے یہیں ماضی کے اپنے اصل روابط ہی زندہ رکھ سکتے ہیں۔ راجکو کرنے کے لیے کشمیر لوگس کے پورٹو اتار کر کشمیریوں کو سڑکوں پر ڈنڈے مار کر انہیں جلیوں میں ٹھونس کر ہم بھارت سے اپنا وجود نہیں منوا سکتے۔ وجود طاقت ہی منوا جا سکتا ہے۔ خصوصاً بھارت جیسی مکار حکومت جو طاقت کے علاوہ کوئی نرا نہیں سمجھتی۔ ہمارا اپنا اسلامی الائنس جب مضبوط ہوگا کشمیر میں مذاکرات کی میز پر مل سکتے ہیں۔ ہم بھارت کی قید میں رہنے والے سی پی یو پی کے مجبور و مقہور مسلمانوں جو میں کروڑوں بھی متجاوز ہیں ہم انہیں تب ہی عزت سے زندہ رہنے کا حق دلا ہے ہیں۔ ہماری جواں سال عوامی قیادت ایک جھٹکے سے ان نفسیاتی بندھنوں سے آزاد ہو کر ایک باوقار قوم کو اس احساس تحفظ سے عاری قوم کو نجات دلا سکتی ہے جا پال اور کو ریانے ترقی یافتہ ہو کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ترقی صرف مغربی اقوام کا حصہ نہیں

مقبوضہ کشمیر سے ملنے والی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق حریت پسندوں اور فوج کے درمیان زندگی اور موت کا معرکہ اپنے نقطہ عروج کو چھو رہا ہے۔ اندیشہ آئندہ بات یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پاکستانی حکومت نے اس مسئلے پر قدرے نظر سیدھی لیا ہے گو کہ اس کے پس منظر میں بھی گزشتہ ۳۲ سال کے تلخ قتال کی بنا پر اب اس سب سے بڑھ کر حریت پسندوں کی جان توڑ جدوجہد کا فرمایا ہے پاکستانی وزیر اعظم سب سے نظر سیدھونے وزارت خارجہ اور داخلہ کو احکامات جاری کر دیئے ہیں کہ بھارت سے مذاکرات کا سلسلہ فوراً منقطع کر دیا جائے اور دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات کی سطح پر پہنچنے والے رابطوں اور اجلاس کو مقبوضہ کشمیر کی صورت حال میں بدیلیوں تک مؤخر کر دیا جائے۔

ان احکامات کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بھارت سیکرٹریوں کے اجلاس کو اپنے ہاتھ کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور پاکستان پر پنجاب اور مقبوضہ کشمیر میں لائنٹ کا الزام لگا کر دباؤ کی صورت حال پیدا کی جائے گی جیسا کہ بھارتی حکام انہی میں کرتے آئے ہیں۔ خیال رہے کہ گزشتہ دنوں ایوان صدر میں ہونے والے ایک جلسے کے دوران بعض اعلیٰ حکام نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مقبوضہ کشمیر کی موجودہ صورتحال براہی ہو چکی ہے کہ بھارت کو معاملات اپنے لئے تھکے سے نکلتے رکھائی دیتے ہیں۔ اس منہ سال سے نکلنے کے لیے بھارتی انٹیلی جنس راء نے ایک منصوبہ تیار کیا ہے کہ

پاس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نو ٹولینٹ کی کمی ہے نہ ہی وسائل کی۔ اللہ نے ان قوم کو شعور کے ساتھ ساتھ ہر اس دولت سے نوازا ہے جو ہیں ہمارے اسلاف قوت اور عزت عطا کر سکتی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اب ہم یہ جرأت مندانہ فیض قوم کو اعتماد میں لے کر اپنی بقا کو یقینی بنائیں اپنے وقار کو بحال کریں۔ یہ نہ سوچیں کہ ہیں کب تک اقتدار میں رہنا ہے۔ یہ نہ سوچیں کہ ہیں کیونکر زندہ رہنا ہے۔

پہلے دیتی تھیں اس تبدیلی کی ایک بلکہ سب سے اہم وجہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا ورثہ ہونا ہے۔ جس کے نتیجے میں بھارت کو پاکستان پر تقریباً ہر لحاظ سے برتری حاصل ہو گئی ہے اور پاکستان کی حکومتیں اور سیاسی پارٹیاں بھارت سے کسی قسم کے تصادم کو پاکستان کی سالیبت کے لیے ایک بڑا خطرہ تصور کرتی ہیں مسئلہ کشمیر سے پاکستان کی سرحد کی دوسری وجہ اس مسئلے کے بارے میں عالمی رائے عامہ کی عدم توجہی ہے جو بھارت کی انتہائی شاطرانہ ڈپلومسی پاکستان کی اپنی غلط پالیسیوں اور کشمیری لیڈروں کی کوتاہ اندیشیوں اور اقتدار پرستی کا نتیجہ ہے بھارت نے اپنی شاطرانہ سفارتی سرگرمیوں کے ذریعہ دنیا کو یہ تاثر دیا ہے کہ کشمیر بھارت کا آئینی حصہ ہے۔ اور کشمیر کے عوام بھی نام نہاد کشمیر کے بھارت سے الحاق کو حتمی سمجھتے اور اس کی حمایت کرتے ہیں بھارت دنیا کے سامنے اور ان کے استدلال کے سلسلے میں مہاراجہ کشمیر کی طرف سے بھارت سے الحاق اور راجہ میں نام نہاد کشمیر اسمبلی کی طرے سے اس کی توثیق کو ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے جبکہ مؤرخانہ استدلال کے ثبوت میں وہ کشمیر کے شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کو پیش کرتا رہا ہے جو کشمیر کے نام نہاد انتخابات میں بھاری اکثریت سے جیتے رہے ہیں اور کشمیر کے بھارت سے نام نہاد الحاق کو حتمی قرار دیتے ہیں بھارت کے یہ بنیاد استدلال بین الاقوامی سطح پر کس حد تک کامیاب رہے ہیں اس کا اندازہ درج ذیل دو مثالوں سے ہو سکتا ہے۔

میں ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۴ء تک اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاسوں کے دوران نیویارک میں مختلف ممالک کے وزرائے خارجہ اور سفیروں سے ملنا ملا دیا نہیں مسئلہ کشمیر سے متعلق اصل حقائق سے آگاہ کرنے کی کوشش کرنا ملان میں سے کچھ تو مسئلہ کشمیر کی تفصیلات سے بالکل بے خبر سے بھارت اور پاکستان کے مابین ایک طائفائی تنازعہ سمجھتے تھے اور کچھ کا کہنا تھا کہ کشمیر کا بڑا حصہ بھارت کے پاس ہے وہاں باقاعدگی سے انتخابات ہوتے ہیں اور ان انتخابات میں بھاری اکثریت سے جیتنے والی پارٹیاں کشمیر کے بھارت سے الحاق کو حتمی سمجھتی ہیں مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا

مقبوضہ کشمیر میں ایک نام نہاد آزاد ریاست قائم کرنے کی کوشش کی جائے جو آزاد ریاست ہوگی لیکن درحقیقت یہ بھارت کی طفیلی حکومت ہوگی پاکستان کو ان میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے خیال رہے کہ خیال ہی میں پاکستان کے خصوصی ایچی ٹر عبدالتار کے دورہ بھارت کے دوران بھارتی وزیر مغل دی پی نگھ نے اس ضرورت پر زور دیا تھا کہ مشترکہ کمیشنوں کے اجلاس بلائے جائیں تاہم اس طے کی جائیں کہ ان کے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ دفاع اور دفاع کے سیکرٹریوں کے درمیان اجلاس جلد از جلد منعقد ہوں بھارتی حکومت نے یہاں دیا تھا کہ دفاع کے سیکرٹریوں کے مذاکرات میں بھارت اس وعدے کا اظہار کرے کہ وہ اپنے فوجی ان چکیوں سے ہٹائے گا کہ جو دنیا کا بلند ترین اور سرورس ترین میدان جنگ ہے پاکستانی حقیقت اور دل نے اس امر کا گنجل بھی دیا تھا کہ داخلہ سیکرٹریوں سطح پر ہونے والی بات چیت میں اس بات کا امکان ہے کہ بھارت کی طرف سے پاکستان میں موجود سکھوں کے تہیتی کمیوں کی ایک فہرست بھی پیش کی جائے گی اور یہ الزام عائد کرتے ہوئے کہ پاکستان سے تخریب کا مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو رہا ہے مشترکہ گشت کا تقاضہ کیا جائے گا۔

ایسے الزامات عائد کرنا جھوٹ بولنا اور اس بات کے بل بوتے پر اپنی تمام گناہی بھارتیوں کا دلیرہ ہمیشہ سے رہا ہے کشمیر کی موجودہ صورت حال پر جولن لبریشن فرنٹ کے چیئر مین امان اللہ خان کا انٹرویو پیش ہے۔

سوال ... مسئلہ کشمیر نے ۴۷ء سے آج تک پاکستانی نقطہ نظر سے کیا امینہ اور کیا موثر اختیار کیا اس میں ہماری سیاسی جماعتوں اور حکومت کے کردار کا کیا کیا تجزیہ کریں گے؟

جواب ... مسئلہ کشمیر نام پاکستان کے فوراً بعد سے کچھ مدت پہلے تک پاکستان کا اہم ترین قومی مسئلہ رہا لیکن گزشتہ تقریباً ڈیڑھ عشرے سے پاکستان کی حکومتی اور حاکم کی سیاسی پارٹیاں بھی اس مسئلے کو وہ اہمیت نہیں دے رہیں جتنی

نواہ اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے اقدامات کرتا رہا جس کے نتیجے میں مسئلہ کشمیر جو بنیادی طور پر ایک کرد کشمیریوں کے حق خود ارادیت کا مسئلہ ہے آہستہ آہستہ بھارت پاکستان کے مابین ایک قطعہ زمین کی ملکیت سے متعلق ایک تنازعے کی صورت اختیار کر گیا اور عالمی رائے عامہ دو ملکوں کے مابین علاقائی تنازعات میں کوئی دھپسی نہیں رکھتی۔

مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے بھارت و پاکستان کی ناکامی جن کی بنیادی وجہ بھارت کی ہٹ دھرمی اور پاکستان کی کچھ غلطیاں تھیں، کے بعد اس عالمی ادارے کے کچھ نمائندوں (سراون ڈکشن ڈاکٹر گراہم اور گونا جیرنگ) کی کوششیں بھی بھارت کی ہٹ دھرمی اور پاکستان کی کچھ غلطیاں پاکستان کی ان تمام غلطیوں کا امتزاج جھوٹا صاحب کے دور افتادہ میں شائع ہونے والے مسئلہ کشمیر کے بارے میں رسائی واسطے پیر میں کیا گیا ہے کی وجہ سے انہماک ہو گئیں اقوام متحدہ کے آخری نمائندے نے اپنی رپورٹ میں مسئلہ کشمیر کے حل نہ ہونے کی پوری ذمہ داری بھارت پر ڈالی تھی۔ لیکن پاکستان اس رپورٹ سے استغفادہ کرنے میں ناکام رہا ۱۹۶۰ء میں مجھے اقوام متحدہ میں متعین سب سے سینئر امریکی صحافی (جولائی ۱۹۶۱ء) سے اقوام متحدہ سے منسلک ہیں اور مسئلہ کشمیر پر ہونے والی بحثوں اور دیگر سرگرمیوں کی تفصیلات کے بارے میں جبران کن منسلک باخبر ہیں، نے بتایا کہ اقوام متحدہ کے آخری نمائندے کی یہ رپورٹ سلامتی کونسل کے ریکارڈ سے ہی غائب کر دی گئی ہے۔

۱۹۶۲ء کی چین بھارت جنگ کے دوران بھارت نے امریکہ کے صدر کینیڈی کے ذریعہ پاکستان سے کہلوا یا کہ اگر اس جنگ کے دوران پاکستان بھارت کے مشکلات میں اضافہ نہ کرے تو بھارت جنگ کے بعد مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل تلاش کرنے کے لیے پاکستان سے با مقصد سنجیدہ اور پر خلوص مذاکرات کرے گا۔ پاکستان خطہ کی دباؤ کے تحت، یہ تجویز منظور کر لی اور چین بھارت جنگ کے خاتمے کے بعد مسئلہ کشمیر پر بھارت اور پاکستان کے درمیان وزارتی سطح پر مذاکرات کے

کہ بہت سے مسلمان ملکوں کے نمائندے بھی بھارت کے اس پروپگنڈے سے متاثر تھے۔ مئی ۱۹۶۰ء میں اسلام آباد میں ہونے والی مسلم وزراء خارجہ کانفرنس کے دوران میں سینگال کے وزیر خارجہ جو اس کانفرنس کی ڈرافٹ کمیٹی کے چیئرمین تھے سے ملان ان سے درخواست کی کہ وہ مسئلہ کشمیر کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کر کے کٹر بھارت کے حق خود ارادیت کے حق میں ایک قرارداد کانفرنس میں پیش کریں۔ انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ اس قسم کی قرارداد کسی دیگر ملک کی طرف سے پیش ہونی چاہیے میں ڈرافٹ کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے ایسی قرارداد پیش کرنے کا مجاز نہیں ہے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ کشمیریوں کا سب سے بڑا لیڈر شیخ محمد عبداللہ ہے اور اس کی پارٹی نے حال ہی میں کشمیر کے انتخابات میں ۶۰ فیصد ووٹ حاصل کئے ہیں اور وہ بھارت سے کشمیر کے الحاق کو حتیٰ قرار دیتا ہے، اسکے مقابلے میں آپ کے پاس اپنے نظریے کے حق میں کوئی بڑا عوامی مینڈیٹ نہیں ان حقائق کے پیش نظر مجھے آپ کے مطالبے کا کیا جواز ہے میں نے ان سے کہا کہ روڈیشیا کے بشپ موزیلا اور اس کی پارٹی نے وہاں کے انتخابات میں ۶۸ فیصد ووٹ حاصل کئے تھے کیا آپ بشپ موزیلا کو روڈیشیا کے عوام کے حقیقی لیڈر اور ان انتخابات کو رائے عامہ کا صحیح نقشہ تصور کرتے ہیں اس پر اس نے بڑے جارحانہ انداز میں کہا کہ بشپ موزیلا تو نسل پرست آئن سمٹھ کا اینٹ ہے اور وہ انتخابات سے اسرافٹ تھے میں نے کہا بالکل اسی طرح شیخ محمد عبداللہ تو وسیع پسند بھارت کا کٹھ پتلی ہے اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے نام نہاد انتخابات بھی ایک بڑا فراڈ ہوتے ہیں جس کی تصدیق خود بھارت کے باخبر اخبارات اور افراد کرتے ہیں اس پر وہ خاموش ہو گئے بہر حال پاکستان کے ایک دوست اور ایک اہم اسلامی ملک کے وزیر خارجہ کے اس استدلال سے بھارتی پروپگنڈے کے اثرات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کے بارے میں پائی جانے والی سرد مہری کی مدد سے وجہ خود پاکستان کی انتہائی ناقص کشمیر پالیسی رہی ہے۔ پاکستان ابتداء سے ہی انتہائی

پانچ راؤنڈ ہوئے ان مذاکرات کے دوران سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ پاکستان نے مسٹر
پراپنے سابقہ موقف (کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت) سے علاؤمتہ دار ہو گیا ان مذاکرات
کے ابتدائی راؤنڈ میں ہی دونوں وفد اس بات پر متفق ہو گئے کہ مذاکرات کے دوران اس
مسلے کا حل کشمیریوں کے حق خود ارادیت یا کشمیر میں رائے شماری کی بجائے کچھ لو کچھ دو کے اصول
کی بنیاد پر تلاش کیا جائے گا۔ چنانچہ پاکستان نے ابتدا میں ہی پیشکش کی کہ صوبہ جموں کے
ہندو اکثریتی اضلاع بھارت لے لے اور ریاست کا باقی حصہ پاکستان کو ملے اس کے
برعکس بھارت نے پیشکش کی کہ کشمیر میں حد متارہ جنگ میں کچھ معمولی سی تبدیلیاں کر کے
اسی کو پاک بھارت سرحد بنایا جائے مذاکرات کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ فریقین
موقف کے درمیان علیحدگی بھی کم ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک مرحلے پر بھارتی مقبوضہ کشمیر
دریائے جہلم کو پاک بھارت سرحد بنانے کی تجویز بھی سامنے آئی یہ تجویز پاکستانی وفد کا
ایک ممبر نے غیر رسمی طور پر (غالباً فیملہ کے طور پر) پیش کی تھی اس تجویز کو تسلیم کرنے کا اعلان
یہ ہوتا کہ بھارت کو پورے صوبہ جموں (بھارتی مقبوضہ) کے علاوہ وادی کشمیر کا دریائے
جہلم کے جنوب والا علاقہ بھی مل جاتا یہاں تک کہ وادی کشمیر کے تمام اہم شہر دیرگ
سولپورہ، بارہ مولہ بھی بھارت اور پاکستان میں تقسیم ہو جاتے کیونکہ دریائے جہلم ان دونوں
شہروں کے درمیان سے گزرتا ہے پاکستان کی طرف سے کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر مسئلہ کشمیر
اصولوں کا یہ سودا ایک انتہائی قابل انصاف قدم تھا بہر حال خوش قسمتی سے یہ مذاکرات
بھی بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام ہو گئے اور کشمیر ایک انتہائی غیر قدرتی غیر انسانی
اور غیر منصفانہ طرز پر پیشہ کے لیے تقسیم ہونے سے بچ گیا لیکن ایک طرف دنیا کو یہ تاثر ملا
پاکستان کشمیریوں کے حق خود ارادیت میں دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ جگتے چور کی لنگوٹی ہے
کے مذاق بھارتی مقبوضہ کشمیر کا کچھ حصہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف جب
کشمیریوں کے دلوں میں بھی حکومت پاکستان کے بارے میں شکوک شبہات پیدا ہوئے
جواب بین الاقوامی سطح پر جہاں بھارت کے سفارتی مشن کشمیر میں بھارت کی لنگوٹی ہے
پر پردہ ڈال کر مسئلہ کشمیر کے بارے میں اپنے غلط موقف کو انتہائی خوبصورت لباس

سے حالات معمول پر آنے کے بعد مناسب وقت پر دونوں ملکوں کے حکام و طرفہ مذاکرات کے ذریعہ مسئلہ کشمیر کا ایک دائمی حل تلاش کریں گے۔ جس کے بعد دونوں ملکوں کے سربراہان حکومت اس حل کی بنیاد پر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ لیکن جب تک یہ حل تلاش نہیں کیا جاتا اس وقت تک فریقین جموں و کشمیر میں امن کی جنگ کے دوران حاصل شدہ علاقوں پر قابض رہیں گے یا درہمے کہ اس جنگ کے دوران بھارت نے ریاست کے شمال میں پاکستان کے زیر کنٹرول وسیع علاقے پر قبضہ کیا تھا معاہدہ شملہ کے تحت ان علاقوں کے بھارت کے قبضے میں رہنے کے نتیجے میں ہی بعد میں بھارت یا چین کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

(۱) کشمیر میں حد متنازعہ جنگ کا نام لائن آف کنٹرول رکھا جائے (حد متنازعہ جنگ کی اصلاح سے یہ تاثر ملتا ہے کہ کشمیر میں عارضی طور پر جنگ بند ہوئی ہے جو کسی وقت بھی دوبارہ شروع ہو سکتی ہے جبکہ لائن آف کنٹرول کی اصطلاح خاص کر جبکہ فریقین نے اسے عبور نہ کرنے کا اقرار بھی کیا ہو، ریاست کی مستقل تقسیم کے سوا اور کیا مطلب رکھ سکتی ہے۔

(۲) فریقین مسئلہ کشمیر کو کسی بین الاقوامی ادارے میں نہیں اٹھائیں گے جس کا مطلب ہے کہ پاکستان اس مسئلے کے بارے میں عالمی رائے عامہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے دستبردار ہو گیا)

(۳) کئی بھی فریقی لائن آف کنٹرول کو عبور نہیں کرے گا۔ (جس کا مطلب کم و بیش یہ ہے کہ اسے مستقل سرحد تسلیم کیا گیا۔ اور

(۴) فریقین کسی ایسی تنظیم کو ابھرنے نہیں دیں گے جس کی سرگرمیوں کے نتیجے میں بھارت اور پاکستان کے تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس نکتہ کا مقصد بھارت کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ انقلابی نظریات اور پروگرام کی حامل کشمیری تنظیموں کو کچل دیا جائے۔

پر سخت اعتراض تھا اس لیے جموں و کشمیر کو اس رپورٹ سے خارج کیا جاتا ہے اس نوٹ کے ساتھ سینیٹر رپورٹ چار نے بھارتی سینیٹر کے خط کا متن بھی شامل کیا تھا۔ مجھے اس حقیقت کا علم ستمبر ۸۰ء میں ہوا جبکہ نظر ثانی شدہ رپورٹ فروری ۸۰ء میں شائع ہوئی تھی جب میں نے اس سلسلے میں پاکستانی مشن سے رابطہ قائم کیا تو یہ جان کر شدید رورہ گیا کہ پاکستان کے سینیٹر باسفارت خانہ کے کسی اور افسر کو اس انتہائی اہم دستاویز میں اتنی بڑی تباہ کن تبدیلی کا علم ہی نہیں تھا حالانکہ یہ تبدیلی سات ماہ قبل ہوئی تھی یہ ہے پاکستان کے سنیٹروں کی کارکردگی کی ایک جھلک۔ میں نے ۸۶ء میں برطانیہ کے جیل سے اقوام متحدہ میں بھارتی مشن کی طرف سے اقوام متحدہ میں کشمیر سے متعلق ریکارڈ میں ایک اور انتہائی نقصان دہ تبدیلی کرانے کے بارے میں پاکستان کی وزارت خارجہ اور اقوام متحدہ میں پاکستانی مشن کو خط لکھے تھے لیکن وہاں سے مجھے خطوط کی رسید تک نہیں ملی۔

سوال۔۔۔ شملہ معاہدے کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب۔۔۔ پاکستان کا مسئلہ کشمیر سے متعلق سب سے زیادہ نقصان دہ اقدام معاہدہ شملہ تھا گو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جون ۱۹۴۷ء کے احاطہ میں بھارت اور پاکستان کے سربراہان حکومت کے مابین شملہ میں ہونے والے مذاکرات میں بھارت ایک فاتح اور پاکستان ایک شکست خوردہ فریق کی حیثیت سے شریک ہوا تھا اور مذاکرات کے اس کھیل میں تریپ کے تمام تپتے بھارتی وزیر اعظم کے ہاتھ میں تھے اس کے باوجود پاکستانی وفد نے پاکستان کے مفادات کا کامیابی سے تحفظ کیا اسے اس کے وہ تمام علاقے واپس مل گئے جن پر بھارت نے ۱۹۴۷ء کی جنگ کے دوران قبضہ کیا تھا اور جنگی قیدی بھی لیکن جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے اس سلسلے میں پاکستانی وفد چاروں شانے جیت ہو گیا کچھ حلقوں کے اس الزام میں کوئی وزن نہیں کہ شملہ میں کشمیر کے بارے میں ایک خفیہ معاہدہ بھی ہوا تھا۔ کیونکہ معاہدہ شملہ بذات خود کشمیر کی زندگی کے متروک ہے اس کے ساتھ کسی خفیہ معاہدے کی ضرورت ہی نہیں۔

معاہدہ شملہ میں کشمیر سے متعلق اندراجات کا لب لباب یہ ہے کہ دونوں ممالک

سوال... کثیر لیدروں کو آپ اس صورت حال سے بری الزمہ قرار دے رہے ہیں؟

جواب اس صورتحال کی ذمہ داری ریاست کے دونوں طرف کے کثیر لیدروں بھی عائد ہوتی ہے بھارتی مفروضہ کثیر ہیں وہاں کی سب سے بڑی سیاسی شخصیت نچوہر نے ڈوگرہ راج کے خلاف طویل جدوجہد اور ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۴ء تک ۱۰ دہائیوں کے دوران تقریباً پندرہ سال تک پس دلیوار زنداں یا گھر پر نظر بند رہنے پر باوجود مجموعی طور پر بھارت کے کٹھ پتلی حکمرانوں کا دار ادا کیا۔ وہ اپنے اقتدار کے دوران ایک طرف تو ریاست کے محب وطن بھارت دشمن اور آزادی پسند عناصر بری طرح کھیلے رہے اور دوسری طرف بین الاقوامی سطح پر بھی بھارت کے ہاتھ بندھ کر رہے۔ شیخ صاحب اپنی اسیر لویوں اور نظر بند لویوں کے دوران بھی کثیر کے بہ کئی واضح منزل کی نشاندہی کی بجائے مبہم مطالبات ہی کرتے رہے اور دوبارہ ڈالنے ہی ان سے بھی دستبردار ہو کر بھارت کے گیت گانے لگے مفروضہ کثیر برسرِ اقتدار آنے والے دوسرے لیدروں نجفی غلام محمد جی ایم صادق میر قاسم رحیم عبداللہ اور جی ایم شاہ نے تو بھارت کی جی حضوری میں رہی سہی کسر بھی کر دی۔

جہاں تک آزاد کشمیر کا تعلق ہے ریاست کے اس علاقے کو آزاد کرنا کرنا ایک انقلابی حکومت قائم کرنے کا بنیادی مقصد اس علاقے کو میں کبھی بنا کر اس کے باقی حصے آزادی کے لیے جدوجہد کرنا تھا لیکن ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی بعد اصرار کے لیدر جنگ آزادی کو چھوڑ کر جنگ اقتدار میں مصروف ہو گئے اور آزادی کے سلسلے میں ان کی سرگرمیاں سیاسی سطح پر نہ بانی جمع خراج کی مدد ہو گئیں۔ آزادی کشمیر کی بڑی پارٹیوں میں سے کسی نے بھی جنگ آزادی کا حامی ہونا نہیں چاہا بلکہ جن چھوٹی تنظیموں نے انہیں آزادی کی مدد کی کوشش کی ان کی بڑی جماعتیں ان کی مدد

اس معاہدے کی درج بالا مہلک شہوتوں سے بھی زیادہ قابلِ انصاف بات یہ ہے کہ اس میں نہ تو کشمیریوں کے حق خود ارادیت کا کوئی ذکر ہے نہ ہی کشمیریوں کو بڑے اس مسئلے کے سب سے اہم فریق ہیں، فریق تسلیم کیا گیا ہے اور ایک کروڑ سالوں کی قسمت کو بھارت اور پاکستان کی افسر شاہی اور سربراہان حکومت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک کروڑ کشمیریوں سے اس سے بڑی دشمنی اور کیا ہو سکتی ہے پاکستان کے کچھ حلقے دعویٰ کرتے ہیں کہ معاہدہ شملہ نے سروخانے میں پڑے ہوئے مسئلہ کشمیر کو پھر سے زندہ کر دیا اور یہ کہ بھارت سے مسئلہ کشمیر کا وجود تسلیم کیا اس سلسلے میں عرض ہے کہ معاہدہ شملہ کی درج بالا مہلک نوعیت کی نسبت تو اس مسئلے کا اپنی سابقہ نوعیت میں سروخانے میں پڑا رہنا ہی بہتر تھا۔ جہاں تک بھارت کی طرف سے مسئلہ کشمیر کے وجود کو تسلیم کرنے کا تعلق ہے مسئلہ کشمیر کے بارے میں بھارت کی افسر شاہی یہ ہے کہ پاکستان ریاست جموں و کشمیر کے جس حصے کو آزاد کشمیر و گلگت بلتستان پر قابض ہے وہ اسے بھارت کے حوالہ کرے کیونکہ لپوری ریاست جموں و کشمیر کا آئینی حصہ ہے بھارت مسئلہ کشمیر کے بارے میں پاکستان اور محب وطن کشمیریوں کی تشریح کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔

پاکستان کے ایسے ہی اقدامات نے مسئلہ کشمیر کو بنیادی طور پر اپنا اور خالصتاً ایک کروڑ کشمیریوں کے بین الاقوامی طور پر مسئلہ حق خود ارادیت کا مسئلہ تھا ایک ملاقاتی کئی مسئلہ دیدی جس کے نتیجے میں بین الاقوامی برادری اس سے لائق ہو گئی یہاں تک کہ پاکستان کے دوست ممالک بھی مسئلہ کشمیر پر بات کرنے سے کتراتے ہیں۔ اس مسئلے کے بارے میں پاکستان اب عالمی رائے عامہ سے کس قدر محروم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس مسئلے کے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس پر موجود ہونے کے باوجود پاکستان اس پر کونسل میں بحث کا مطالبہ نہیں کر پاتا کیونکہ معاہدہ شملہ کے تحت اس پر عائد پابندی کے علاوہ اسے کسی مثبت اور نام نہان طریقہ پاس کرانے کے لیے مطلوب تعداد میں کونسل کے ممبروں کی حمایت کی امید نہیں۔

کرنے کی بجائے ان کے راستے میں دیوار بن گئیں۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا
ہوگا کہ مسئلہ کشمیر اور تحریک آزادی کشمیر سے متعلق موجودہ صورت حال کی ذمہ داری
پاکستان کی حکومتوں کے ساتھ ساتھ کشمیری لیڈروں پر بھی عائد ہوتی ہے۔
سری نگر کی گلیوں اور بازاروں میں مسلمانوں کے خون کی مہل کیلی جاری ہے
جسارتی کٹھن پٹی فاروق عبداللہ کے بیان کے مطابق بھی پانچ ہزار بے گناہوں کو
پس دیوار زندان کر دیا گیا ہے۔ یہاں افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑے گی کہ
اسلامی ممالک کا رد عمل ہماری توقعات کے مطابق نہیں ہے شاید ابھی تک انہوں
نے مسئلے کی سنگینی کا احساس نہیں کیا یا پھر ان تک مسئلے کا صحیح ابلاغ نہیں ہو سکا۔
کچھ بھی رہی ہو لیکن اس بات کی شدت سے مزور ہے کہ پاکستانی حکومت عالم
رائے عامہ کو خصوصاً اسلامی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرے اور اب وہ
آگیا ہے کہ مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر کشمیری حریت پسندوں کی جدوجہد
عملی معاونت کرے۔

ہندو سامراج

پاکستان پر بھارتی حملہ

مطبوعہ: ۲۴ مئی ۱۹۸۸ء

گزشتہ تین ماہ سے مشرقی پنجاب میں سکھوں کی جدوجہد آزادی اور آزاد مملکت پاکستان کے حصول میں بہت شدت آگئی ہے۔ علیحدگی پسند سکھوں نے اپنے ذرائع سے بالآخر کار ہتھیار راکٹ لاپنچر اور میزائل بھی حاصل کر لیے ہیں اور اب وہ بھارتی سی آر پی، ایف ایف فوج اور پولیس پر حملے کرنے لگے ہیں۔ صورت حال حکومت کے کنٹرول سے اتنی بے قابو ہو چکی ہے کہ اسے مجبور ہو کر سنت جرنیل سنگھ جیٹڑ والوالہ کے بھتیجے اور دربار صاحب کے پیٹ گرنٹی بھائی جیسر سنگھ اور دیگر سنگین نوعیت کے مقدمات میں لوٹ سکھ لیڈروں کو جن میں خوانین بھی شامل ہیں اور جنہیں دربار صاحب پر بھارتی فوج کے حملے کے دوران گرفتار کیا گیا تھا جندیہ خیر سنگا کی کڑی نظر میں رکھنا پڑا۔

بھارتی حکومت کو حسب روایت سکھوں کی تحریک خالصتان میں شدت پیدا ہونے میں بھی پاکستان کا لحاظ نظر آیا ہے اور بھارتی وزیر داخلہ اور وزیر اعظم گزشتہ تین ماہ سے پاکستان کو سخت نتائج بھگتنے کی دھمکیاں بھی دیتے آ رہے ہیں جبکہ اس کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ حکومت پاکستان محض اپنی نیک نامی کی خاطر باہر اس خوف کے پیش نظر کہ بھارت کوئی اور مسئلہ نہ کھڑا کر دے۔ برطانوی امریکی اور کینیڈین شہریت کے حامل سکھوں کو پاکستان آنے کی اجازت نہیں دیتی۔

ابھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ سنیکیڑوں یورپی اور امریکی شہریت کے حامل کھنکھن کا تعلق سکھوں کی مختلف تنظیموں سے ہے انہیں گزشتہ تین سال سے پاکستان

بھارتی قیادت نے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی سے جہاں پاکستان کی مالز کے لیے خطرات پیدا کرنے شروع کر دیئے تھے وہاں اپنے دوسرے ہمسایوں کے بھی بھارت خوف و دہشت کی علامت بن چکا ہے۔ بھوٹان اور سکیم کو اس نے اپنے اندر ضم کر لیا ہے اور مالدیپ سری لنکا نیپال پر اپنے گٹھ جوڑے بٹھا ہے۔ ہوس ملک گیرج کی خواہش بھارتی حکمرانوں کو آسٹریلیا کے ساحلوں تک ہے ہے اور حال ہی میں فجی نامی چھوٹے سے ملک نے بھارتی سفارتکاروں پر سنگین الزام عائد کر کے بھارتی حکومت کو اپنا سفارتخانہ بند کرنے اور فجی سے نکل جانے کیلئے کہا۔ نیپال کی بھارت نے معاشی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ مالدیپ میں خود ہی کروا کے خود ہی مدد کا مہمان بنایا اور اپنی فوجیں داخل کر دیں سری لنکا میں اس نے کرنے کے لیے گس گیا لیکن اپنی ہی چال میں چسپ کر دیاں سے ذلت آمیز پسپائی کی اور واپس بھی لوٹ آیا۔

ہنگو دیش بھارت کا خود ساختہ ملک ہے جس کے ساتھ اب بھارت گئی ہے جنرل ضیاء الرحمن کو "را" کے ذریعے قتل کروا کر بھارت نے اب ہنگو میں بھی "ہنگو جھومی" کے نام سے علیحدگی پسند تحریک کا آغاز کر دیا ہے۔

خدا کے فضل اور بے پایاں رحمت سے اس خطے میں صرف پاکستان ہی ایک ملک ہے جو بھارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے بات کرنے کی ہمت ہے جبکہ پاکستان کے خلاف سازشوں، ریفیٹہ دوانیوں اور تمام تر عیاریوں کے باوجود بھارت کو ذلت کا منہ ہی دیکھنا پڑا۔ ان مضامین کا مطالعہ آپ کو بھارتی سامراج کا اصل چہرہ دکھا دے گا۔

آنے کی اجازت نہیں دی جا رہی محض اس لیے کہ یہ لوگ حکومت ہند کے خلاف ہیں۔ درخواست گزار پاکستانی سفارت خانوں میں جب دینے کے لیے اپلائی ہیں تو حلفا کہتے ہیں کہ ان کا مقصد محض اپنے مذہبی مقامات کی یا تہا ہے کیونکہ بھارتی قرآن کا داخلہ دینے ہی ممنوع ہے دے کر ایک پاکستانی ہی الیا ملک رہ جاتا ہے جہاں ان کے تاریخی اہمیت کے مقدس مقامات نسا نہ صاحب، پنجم صاحب اور غیرہ موجود ہیں اور ہر مذہب کے پیروکار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہبی مقامات کو ایک نظر نہ در دیکھ لے۔

اس بات کا بھی کوئی امکان نہیں کہ یہ لوگ پاکستان آکر کوئی سیاسی مقاصد پورے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے سیاسی مفادات پاکستان سے وابستہ نہیں۔ اگر حکومت محض ہندو سرکار کو مطمئن رکھنے کے لیے ان لوگوں کی آمد پر پابندی لگاتی ہے تو اس مقصد میں بھی کامیابی حاصل نہیں ہو رہی کیونکہ پاکستان کے خلاف الزام تراشیوں کا سلسلہ روز بروز ہی چلا جا رہا ہے اور اب تو نویت یہاں تک آئی ہے کہ بھارتی حکومت نے پاکستان کو "ہارٹ پر سوٹ" کی دھکیاں بھی دینی شروع کر دی ہیں۔

بھارتی حکومت کے سیاسی اثر و رسوخ یا پھر یورپی ممالک کی ڈگ لگائی ہوئی کیونکہ بھارت جیسی ہندو کوٹھ سے گوانے کا خطرہ وہ مول نہیں لے سکتے۔ وجہ کچھ یہ بھی ہو بھارتی حکومت نے اکثر ممالک میں ناستان نواز سکھوں کا ان کی اپنی حکومتوں کے ہاتھوں ناطقہ بند کر دیا رکھا ہے۔

امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ میں تو خاص طور سے بھارتی سفارت خانے اس لیے میں خامے سرگرم رہتے ہیں خصوصاً امریکہ اور برطانیہ میں بھارتی سفارت خانے اور ان کے متخواہ دار ایجنٹ سکھوں کی منافی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔

گزشتہ سال جب میں برطانیہ گیا تھا تو وہاں کے ہر قابل ذکر گورو دار سے بھارتی حکومت کی طرف سے حکومت پاکستان کے خلاف طبع شدہ اشتہارات پھینکے جاتے تھے اکثر اشتہارات میں ان دنوں یہ کہا جا رہا تھا کہ پاکستانی حکومت شہید گنج کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی جا رہی محض اس لیے کہ یہ لوگ حکومت ہند کے خلاف ہیں۔ درخواست گزار پاکستانی سفارت خانوں میں جب دینے کے لیے اپلائی ہیں تو حلفا کہتے ہیں کہ ان کا مقصد محض اپنے مذہبی مقامات کی یا تہا ہے کیونکہ بھارتی قرآن کا داخلہ دینے ہی ممنوع ہے دے کر ایک پاکستانی ہی الیا ملک رہ جاتا ہے جہاں ان کے تاریخی اہمیت کے مقدس مقامات نسا نہ صاحب، پنجم صاحب اور غیرہ موجود ہیں اور ہر مذہب کے پیروکار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہبی مقامات کو ایک نظر نہ در دیکھ لے۔

بناتے ہیں لیکن یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔
۱۲ اپریل بیاہکی کا تہوار تھا۔ بیاہکی کو سکھوں کے ہاں زبردست مذہبی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس روز سکھوں کے ۱۰ ویں گورو گو بند سنگھ جی نے باقاعدہ سکھ پن্থ کا آغاز کیا تھا۔ اس مرتبہ کیونکہ دربار صاحب انٹر سیریس بیڈ گرنٹی سر دا جسر سنگھ سنت جرنیل سنگھ جیٹراوالہ کے ہتھیے اور خالصتان حاجتی تھے جنہیں حال ہی میں حکومت ہند نے غیر مشروط طور پر رکھا ہے اس لیے اس بیاہکی پر جوش و خروش کچھ زیادہ ہی دیکھنے میں آیا۔ اس موقع پر جہاں دنیا بھر میں موجود سکھوں کی نگاہیں بھائی جسر سنگھ کی طرف لگی ہوئی تھیں وہاں بھارتی حکومت کو بھی بھائی جسر سنگھ کی طرف دیکھنا پڑا۔ دربار صاحب کے بیڈ گرنٹی کی طرف سے جاری کردہ کوئی بھی بیان طرفین کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا۔

بھارتی حکومت کو تو جی امید تھی کہ اس نے رملٹی دیتے وقت بھائی صاحب سے اگر کوئی سودے بازی کی تھی تو اس بات تک وہ آج ہی ادا کر سکتے تھے ورنہ رملٹی روز پیلے ہی پینٹھک کیٹی کی طرف سے یہ بیان جاری ہو چکا تھا کہ بھارتی حکومت سے سودے بازی کی کوشش کی گئی تو اس کے خطرناک نتائج جھگڑے ہوں گے اور سکھ پن্থ کسی لیڈر کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں کہ وہ اس کی قربانیوں کا سودا کر سکے۔ دراصل حکومت ہند کو بھائی جسر سنگھ کے رملٹی کے بعد کے بیانات سے کچھ خوش نہیں پیدا چلی تھی لیکن بیاہکی کے روز ملاک کے مجمعے سے خطاب کرتے ہوئے بھائی جسر سنگھ نے کہا کہ سکھوں کے لیے سوائے اپنی علیحدہ مملکت کے حصول کے اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا اور وہ ہرگز اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ آزادی کے حصول کے لیے سرگرم سکھوں اور حکومت کے درمیان مذاکرات کا اہتمام کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دنیا بھر میں موجود سکھوں کو جدوجہد آزادی تیز کرنے کا حکم بھی دیا بھائی صاحب کا یہ حکم نامہ ۱۳ اپریل کو لندن کے سب سے قدیم اور بڑے گوردوارے ”سنگھ سجا“ ساؤتھ ہال لندن میں ہزاروں خالصتان نواز سکھوں کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا گیا۔

اس لمحے سکھوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ ہزاروں کہ پانی نضا میں لہرا رہی تھیں اور اکال ناتوں آئی آواز خالصتان زندہ باد کے نعرے نضا میں گونج رہے تھے۔ بعد میں ہندوستان میں بھی جہاں لاکھوں کی تعداد میں ہندی رنگ کی دستاویں سجائے گئی کہ پانی دربار میں اسلمہ برادر سکھ عورتوں، مردوں اور بچوں نے خالصتان زندہ باد کے نعرے بھارتی سیکورٹی فوج کی موجودگی میں لگائے۔ ان افراد کی گونج بیاہکی کے تہوار پر بھارتی پنجاب بلکہ دنیا بھر میں پھیلے سکھوں کے گوردواروں میں سنی گئی۔ بیاہکی کے اس موقع پر دنیا بھر میں سکھوں نے خصوصی مذہبی مجالس برپا کیں جہاں گورو گرنتھ صاحب کی موجودگی میں لاکھوں سکھوں نے خالصتان کے لیے جئے رملے کے عہدہ کئے۔ خالصتان کے حصول کی جدوجہد میں مارے گئے سکھوں کے لیے زبا پر گوردوارے ہیں ”آٹھ صاحب کا بھوک ڈالا گیا۔ خیال رہے کہ لندن کی فضا ناک خاص کلد رہے جہاں خالصتان نواز سکھوں اور مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف بدوا در سند نواز سکھ لابی خاصی سرگرم رہتی ہے۔ ان لوگوں کے آپس میں جھگڑے آئے اور معمول بنتے جا رہے ہیں اور اب سورت حال یہ ہے کہ برطانوی پولیس کو سکھوں پر ہندوؤں کے تہواروں پر سیکورٹی کے خصوصی انتظامات کرنے پڑے ہیں۔

بھارت نواز سکھوں اور ہندوؤں کو اس سلسلے میں سفارت خانے کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور بھارتی سفارت خانے کا پبلک ریلیشن سیکشن جو اصل میں بھارتی پبلک ریس ”را“ کا ذیلی دفتر ہے اس سلسلے میں خصوصی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ بھارتی پبلک ریس نے برطانیہ میں اپنی بہت سے ”پاکس“ بنا رکھی ہیں اس سلسلے میں سفارت خانے کے علاوہ بھارتی خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندے بھی ایام کہ دار ادا کر رہے ہیں جن میں دو نام خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

اس فرس کی ادائیگی سنت نامہ دوسری بھارتی اسٹیشن کر رہے ہیں۔ خاص طور ساؤتھ لینڈ کے شہر کاڈنٹری میں بھارتی وزیر داخلہ لوطا سنگھ کے دست راست متا بامیاں سنگھ کا گوردوارہ اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ ایسے ہی ایک سنت

کو اس سے پہلے لندن میں سکھ قتل کر چکے ہیں جس کے بعد سے میاں سنگھ زیادہ ہی محتاط ہو گیا ہے اور دہلیں "پر دو گرام" دھرم کرم کے حوالے سے ہی انجام پاتے ہیں پاکستان کے خلاف لائیک صرف ایشیائی ممالک کے باشندوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بھارتی لابی نے مقامی پولیس کو اپنے یودی کرم فراموں کے توسط سے کنٹرول میں لے رکھا ہے۔ خاص طور سے "روزنامہ دی ٹائمز" کا رویہ محل نظر ہے۔ انہوں نے چند روز پیشتر مارش کے آخری ہفتے میں اپنے ایک ادائیے میں سکھوں کی بھارت میں معاندانہ کارروائیوں پر تبصرہ کرنے کے بعد یہ لکھا تھا کہ بھارتی حکومت اب کوئی بھی انتہائی اقدام کرنے میں حق بجانب ہے۔ اسی ادارے کے بعد سے برطانیہ میں یہ افواہ زور پکڑ رہی ہے کہ بھارت مئی سے جون تک پاکستان پر حملہ کرے گا۔ ایک ریٹائرڈ سکھ فوجی آرمی نے جو بھارت کے پالیسی ساز اداروں میں خدمات انجام دے چکا ہے اور آج کل خالصتاً کی تحریک میں سرگرم ہے مجھے لندن میں بتایا کہ اخبارات اور فوجی مبصرین کے اندازوں کے برعکس بھارت سندھ کشمیر یا پنجاب کے بجائے سیاحت پر حملے کا زور رکھے گا کیونکہ وسائل کی بہت کمزوری کی وجہ سے بظاہر بھارت کو اس فرسٹ پیر برتری حاصل ہے اور اسے یہ بھی امید ہے کہ چین بہت سوچ سمجھ کر ہی اس لڑائی میں حصہ لینے کا فیصلہ کرے گا۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو "واخان" میں موجود روسی افواج کے لیے ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع شامراہ تک پہنچنا کوئی اہم مسئلہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے پاکستان کو اس محاذ سے آنکھیں بند کرنا نہیں چاہئیں۔ کیونکہ فوجی کام سے کسی بھی علاقے کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔

بھارت کی طرف سے پاکستان پر حملے کی افواہیں عوامانہ ممبر میں گشت کیا کرتی ہیں اس مرتبہ صورت حال اس کے برعکس ہے اور بھارتی وزیر اعظم کے غیر ذمہ دارانہ بیانات اور جنوں کی حد تک خطرناک اسلئے کے حصول نے واقعی برصغیر کے عوام کو یہ سوچ پر مجبور کر دیا ہے کہ عین ممکن ہے بھارت سرکار کوئی انتہائی اقدام کرے اور برطانیہ میں رہنے والے بھارت اور پاکستان کے باشندوں نے صورت حال کچھ سمجھ رہی ہو نہ سمجھ

میں نے ایسے پندرہ ڈاکوؤں کو اپنے ایک آپریشن میں بطور سزا مار ڈالا ہے جو ان کی زمین اس طرح کی کارروائیاں کر رہے تھے۔ خالصتاً کے حصول کے لیے برسرِ بیکار گروپ کے لوگوں کے تعاقب میں تو میں لیکن مکمل طور پر ان کا سامنا یا ممکن نہیں۔

متحارب گروپوں کی تیادت فوج والوں کے ہاتھ میں ہے۔ جتنی کہ دربار صاحب کے ہڈی گڑھ بھائی جیسے سنگھ کی عمر بھی بیشک ۲۸ سال ہے اور شاید وہ کچھ تاریخ میں سب سے کم عمر ہو۔ مگر سختی رہے ہوں۔

سکھ لیڈر فیڈریشن کے رہنما ڈاکٹر جیو سنگھ رائے سکھ فوج والوں میں مقبول ترین شخصیت ہیں۔ ڈاکٹر رائے پیٹھ کے لحاظ سے ایک ماہری این ٹی سرجن ہیں اور فیڈریشن میں انتہائی حساس اہمیت کی پوسٹ پر بھی فائز ہیں۔ موجودہ صورت حال کے حوالے سے میں نے ان سے جو گفتگو کی وہ کچھ یوں تھی۔

سوال۔ ڈاکٹر صاحب دنیا بھر میں یہ تاثر عام ہے کہ خالصتاً فوج سکھ پنجاب میں عورتوں بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام کر رہے ہیں یہ وحشیانہ طریقہ کیا سکھوں کو دنیا کی دیگر اقوام کی نظروں میں گرا نہیں دے گا؟

جواب۔ انفس ہمارے پاس ایسے موثر ذرائع کوئی نہیں کہ ہم دنیا کو اس تلخ حقیقت سے آگاہ کر سکیں کہ یہ کام ہندو خود کر کے ہمارے سر منڈ کر رہا ہے اور مقصد یہی ہے کہ کھانہ کی تحریک کو دنیا کی حمایت سے محروم کیا جائے۔ اب یہ بات بین الاقوامی پولیس میں بھی آچکی ہے اور ہم نے اس کے دستاویزی ثبوت فراہم کر دیئے ہیں کہ پنجاب میں آئی جی پولیس مٹر ایرو کے زیرِ کمان ہندو عسکرانے خطرناک قیدیوں پر مشتمل ایک گروہ ترتیب دیا ہے جسے ”ریڈ بریگیڈ“ کے طرز پر خونخواری کی تربیت دے کر پنجاب میں بپتے اور ہندو اور سکھوں کے قتل عام کر دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے گٹھیا کا زاموں کو بھارتی بڑی قشہر دیتے ہیں اور ان کے ہاتھوں مرنے والے بچوں کی تصاویر بڑے وحشیانہ انداز سے نشانی کی جاتی ہیں یہ سارا الزام ہمارے سر ڈال دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ لوگ مختلف تنظیموں کے نام سے لوگوں کو دھمکی آمیز خطوط لکھ کر ان سے رقم بٹورتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی آپس میں دشمنیاں ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بددلی لینے کے لیے کسی بھی برسرِ بیکار گروپ کا نام استعمال کرتے ہیں ہمارے پاس ان لوگوں کو روکنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ حال ہی میں خالصتاً کا ٹیڈ

نیپال پر ہندو سامراج کی یلغار

ابتداء کے سامنے مکمل سرزندہ نہیں کیا یا پھر بھارت کی تمام شرائط قبول کرنا نیپال کی موجودہ حکومت کے لیے ممکن ہی نہیں رہا ہو گا۔ جس طرح شکستہ کاری اپنے قبضے میں آئے تیار کو ترسائے گا اس کے مغلوب ہونے کا احساس دلانا ہے اسی طرح بھارت نے بھی نیپال کی اقتصادی ناکہ بندی کو تھوڑی سی ڈھیل دے کر پھر اس کی ٹٹاپیں کھینچ لی ہیں۔

نیپال کے ۶۵ سالہ وزیر اعظم خود بھارت پہنچے اور انہوں نے مسٹروی پی سنگھ سے درخواست کی کہ نیپال کے غریب عوام کو آخر وہ کس قسم کا سبق سکھانا چاہتے ہیں رہا نہیں "نارل ٹریڈ" کے لیے رضامند کرنے کی کوشش بھی کی اور خدا خدا کر کے ۴ جولائی سے نیپال کے جنوبی علاقے میں رہنے والے عوام جلانے کا تیل حاصل کرنے کے قابل ہو سکے اور ٹرکوں کے وہ قافلے جو بھارت نے نیپال میں داخل ہوئے ان کے ۲۰ سرحدی راستوں پر روک لیے تھے انہیں نیپال میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ امید کی جا رہی ہے کہ ان ۲۰ پوسٹوں کو بھی ایک مرتبہ پھر بھارتی اور عوامی آمد و رفت کے لیے کھول دیا جائے گا۔ نیپال میں مغرب ملک جس کی اکاؤنٹی کی بنیاد ہی درآمدات رہے اور جسے روزمرہ استعمال کی زیادہ اشیاء کے لیے بھی بیرونی دنیا کا محتاج بنا پڑتا ہے۔ بد قسمتی سے مال کی درآمد کے لیے بھارتی حکومت کا دست نگر ہے بلکہ نیپال کے لیے سامان کی درآمد اور برآمد کا زیادہ تر انحصار بھارتی بندر گاہوں پر ہے۔ اقتصادی ناکہ بندی کا جو نتیجہ بھارت نے استعمال کیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ماہرین کے اندازوں کے مطابق تجارتی خسارہ ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء میں ڈالر تک پہنچ جائے گا۔ انیسویں سو اس بات کا ہے کہ بھارت کی آہنی قبضہ نیپال پر اتنی مضبوط ہو چکی ہے کہ وہاں بھارت کی مرضی کی حکومت برسرِ اقتدار رہی اپنے مسائل کا حل تلاش نہیں کر پائی اور اس کی مشکلات میں پہلے سے بھی زیادہ گہرا ہو گیا ہے۔

نیپال نے جمہوریت تو حاصل کر لی لیکن اپنے مسائل میں بے پناہ اضافہ بھی کر لیا اور مقام جبریت تو یہ ہے کہ مسائل بونظام بادشاہت میں موجود تھے جن کی غلط تصویر پیش کر کے بھارتی "پبلک جنس" نے نیپال کی ملکی سلامتی کے لیے خطرہ پیدا کر دیا تھا اور اپنے مطلب کی حکومت کے برسرِ اقتدار آنے تک بھارت کی طرف سے نیپال کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی جاری رکھی تھی اب اپنی مرضی کی حکومت کو برسرِ اقتدار لا کر کیا بھارت نے نیپالی عوام کو فسطائیت سے نبات دلادی ہے۔

ایشیا یا ایک کے شائد سے نے حال ہی میں نیپال کا دورہ کیا کسٹمر کا ایک دکاندار کہتا ہے ہر چیز گزشتہ سال سے پچاس فیصد مہنگی ہو گئی ہے۔

ایک قافلین بات نے پولیس کی گاڑیاں دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا۔

کیسی جمہوریت؟ کہاں کی جمہوریت؟ ہمیں تو ایک ہی فرق محسوس ہوا کہ پولیس بھی زیادہ چوڑی ہے اور لاٹھی چارج بھی بڑھ گیا ہے۔ بلاشبہ بھارتی حکومت نے بڑی مٹھی ویدیاں منعقد کرانے کے بعد از نیپال جیسے پر اس ملک کو دنگا فساد اور لڑائی جھگڑے کی جھینٹ چڑھ کر دہاں وزیر اعظم کرشنا پرشاد بٹ رائے کی عبوری حکومت قائم کرادی ہے لیکن نیپال میں اشیاء خور و نوش کی دکانیں اب بھی سامان سے خالی نظر آتی ہیں۔ اور ابھی تک بھارت نے اپنی اقتصادی ناکہ بندی کا مکمل خاتمہ نہیں کیا شاید ابھی تک موجودہ عبوری حکومت نے بھارتی

جمہوری تحریک“ چلا دی گئی۔ ”را“ حرکت میں آئی اور نیپال نیشنل کانگریس کی طرف سے دومی سطح پر جمہوری ریلیوں کا انعقاد ہونے لگا۔ تناؤ بڑھا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ شاہ برنیرا کے محل پر حملہ آور ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے فوج کو گولی چلائی گئی جس سے بہت سی جانوں کا ضیاع ہوا۔

فروری ۸۹ء میں تحریک کا آغاز ہوا اور یہ فائرنگ کا واقعہ اس جمہوری تحریک کا نقطہ انتہا بن گیا۔ امن پسند شاہ برنیرا نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے نیپالی عوام کے خون کو سڑکوں پر بہانے کے بجائے ”را“ کا کھیل اپریل میں ہی ختم کر دیا اور ۱۶ اپریل کو کانگریس کے صدر بیٹھرائے کو حکومت بنانے کے لیے کہہ دیا۔

جمہوریت کی بحالی کے ساتھ ہی مزدور گلیوں اور بازاروں میں اپنے حقوق کے چیمپ لہراتے نکل آئے۔ ملک کی سب سے بڑی صنعت قالین بافی جو غیر ملکی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس ٹھڑاں سے تباہ ہو کر رہ گئی۔ مالکان اور سہ مندر کار گیروں کے درمیان ایک تہ ختم ہونے والی لڑائی کا آغاز ہو گیا حکومت کو مجبوراً کار گیروں کی تنخواہوں میں ۲ فیصد اضافے کا حکم دینا پڑا۔ لیکن مزدوروں کی تنخواہ میں اضافے کے ساتھ ہی صنعت قالین سازی کا بحران شروع ہو گیا کیونکہ سستی لیبر پر ہی اس صنعت کی آمدن کا انحصار تھا۔

اس پھرے ہوئے سمندر کو کنٹرول کون کرے گا؟ کیا جمہوری حکومت؟ اگر یہی حال رہا تو نظم و نسق کا اس ملک سے جنازہ اٹھ جائے گا۔ صنعت قالین سازی کا ایک ممتاز شخصیت نے کہا کہ کس کا دماغ خراب ہوا ہے جو ایسے بگڑے ہوئے حالات میں سرمایہ کاری کا خطرہ مول لے گا۔

اس کے برعکس نیپال ٹریڈ یونین کا جنرل سیکرٹری بھرت ادھیکری کہتا ہے ہم کثرت اپنے حقوق مانگ رہے ہیں۔ ۲۰ سال تک ہمیں پابند رکھا گیا یہ تو ۲۰ سال کی بندش کے بعد آزادی کا قدرتی رد عمل ہے لیکن ہم انارکی نہیں پھیلنے دیں گے ہم

بھارت سے نیپال جانے والے تمام راستے بند کر کے صرف دو راستے کھلے رکھنا چاہتا تھا۔ یہ سڑا نیپال کو بھارتی احکامات کی مکمل بجا آوری سے انکار کی صورت پر دی گئی تھی صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بھارت نے اشیائے ضروریہ کی سلائی بھی نیپال کو معطل کر دی۔

بھارت نیپال سے کچھ معاملات پر سودے بازی کے لیے لبزد تھا جبکہ نیپال نے اس کے سامنے بھگنے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ بھارت کے ساتھ محدود تجارت پر یعنی صرف تجارتی معاملات پر دوطرفہ بات چیت ہو سکتی ہے دیگر معاملات پر نیپال بات کرنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں مسئلہ مشترکہ منادات کا نہیں بلکہ خطے میں بھارتی منادات کو تحفظ فراہم کرنے کا تھا جبکہ نیپال اس خوش فہمی کا شکار نہ چلا تھا کہ سارک کے ممبر ملک بھارت کو اس کے خلاف زیادتی نہیں کرنے دیں گے اور وہ براہری کی حیثیت سے بات کرنے پر زور دے رہا تھا۔ نیپال کا مطیع نظریہ تھا کہ عالمی اخلاقی اور آئینی حیثیت سے وہ سمندری سرحد نہ رکھنے کی وجہ سے سمندر تجارت کے لیے بھارت کا دست نگر کیوں بنے؟ کیونکہ ہر وہ ملک جس کے ساتھ سمندر نہ لگنا ہو اپنی سمندری تجارت ہمسایہ ملک کے سمندری راستے سے کرنے کا عالمی محفوظ رکھتا ہے۔ نیپال سے کمزور ہمسایہ ہونے کے ناطے ایک یہ جرم بھی سرزد ہوا تھا کہ اس نے بھارت کی مرضی کے خلاف چین سے براہ راست اسلحہ خرید لیا تھا جسے نیپال نے یہ گناہی کی۔ بھارتی حکومت نے فوراً نیپال پر ”امپورٹ ڈیوٹی“ کا شرٹ سوگنا بڑھا دی۔ یعنی نیپال کی جو درآمدات بھارتی سمندری اور زمینی راستے سے نیپال جاتی تھیں ان پر ٹیکس کی شرح یکدم سو فیصد بڑھا دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی پنج بھی لگا دی کہ نیپال نے بھارتی نژاد جن باشندوں کو اپنا بوریا بسٹر پلیٹ کر مار چلے جانے کا حکم دیا نیپال کو مجبور کیا گیا کہ ان سب کو دوبارہ ورک پرمٹ جاری کرے تاکہ وہ نیپال کی سرحدی تجارتی منڈیوں پر قابض رہیں اور بھارتی منادات کو تحفظ نہ اس پر جس جب نیپال کے شاہ برنیرا نے بھگنے سے انکار کیا تو ان کے خلاف

ذمہ دار شہری ہیں۔

روپ جیوٹی ایک بڑا سرمایہ دار کہنا ہے اگر حکومت نے لوگوں کے مطالبے پر چاروں کی قیمت کم کر دی تو ہم تباہ ہو جائیں گے اور دربارہ کوئی امپورٹ کرنے کی شاید ہمت ہی نہ کر سکے۔

عبوری حکومت میں کمیونسٹ پارٹی کی شمولیت نے صنعت کاروں اور کارخانہ داروں میں تشویش کی ایک نئی لہر دوڑا دی ہے۔ مارکیٹ وزیر انڈسٹری اینڈ کامرس سالانہ پروان نے عوام سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ اشیائے ضروریہ کا قیمت کو ایک سال پہلے والی سطح پر دالیں گے آئے گا جبکہ ایک سال میں قیمتوں میں ۱۳٪ اضافہ ہو چکا ہے۔ بھارت کی اقتصادی ناکہ بندی کے بعد سے پکنا کھانے کے تیل کی قیمت میں ۲۰ فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود حکومت خیال کرتی ہے کہ اگر بھارت کے ساتھ اقتصادی سمجھوتہ طے پا گیا تو ایک تہائی قیمتیں کم کر خود بخود کم ہو جائیں گی۔

لال فینٹہ اور کریشن کے مسائل نے الگ سر اٹھایا ہے سول بیوروکریسی غیر سیاسی پیناجتی نظام کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا اور شاہ برنیدرا کے دور میں یہی نظام کامیابی سے چل رہا تھا۔ اب جب جمہوری پیناجتی نظام آیا ہے تو لوگ کریشن کے شاک میں ہو رہے ہیں جمہوری قیادت کا خیال ہے کہ جیسے جیسے گرفت نرم ہوگی کریشن کا خاتمہ ہو جائے گا جبکہ ملک کا دانشور طبقہ اس کے برعکس سوچ رکھتا ہے۔

نیپال کے حالیہ دور میں گامہ آرائی میں ”کریشن“ سب سے زیادہ زیر بحث رہنے والا مسئلہ رہا ہے۔ لوگ شاہ کے دور کے افزائے کا اقتساب چاہتے ہیں۔ حکومت کا کہنا ہے کہ وہ اپنے ”جوہر قابل“ کو ضائع کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ سرکاری ملازمین خواجہ ہراس پھیلانے سے ہم کریشن کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ اب عبوری حکومت نے اگلے پانچ سالہ منصوبے کو جس کا آغاز ۱۱ جولائی کو ہونے والا تھا معلق کر دیا ہے۔ ۱۰ جون کو بھارت اور نیپال کے درمیان جو معاہدہ طے پایا ہے اس کی رو سے

بھارت اور نیپال اپنے تمام تنازعہ معاملات کو مل بیچ کر طے کریں گے اور ایک دوسرے کی خود مختاری کا احترام کیا جائے گا۔ لیکن معاہدے کے ان پر عمل پیرا ہونے میں بھارت کسی اچھی شہرت کا مالک نہیں خصوصاً پاکستان چین، سری لنکا، بنگلہ دیش وغیرہ کے ساتھ اس نے جو معاہدے کئے ہیں ان کے اتنے حصے پر ہی عمل کیا ہے جو بھارت کے اپنے مفاد ہیں۔ جہاں سے اس کے ہمسائے کے مفاد کی سرحدیں شروع ہوں وہاں سے بھارت کی پالیسی کا آغاز ہوتا ہے۔

جنوبی ایشیاء میں امن اور طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اب چھوٹے ممالک کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ناگزیر ہو چکا ہے اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ جنوبی ایشیاء کے کمزور ممالک کی ایک ایسی یونین بنے جو بھارت کی حمیہ دستیوں کو گام دے سکے۔

تازہ ترین اطلاع کے مطابق بھارت نے پاکستان یوپی کے خیر سنگالی مشن پر سری لنکا آئے ہوئے دو جہازوں کی آمد پر زبردست احتجاج کیا ہے اور سری لنکا کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جہازوں کو فوراً واپس بھیجے۔ یہ اسی بھارت کا احتجاج ہے جس نے سری لنکا سے ملحقہ سمندروں کو اپنی ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے اور جب چاہے تامل مسئلے کی آڑ لے کر سری لنکا کے اقتدار اعلیٰ کی دھجیاں بکھیرنے سے نہیں چوکتا۔ جنوبی ایشیاء کے اس سامراج کو اگر جلد گام نہ دی گئی تو دنیا کے اس خطے کے امن کو لاحق خدشات حقیقت کا روپ بھی دھار سکتے ہیں۔

بھارت کی ذلت آمیز پسپائی

مطبوعہ ۱۶ جون ۱۹۴۹ء

بھارت نے سری لنکا میں اپنی امریت اور ہوس ملک گیری کا جو حال بھجایا تھا پر یاد اس کے بیان کے بعد بھارت اپنی نام نہاد امن افواج کو فوراً سری لنکا سے نکال لے۔ بھارتی خواب چکنا چور ہو گئے ہیں۔ حالانکہ بھارت نے اس سے پہلے ہی اپنی فوج سری لنکا سے آہستہ آہستہ نکالنے کا اہولی فیصلہ کر لیا تھا اور اسی فیصلے پر عمل درآمد بھی ہوا۔ گزشتہ چند مہینوں سے ایل ٹی ٹی ای کے گوریلوں کے ہاتھوں بھارتی فوج کے افسروں اور جوانوں کی اموات میں جو تیزی سے اضافہ ہوا ہے اس نے جہاں بھارتی فوج میں بددلی پیدا کی ہے وہاں بھارتی پولیس میں ایک پریشانی کن سوال بھی حکومت کے لیے سر اٹھانے لگا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ جو خطرناک اسلام آج نامل گوریلے بھارتی فوج کے خلاف استعمال کر رہے ہیں وہ ان کے پاس کہاں سے آیا؟ بظاہر تو یہ وہی اسلام ہے جو بھارت میں موجود تاملوں کے تربیتی مراکز میں انہیں بھارتی انٹیلی جنس "سار" کی طرف سے مہیا کیا جاتا تھا۔ "سار" نے اپنی دانست میں سری لنکا کے سمندری ساحل پر ایک نیا "بنگلہ دیش" تامل لیڈر کی صورت بسانے کی کوشش کی تھی اور ان لوگوں کو جو بھارتی تربیتی کیمپوں میں تامل گوریلوں کا رابطہ جن اسلحے کے سمگروں سے بھارتی فوج جن نے کروایا تھا اب وہی سمگلر زیادہ پیسوں کے لالچ میں گوریلوں کو اسلام بھارتی کر رہے ہیں گو کہ بھارتی نیوی نے اس سار سے علاقے کی علاقہ بھری ناکہ بند کر رکھی ہے۔

مگر بہر حال زیادہ راستوں کا علم رکھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سری لنکا حکومت اور تامل برلین ٹائیگر (ایل ٹی ٹی ای) کی سرست رفتار زہر کے ذریعہ ہندو سری لنکا معاہدے کا خاتمہ کرنے کے درپے ہیں۔ ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ کسی قسم کی خوش گوار رعول کے بغیر ہی ہندوستانی فوج سری لنکا چھوڑ دے اس کا اظہار خصوصاً حالیہ واقعات اور نئی دہلی وکومبیس حکومت ہند کا باب سے جاری کئے جانے والے تازہ بیانات سے ہوتا ہے۔

کومبیس تاملوں کی اس انتہا پسند تنظیم اور سری لنکا حکومت کے درمیان مذاکرات کے بعد ہونے والے امور و رد کے اختتام پر جاری ہونے والے اعلامیوں میں جو کہ ہرے حکومت کے اہتمام سے تیار کئے گئے ہیں ایل ٹی ٹی ای کے ہندوستان مخالف رویے کی بازگشت سنی گئی ہے اس سے قبل صدر پر یاد اس نے ہندوستان کے سیاسی ناک کے بغیر ایل ٹی ٹی ای سے جنگ بندی اور صلح کی اپیل کی جس کے جواب میں ہندوستان نے ایسی جزوی جنگ بندی سے عملاً اتفاق کر لیا جو صرف اس کے اور حکومت کے قول کے درمیان ہے۔ جب کہ بھارتی فوج پر اس کے حملے نہ صرف جاری رہے بلکہ ان دنوں میں مزید شدت پیدا ہو گئی ہے محض چار دنوں میں بھارتی فوج کے ایک میجر ایک ہندو دوسرے افسران سمیت میں فوجی تامل ٹائیگر کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ ہندی کومبیس میں ہندوستانی ہائی کمیشن کو ایک بیان جاری کر کے مذکورہ اعلامیوں کے ہندوستان مخالف انداز پر اپنا شدید رد عمل ظاہر کرنا پڑا۔ بیان میں بات پر انیسویں ظاہر کیا گیا کہ سری لنکا کی حکومت کے ان اعلامیوں میں ہندوستان امن ناک کے رد اور فرانس کے بارے میں صرف ایک فریق کے خیالات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان دنوں فوج پر کیوجہ اچھالی گئی ہے علاوہ ازیں اس امر پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ سرکاری اعلامیوں میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ ہندوستانی فوج کن حالات میں سری لنکا کی فوجی اس کو کتنے مشکل حربوں کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے سری لنکا کے اتحاد و ہندوستان کو برقرار رکھنے کے لیے کتنی قربانیاں دیں۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ حکومت ہند کو امید

دوران کی بے جا گرفتاریوں کے الزامات عائد کئے ہیں جن کی سرکاری ذرائع وسیع تشہیر کر رہے ہیں اس موقع پر ایک خبر یاد آتی ہے جو دہلی کے ایک بڑے انگریزی اخبار نے شائع کی تھی جب تامل ٹائیگر اجاگر سرسری لنکا کے مسلمانوں پر حملے کرتے رہے ہیں، ایک گاؤں میں مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے اور بھارتی امن فوج سے مدد کی درخواست کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

ہندوستانی ٹائیگریشن کے مذکورہ بالا مفصل بیان سے ایک روز قبل نئی دہلی میں وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ ایسے وقت جب ایل ٹی ای سری لنکا حکومت کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہے ہندوستانی امن فوج پراس کی نئی یلغار اس تنظیم کے سیاسی مقاصد کے بارے میں بہتات پیدا کرتی ہے اس بیان سے دو دن پہلے تامل ٹائیگر کے ایک ہی حملہ میں دس ہندوستانی فوجی ہلاک ہوئے تھے استفسار کے جواب میں معلوم ہوا کہ حکومت ہند نے تامل ٹائیگر کی کارروائیوں میں یہ شدت پیدا ہونے کا معاملہ سرسری لنکا حکومت کے سامنے بے ضابطہ اٹھایا ہے

حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہند ایک مشکل صورت حال میں گونگو سے دوچار ہے سری لنکا میں ہندوستانی امن فوج کی موجودگی کو طول دینے کے مضمرات کے بارے میں جماعتیں ملک کے مختلف مبصرین عرصہ سے ظاہر کر رہے تھے وہ درست ثابت ہو رہے ہیں لیون تو یہ اندیشے اس ملک میں بھارتی فوج کا ایک سال پورا ہونے کے بعد سے خصوصاً سرسری لنکا کے مدارتی انتخاب کے وقت سے ظاہر کئے جا رہے تھے جب موجودہ ندر اور اس وقت کے وزیر اعظم پریما داسا نے اعلان کیا تھا کہ وہ صدر منتخب ہونے کے بعد ہند سرسری لنکا معاہدے کو منسوخ کر دیں گے اور ہندوستانی امن فوج کو واپس بلج دیں گے لیکن تامل ٹائیگر اور سرسری لنکا کی حکومت کے درمیان ایک ماہ قبل براہ راست رابطہ قائم ہو جانے کے بعد آنے والے حالات کی پیچیدگی کے بارے میں رہے سے ٹوکر دودر ہو گئے تھے۔

اب صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کولمبو حکومت اور ایل ٹی ای نے مل کر بھارتی فوج

تھی کہ مذاکرات کا مقصد ان کو پروپیگنڈہ کا میدان بنانا نہیں بلکہ یہ تھا کہ تمام فریقین کو تشدد ترک کر کے جمہوری عمل میں شامل ہونے پر اور سرسری لنکا کے اتحاد و سالمیت کا پابند رہنا آمادہ کرنا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرسری لنکا کی حکومت کے اعلیٰوں میں تامل ٹائیگر کے اقتدار کی بہت زیادہ تشہیر کی گئی ہے۔ اور مذاکرات بھارت کی مذمت کا وسیلہ بن گئے ہیں مذاکرات کے پچھلے دور میں تامل ٹائیگر نے اپنا پورے دن کا وقت بھارتی ٹائیگریشن لال ملہو ترا کے ساتھ ایسی ہی صرف کیا جس میں موصوف نے ہندوستانی فوج کے فرائض اور کارکردگی پر اظہار خیال کیا تھا۔ اس انٹرویو میں ظاہر کر دیا گیا۔ ریشمالی اور شریشالی صوبوں کی صورت حال کے متعلق مکمل غلط بیانی قرار دیا گیا۔ ایک روزہ مذاکرات سے متعلق اعلامیہ کا تین چوتھائی حصہ ٹائیگریشن کے بیان کی مذمت میں صرف کیا گیا اور الزام لگایا گیا کہ وہ اختلافی مسائل پیدا کرنے اور عوام کی توجہ ملک کے اہم توجہ طلب مسائل سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیاسی حلقوں کے بیان کے مطابق ابھی تک بات چیت کی کیفیت یا اس کا پچھڑا واضح نہیں ہے اور نہ اس بات کے آثار ہیں کہ اصل معاملات میں جن کا تصفیہ ہونا ہے غور و خوض شروع کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان کے سرکاری ترجمان نے کہا کہ حکومت ہند اس بات کو ناگواری سے دیکھتی ہے کہ ایل ٹی ای کے سیاسی مشیراے بالاسنگھم نے ہندوستانی فوج کو ظالم اور غاصب فوج کا نام دیا ہے۔ ترجمان نے اس بیان کو خفائی کی درگت قرار دیا اور کہا کہ اس طرح دباؤ ڈال کر ایل ٹی ای بھارتی فوج کو سرسری لنکا کے باہر کرنا چاہتی ہے۔

روزنامہ ہندو کے نامہ نگار نقیاس اباسیم نے کولمبو سے اطلاع دی ہے کہ ٹائیگر نے جزیرہ نما جافنا کے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ ہندوستانی فوج سے کوئی بات نہ رکھیں۔ ایسے پوسٹر نمودار ہوئے ہیں جن میں دھکی دی گئی ہے کہ اگر اس ہدایت پر عمل کیا گیا تو ہر اس شخص کو ہلاک کر دیا جائے گا جو اس کی خلاف ورزی کرے گا نامہ نگار کے مطابق اس تنظیم نے مذاکرات میں بھارتی فوج پر تاملوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کرنے

ہندو ملکت کا شوشہ چھوڑا ہے اور بنگلہ دیش کی سرحدوں پر ہندو انتہا پسندوں کے ڈینگ کا سلسلہ جاری ہے۔ حال ہی میں بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ نے بھارت سے اپیل کی ہے کہ وہ علیحدگی پسندوں کی پشت پناہی کر کے پہلے ہی سے قدرتی آفات کے شکار بنگلہ دیش کے لیے مزید مسائل پیدا نہ کرے بھارت نے حسب روایت اس الزام کی نفی کرتے ہوئے اس تحریک سے بھارت کی لاتعلقی اور لاعلمی کا اظہار کر دیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بھارت اور بنگلہ دیش کے تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف نیپال نے جب سے خود مختاری اور عزت نفس کے ساتھ بھارتی تسلط سے الگ رہ کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے بھارت نے نیپال کی اقتصادی ناکہ بندی کر دی ہے اور وہاں صورت حال اتنی دگر گول ہو چکی ہے کہ نیپال میں راشن بندی کا سلسلہ جاری ہے لیکن نیپال نے بھارت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا ہے۔

ہمسایہ ممالک پر دباؤ کو بڑھانے چلے جانا بھارت کی پرانی پالیسی ہے لیکن اب بظاہر مرکز و ہمسایہ ممالک نے یہ جان لیا ہے کہ بھارت کی بالادستی قبول کر کے وہ زیادہ عرصہ تک کلادہ بار ملک نہیں چلا سکتے اور انہیں بہر حال بھارتی تسلط سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اس صورت حال کا سامنا براہین سامراج کی طرح کر پائے گا یا پھر یوں کہے کہ اب وہ کون سا پیترہ بدے گا اس سوال کا جواب بھی جلدی سامنے آنے والا ہے۔ فی الوقت راجہ حکومت کی خاموشی کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے بھارت کے عام انتخابات ہر سال کے آخری عشرے میں منعقد ہوں گے۔ ان انتخابات کے نتائج پر ہی بھارت کا اندہ خارجہ پالیسی کا انحصار ہوگا۔ اگر مٹر راجہ کی گاندھی دوبارہ برسر اقتدار آجاتے ہیں جس کے امکانات خاصے کم ہیں تو وہ نقشہ اقتدار میں کوئی بھی سخت اقدام کر گزریں گے اور میں ممکن ہے کہ جب بھارت کی موجودہ گولگو کی پالیسی ختم ہو تو اس کا اصلی و بالک چہرہ دوبارہ دنیا کو دیکھنے کو مل جائے۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بھارتی حکومت نے سری لنکا کے صدر پر یاد اساتھ مطالبے کو مسترد کر دیا ہے کہ بھارت دوماہ کے اندر اپنی افواج سری لنکا سے نکال لے

کے خلاف سیاسی محاذ بنا لیا ہے۔ یہ ایک عجیب مزید حال ہے کیونکہ ہندو سری لنکا معاہدے کے تحت سری لنکا کی حکومت نے اس تنظیم کے ساتھ معاہدہ کی کوششیں ناکام ہونے کی بعد اس سے ہتھیار ڈالوانے کے لیے بھارتی فوج کی مدد طلب کی تھی اور آثار نظر ہو رہے ہیں کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان کم از کم جنگ کے تمام مسائل کا تسفیہ ہونے والا ہے۔ صرف ہندوستانی فوج ہی معاہدہ کے عمل سے الگ رہ جائے گی۔ ایل ٹی ٹی ای کے بیانات میں یہ بات بار بار مبالغہ کر دی گئی ہے کہ اب اس کا اصل جھگڑا سنہالیوں یا وفاقی حکومت کے ساتھ نہیں بلکہ ہندوستان اور ہندو فوج کے ساتھ ہے، حالات کو مزید پیچیدہ بنانے والی چیز یہ ہے کہ مقامی حکومت نے جتنا ملتی مورچہ (جے وی پی) کو بھی بات چیت اور سمجھوتہ کی دعوت دی ہے جو کہ سری لنکا کی دوسری انتہا پسند تنظیم اور سنہالیوں کی نمائندگی کی دعویدار ہے۔ یہ بھی ہندوستانی فوج کی موجودگی کی اتنی ہی مخالفت کرتی ہے جتنی کہ ایل ٹی ٹی ای کرتی ہے اس پیشکش کا بھی غلام خواہ اثر نہیں ہوا لیکن اس محاذ پر بھی حالات پہلے سے بہتر ہیں ان حالات میں یہ امکان مان نظر آ رہا ہے کہ سری لنکا کی خانہ جنگی یا مختلف فریقوں کی ایک دوسرے کے خلاف مسلح کارروائیاں ختم ہو کر یہ ہندوستانی فوج کے خلاف مرکوز ہو جائیں گی اور اس کی مسلح مزاحمت تک محدود رہ جائیں گی۔ ایسی صورت میں ہندوستان کی بین الاقوامی پوزیشن کیا ہوگی ہے اس کا ابھی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ الگ بات کہ بھارت نے کبھی بین الاقوامی اصول و ضوابط کو پرکھا جتنی حد تک نہیں دی لیکن اس عشرے میں بھارت نے عموماً ہمسایہ ممالک کے خلاف جارحانہ اقدامات کے ضمن میں زیادہ تر منہ کی ہی کھائی ہے۔ بنگلہ دیش سے بھارتی اثر و رسوخ کا جتنا اٹھا اور صورت حال اتنی کشیدہ ہو گئی کہ بھارت کی مدد سے قیام پذیر بنگلہ دیش نے بھارت پر بنگلہ دیش کے معاملات میں کھلم کھلا مداخلت کا الزام عائد کیا ہے خاص طور پر بھارتی انٹیلی جنس کی طرف سے ”بنگا جومی“ نام کے ڈھونگ کی زبردست مذمت کا سلسلہ جاری ہے۔ یاد رہے کہ بھارت نے بنگلہ دیش کو زنج کر کے لیے وہاں

نہرو خاندان سے نجات

مطبوعہ: ۲ جون ۱۹۸۹ء

بھارتی حکومت کا کہنا ہے کہ فی الوقت سری لنکا سے بھارتی فوجوں کا اخراج سری لنکا کے لیے نقصان دہ ہے۔ گویا اب سری لنکا کی قسمت کا فیصلہ بھی بھارت کو کرنا ہے یہی وہ خطرہ تھا جس کی نشاندہی شروع ہی سے کی جاتی رہی ہے کہ بھارت کا مقصد اس علاقے میں موجود سمندر پر اپنی وادگیرہی قائم کرنا ہے اور اب اس نے دھکی دھونس کی پالیسی اپنا کر اپنے گھناؤنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ یہ وارننگ بھارت کی طرف سے اپنے تمام ہمسایہ ممالک کے لیے ہمیشہ سے موجود رہی ہے کہ جس ملک نے بھارت سے دوستی کی اس نے بالآخر دوستی کا مزہ اچکھ لیا بالکل ایسے جیسے سری لنکا نے چکھا ہے۔ والدیپ اور سری لنکا کے جزائر پر بھارتی فوج کا یہ نامناسب قبضہ پاکستانی سیاستدانوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے خصوصاً ان کے لیے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندو انسانی بھائی چارہ یا دوستی نام کے الفاظ سے بھی شناسائی رکھتا ہے۔

بھارت میں ۸۹ء کے آخر میں ہونے والے عام انتخابات کی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں۔ باور کیا جاتا ہے کہ یہ انتخابات بھارتی وزیر اعظم مٹرا راجیو گاندھی اپنی ذاتی حیثیت میں لڑیں گے جبکہ ان کے مضبوط مخالف بنٹا دل کے جانے پہچانے راہنما مٹروی پی گھماپنی پارٹی مٹریجی کے مطابق میدان میں اتریں گے مختلف بھارتی رسائل اس ضمن میں عوامی سروے پر مبنی رپورٹیں شائع کر رہے ہیں۔ بھارتی عوام میں دونوں امیدواروں کی شخصیات سے متعلق کچھ اس قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔

لوگ سوچتے ہیں کہ راجیو گاندھی متاثرہ زیادہ روشن خیال اور باڈرن لیڈر ہیں اس کے برعکس ایک اور مضبوط رائے یہ بھی موجود ہے کہ مٹروی پی گھماپنے دو سالہ دور اقتدار میں جبکہ وہ ۱۹۸۵ء تا ۸۷ء وزیر خزانہ رہے اور کئی سرمایہ داروں نے ان کی پالیسیوں کو دہشت گردی بھی بنایا اس کے باوجود انہیں بھارتی معیشت کے لیے بہترین پالیسی ساز اور اورنگم مانا جاتا ہے۔ راجیو گاندھی اپنی آئندہ خیالی کی وجہ سے بھارتی معیشت میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کے حامی ہیں جبکہ وی پی سنگھ ملکی صنعت کاروں کو مزید سہولیات دے کر نذر انحصاری کی پالیسی کی حمایت کر رہے ہیں۔

اگر بھارتی اخبارات اور رسائل میں چھنے والی آرا کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر یہی نکلیں گی کہ مٹرا راجیو گاندھی یہ انتخابات ہار جائیں گے۔ ممکن ہے وہ منتخب ہو کر پارلیمنٹ تک پہنچ جائیں لیکن اس بات کے امکانات کم ہیں کہ کانگریس اکثریت حاصل

اب پانچ سال بعد جبکہ پنجاب میں خنزیری اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہے اور
رکڑ کی تمام تر کوششوں کے باوجود خالصتاً نواز تحریک روز بروز زور پکڑتی
جا رہی ہے تو بھارتی پولیٹیشن نے راجیو گاندھی حکومت پر زور دینا شروع کر دیا
کہ وہ اپنے اور لوگوں کے درمیان ہونے والے معاہدے پر عمل کریں اور آئندہ پور
موجب کے ریزولوشن کو قبول کرتے ہوئے اس مسئلے کو ختم کر دیں۔ پولیٹیشن کا نقطہ
نظر یہ ہے کہ طاقت کے بل پر مٹر راجیو گاندھی اگر اس تحریک کو کچل سکتے تو اب تک
خالصتاً تحریک دم ٹوڑ چکی ہوتی کیونکہ مرکزی حکومت نے ہر ممکن سختی اور لالچ کی پالیسی
بنانے کے باوجود کامیابی حاصل نہیں کی اس کے برعکس تحریک کو تقویت ہی حاصل
ہوئی ہے۔

پولیٹیشن کا شروع سے ہی مطالبہ رہا ہے کہ مٹر راجیو گاندھی کو آئندہ پور صاحب
ریزولوشن کو قبول کر لینا چاہیے۔ پولیٹیشن کا خیال ہے کہ اس سے حالات میں بہتری پیدا
ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ دوسری طرف مٹر راجیو گاندھی اس مطالبے کی حمایت
کرنے والوں کو علیحدگی پسند اور دہشت گردوں کے حمایتی قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا
ہے کہ آئندہ پور ریزولوشن قبول کرنے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم
پلیٹ میں رکھ کر سکھوں کو خالصتاً پیش کر دیں اور جو لوگ انہیں ایسا مشورہ دے
رہے ہیں۔ وہ دراصل بھارت مانا کے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں۔ حقائق کچھ اور
ان کا کافی سارے ہیں۔ دراصل مٹر راجیو گاندھی دانستہ صورت حال کو بگاڑ رہے ہیں
ان کا حالیہ بیان بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ درانجا ایک مسز اندرا گاندھی کے قاتل طیل
ملہا کا دروانی کے بعد اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک کبہ سنگھ کی بے گناہی
ناروا لا آج بھی مغربی پریس میں جاری ہے خود بھارتی پریس اور عدلیہ سے تعلق رکھنے والا
بڑا شخصہ اسے غیر قانونی پھانسی بلکہ بے گناہ کے قتل سے تشبیہ دے چکا ہے۔ اور
مٹ شدہ بات ہے کہ اب مسز گاندھی کے قتل والی فائل ٹھپ ہو چکی ہے لیکن مٹر راجیو
گاندھی نے بیان دیا ہے کہ ۸۴ میں ان کی والدہ کا قتل ایک بڑی سازش کا حصہ ہے

کمرے اور وہ دوبارہ بھارت کے وزیراعظم بن پائیں۔ اس عوامی اظہار رائے کے با
بھارت یا بھارت سے باہر شاید یہی کوئی اس بات پر یقین کر سکے کہ نہرو خاندان سے
عوام کو اتنی جلدی نجات مل جائے گی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کا سبب کیا
اس کا بہترین جواب بھارتی ہفت روزہ سنڈے نے ایک اور سوال
صورت میں دیا ہے پرچے کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۴ء میں راجیو گاندھی نے انتخابات جیتنے
لیے اتحاد کا نعرو لگایا تھا اور یہ وادیا بچایا تھا کہ بھارت مانا کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے
خطرہ ہے عین ممکن ہے وہ اس مرتبہ بھی اسی نعرے کا سہارا لیں اور ایسی فضا پیدا کر سکیں
کو شش کریں جس میں بھارت کو متحد رکھنے والی ایک ذات ان ہی کی نظر آئے۔ ان
کو تقویت مٹر گاندھی کے اس حالیہ اقدام سے ملتی ہے جس کے ذریعے ایک مرتبہ مٹر
گاندھی قتل کیس کی سازش کے تحت چار سکھ لیڈروں پر مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے جن پر
مشہور سابقہ ڈی آئی جی پنجاب پولیس سمرن جیت سنگھ مان اور اس اڈیا سنگھ
فیڈریشن کے سابقہ صدر اتندر پال سنگھ کے نام بھی شامل ہیں جو پہلے ہی سے مختلف
الزامات کے تحت بھارتی عقوبت خانوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں
دراصل سکھ کمیٹی کی رپورٹ کے ذریعے مٹر راجیو گاندھی ایک مرتبہ پھر ایسی فضا پیدا کرنا
چاہتے ہیں جس میں بھارت کی مقتول وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے قتل کے واقعات
زیر بحث آنے لگیں اور وہ پھر سند و دوٹ کا کارڈ کھیل کر ستم رسیدہ ماں کے مظلوم بیٹے
کی صورت راج سنگھ اس پر براہمان ہو سکیں۔

۱۰۔ اپریل کو جب مٹر گاندھی بھارتی پارلیمنٹ میں سکھ کمیٹی کی رپورٹ پر تقریر کرنے
کے لیے ٹائٹس پر کھڑے ہوئے تو بھارتی اخبار نویسوں نے یہی سرخیاں جھانی تھیں کہ مٹر
راجیو آج بھی پانچ سال پہلے والی فضا پیدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ۸۴ء میں بھی انہوں
خالصتاً کے مسئلے کو بنیاد بنا کر ملکی وحدت کا رد کرتے ہوئے بھارتی عوام کے دوٹ
حاصل کئے تھے اور آج بھی وہ ایکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے وہی فضا پیدا کرنا
چاہتے ہیں۔

اخبارات نے ان حقائق کی خبروں کو سرخیوں مانا شروع کر دیا اس بات کا خصوصی انتہا
ہو گیا کہ رپورٹ کے صرف وہ حصے افشا کئے جائیں جن سے یہ ثبوت ملتا ہو کہ اس قتل
میں غیر ملکی طاقت ملوث ہے۔ اسی طرح رپورٹ کو پارلیمنٹ میں زیر بحث لانے
سے پہلے ایک مرتبہ عوام میں اخبارات کے بحث مباحثہ کے ذریعے ۸۴ء کی اندر گاندھی
کے قتل والی فضا پیدا کر دی جائے اور اس فضا کی موجودگی میں اپوزیشن کی طرف سے

ملٹنگ پسند خالفتانوں کے ساتھ مذاکرات اور آئندہ پور صاحب رینویشن کی
حایت کر سکے۔ علی گڑھ کی پسندوں کے ہاتھ مضبوط کرنے سے تعبیر کرتے ہوئے عوام کو
بدبانی بنا کر دوبارہ ۸۴ء والا حربہ آزمایا مگر اقتدار پر اگلے پانچ سال کے لیے قبضہ کر لیا
جائے۔ اس دوران قربانی کا بھرا بانے کے لیے ارون نہرو کو منتخب کیا گیا۔ کیونکہ
نہرو خاندان میں راجیو کی حاکمیتوں کے بعد عوام نے ان کے دست راست اور نہرو خاندان
ہی کے ایک حشیم و چراغ ارون نہرو کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا اور بھارتی پریس
بنیاداً اس بحث کا آغاز ہو گیا تھا کہ ارون نہرو کی شخصیت راجیو گاندھی پر بھاری
پڑے گی ہے۔ ارون نہرو کی سرپرستی رپورٹ کے افشا کا الزام بھی کا بنیہ کی طرف سے
ٹھاکر گیا۔ اس طرح اس کے حکومت میں رہنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں چھوڑا گیا۔ اور
راجیو گاندھی نے بڑی ہوشیاری سے ایک تیر سے دو ٹوکا کر لیے۔

مرے پر سورد سے اس کے ساتھ ہی حکومت کی طرف سے یہ دوا ملا بھی مچایا
بکر کشین کے کچھ حقائق کے افشا ہونے سے اخبارات میں حیرت والی بحث کے
بلد راجیو کی وہ بات سچ ثابت ہوئی ہے کہ بھارتی عوام اپنی مقتول وزیر اعظم کے
لے کے پس پردہ حقائق جانتا چاہتے ہیں جبکہ کچھ سیاست دانوں کو یہ ناگوار خاطر کرتا
ہو گیا ہر طرح سے ایسی فضا بنادی گئی جس میں اندر اقل کیس پھر زیر بحث آئے
راکیش پر ہندو عوام کا دور کا ٹکڑا کیس کی جھولی میں پکے چل کی طرح آن کرے۔
بمقامت سال یہ ہے کہ مٹر راجیو گاندھی نے ہولی طور پر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اپنی
خالی مہم کی بنیاد دو نکات پر رکھیں گے۔ اندر اقل میں غیر ملکی ہاتھ اور بھارت ماما

جس کی پشت پناہی غیر ملکی طاقتیں کر رہی تھیں اور اس سازش کا مطلب بھارت
کے استحکام کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ جبکہ بھارتی سپریم کورٹ میں کمرنگھ اور سٹونز سنگھ
کیس میں دھاک کی بحث کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس قتل میں کوئی
غیر ملکی ہاتھ ملوث نہیں تھا اور قاتلوں نے بدلے کی آگ میں اندھے ہو کر یہ انتہائی
اقدام کیا تھا۔ اس کے برعکس مٹر راجیو گاندھی کا کہنا ہے۔

اندر راجیو اپنی زندگی میں دہشت گردوں کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں کی
نشاندہی کرتی رہی ہیں اور اپنی آخری ایام کی تقاریر میں انہوں نے واضح طور پر کہا
ہے کہ کچھ غیر ملکی طاقتیں انہیں قتل کر کے بھارت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہیں
یوں لگتا ہے جیسے مٹر راجیو گاندھی نے اس مفروضے یا ایکشن پلانٹ کو اپنی
ضد بنا لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں سازش کا بال بہت وسیع ہے اور اس کا سلسلہ بھارت سے
باہر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی کچھ ۸۴ء میں کانگریس کی ایکشن مہم کی کامیاب بنیاد تھا۔
اب جو ایک مرتبہ پھر راجیو گاندھی نے کانگریس آئی کی گئی ہوئی ساکھ کو سنبھال دینے کے
لیے اس گڑھے مردے کو اکھاڑ رہے ہیں تو اس کے پس پردہ محرکات کو بھی نظر انداز نہیں
کیا جاسکتا۔ خیال رہے کہ مٹر راجیو نے پارلیمنٹ میں جو تقریر کی تھی وہ مانی سکر آئے ہیں
گھاگ ڈپلومیٹ کی ڈرافٹ کروہ تھی جبکہ اس تقریر کے متن کو تیار کرنے کے لیے ۱۲
سینیٹر سول سروسز کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ جنہوں نے کا بنیہ سے مشاورت کے
بعد تقریر تیار کی تھی۔ اس تقریر میں دو نکات پر تکرار کی گئی ہے۔
۱۔ اندر اقل میں غیر ملکی ہاتھ کی موجودگی اور بھارتی وحدت کے خاتمے کا خطرہ
۲۔ اپوزیشن کی طرف سے ملکی امن و امان کو لاحق خطرات کے خاتمے کے لیے
پیش کردہ تجاویز کو کچھ دہشت گردوں سے الحاق کا نام دیا گیا۔

اس موقع پر راجیو حکومت نے بڑی عرق ریزی کے بعد ایک چال تیار کی
اسے بڑی کامیابی سے بروئے کار لایا گیا۔ سرپرستی کی خفیہ رپورٹ کو پارلیمنٹ
میں پیش کرنے سے پہلے منسوبی کے مطابق اس کے کچھ حصے افشا کر دیے گئے

ت کے گھاٹ آتا رہا۔

اب پی پتا مبرم نے ایک مرتبہ پھر مشرقی پنجاب میں علیحدگی پسند تحریک کا ذمہ دار بنانے کو گردانتے ہوئے اس پر خالصتان نواز سکھوں کو اسلحہ اور تربیت دینے کا الزام دینا شروع کر دیا ہے یہی الزام ایک مرتبہ پھر راجیو گاندھی دھرانے لگے ہیں حالانکہ اس کا نفرنس سے واپسی پر پاکستان کے متعلق ان کا لب و لہجہ تبدیل ہو گیا تھا۔ بڑا گاندھی نے ایک نیا انداز اپنا یا ہے اور وہ پاکستانی حکومت پر الزام عائد کرنے کے بجائے اس کا ذمہ دار براہ راست پاکستان کی مایہ ناز نر سونر اٹلی جنس دھرانے شروع کر دیا ہے اور یہ نوٹس کافی بھی فرمادی ہے کہ ذریعہ اعظم منر بنیظر بھٹو کا کاردار ہے پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اس کے علاوہ پتا مبرم نے ایک ”خط“ بھی اریٹ میں پیش کر دیا ہے جو سکھ انتہا پسندوں کی طرف سے لکھا گیا ہے جس میں راجیو گاندھی اور منر بنیظر کو قتل کرنے کے کسی ”خود ساختہ منصوبے کا“ انکشاف“ ہوا ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں ہونے والی گڑبگ کو بھی بھارتی حکومت آئی ایس آئی کے کھاتے پر ڈال رہی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ پاکستانی اٹلی جنس نے مقبوضہ کشمیر میں تربیت فراہم کرنا جاری رکھا ہے۔

دراصل ایسی نفاذ کر کے انتخابی میدان کو اپنے لیے ہوا کرنے کے علاوہ بڑا راجیو گاندھی کے پاس کھیلنے کے لیے اور کوئی کارڈ باقی نہیں رہا۔ اس قسم کی سیاست انہیں ورثے میں منتقل ہوئی ہے۔ ان کی والدہ بھی مسلم دشمنی یاد دہرے نظروں میں پاکستان دشمنی کے بل بوتے پر ہی اپنی سیاسی دکان چکاتی رہی ہیں اور یہ مادہ اور ستا نسخہ اب ان کے سپوت نے اپنا لیا ہے۔

منر بنیظر کا کہنا ہے کہ بڑا راجیو گاندھی کے پاس چونکہ کھیلنے کے لیے اور کارڈ باقی نہیں رہا اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ ”ہبرو“ بننے کے لیے پاکستان سے نکال دیا جائے۔ اس مفروضے کو تقویت سیاہ چن میں ہونے والی

کو کھڑے کھڑے کرنے کی غیر ملکی سازش بڑا سنگھ نے منصوبے کے عین مطابق سیریاں بھی داغ دیا کہ مین ان دنوں میں جبکہ حکومت اندرا قتل سازش کا کبھی عدالت میں کرنے جا رہی تھی تھی رپورٹ کا افشا قاتلوں کے ملحد مضبوط اور حکومتی کبھی کو کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی راجیو گاندھی پر کڑی تنقید کرنے والے مشہور جرنلسٹ اردن شوری کو بھی رگڑا دیا گیا اور کہا گیا کہ انہوں نے رپورٹ کے خفیہ حصول کی اشاعت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اندرا کے قاتلوں سے ان کے روابط ہیں یہی الزام منکر کے ساتھ ہیں منر راجیو گاندھی کی پارلیمنٹ میں کی گئی تقریر میں بھی نظر آیا ہے۔

اسی طرح راجیو گاندھی کے ایک اور سیاسی دشمن رام جیٹھ ملانی پر بھی خالصتان ہونے کا الزام عائد کر دیا گیا۔ راجیو گاندھی نے جیٹھ ملانی کے لکھے کتابچے ”بھارت کی مورچہ کو مدد“ تنقید بناتے ہوئے اس پر الزام عائد کیا کہ جیٹھ ملانی علیحدگی پسند خالصتان کا ایجنٹ ہے اور اس کتابچے کے ذریعے ملانی نے آزاد مملکت خالصتان کی حمایت کے منر راجیو گاندھی نے اپنی انتخابی مہم کی بنیاد اپنی ماں کی ”منظومہ موت“ کو بنانے کا تہیہ کر رکھا ہے اور اس کے لیے باقاعدہ ایک انتخابی ٹیم تیار کی گئی ہے۔ اس ٹیم کی سربراہی وٹھل گدگل نامی ایک گھاگ بیوروکریٹ کر رہا ہے اسٹیکشن سٹریٹیجی چیف ایڈوائزر کی حیثیت حاصل ہے عموماً پولیس اور پارلیمنٹ میں مفروضے کو تقویت پہنچانے کے لیے ایسی سی بی ڈی کی طرف سے ہی گھڑی جاتی ہیں حال ہی میں اس نے منر گاندھی کی موت کو ”سرمایہ دار ممالک“ کی بھارت کے خلاف سازش ثابت کرنے کے لیے تیسری دینکے کچھ ممالک کے واقعات کو بنایا دیا ہے۔

وٹھل کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے چلی میں انڈیا، مصر میں انور سادات اور نیگلہ دیش میں شیخ مجیب الرحمن کو قتل کروانے کے لیے ان کے باڈی گارڈز کی خدمات حاصل کی گئی ہیں گویا یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ منر اندرا گاندھی کو ان کے ”قابل اعتماد محافظوں“ نے محض مذہبی جنون کے ملحدوں اندھے

تنازعہ بھڑیلوں سے سبھی ملتے ہیں۔

بھارتی انتخابات اور فرقہ پرست جماعتیں

مطبوعہ: ۱۸ اگست ۱۹۸۹ء

بھارت میں عام انتخابات کی آمد آمد ہے مین ممکن ہے کہ کسی بھی وقت مٹر راجیو گاندھی کوئی ڈرامائی قدم اٹھائیں اور حالات کو اپنے لیے سازگار یا کہ وقت سے پہلے انتخابات کا اعلان کر دیں لیوں بھی اپوزیشن جماعتوں نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ خصوصاً بھارتی پارلیمنٹ سے اپوزیشن ممبران کے مشترکہ استغاثوں نے عالمی سطح پر مٹر راجیو گاندھی کی پوزیشن خاصی خراب کر دی ہے اور اب عالمی پریس یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ منہ سے جمہوریت کا مسلسل راگ الاپنے والے راجیو گاندھی کی اہلیت کیا ہے اور وہ اپنے مفادات کے لیے کس حد تک جا سکتے ہیں حیرت کی بات ہے کہ بھارتی آڈیٹر جنرل کی سرکاری رپورٹ جس میں اس نے "بوفورس" سودے میں براہمیری کی نشاندہی کی ہے کو بھی اپوزیشن کے کھاتے میں ڈالا جا رہا ہے جس کا کوئی اخلاق ناز بھی نظر نہیں آتا۔

پاکستانی وزیر دفاع کا یہ بیان کہ بھارت سیاہ چین مذاکرات میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے اس علاقے میں مزید پوزیشن قائم کرنے کا خواہش مند ہے تاکہ ان کے کو دباؤ کی حالت میں مذاکرات کی میز پر لایا جائے بھی محل نظر ہے۔

راجیو کو اپنی اس انتخابی مہم میں اپنی جھگت کی زبردست "آشر" حاصل ہے۔ جھگت گزشتہ ۵۰ سال سے سیاست کر رہا ہے اور اندرا گاندھی کے بعد راجیو کا بنیہ میں بھی اسے اعلیٰ مقام حاصل رہا ہے۔ تیج کے ایل جھگت نے دہلی کے مشرقی علاقے سے ۱۲ لاکھ ۱۲ ہزار ووٹوں کی اکثریت کے ساتھ ۸۴ء میں الیکشن جیتا تھا اس کو واضح طور پر "سکھوں کے خون کا پیاسا" کہا جاتا ہے کیونکہ مسٹر گاندھی کے قتل کے بعد اس کے حلقہ نیابت میں اپنی جھگت کی سربراہی میں سکھوں کے خون کی زبردست ہولی کھیلی گئی تھی۔ یہ الزام اس پر اپوزیشن کی طرف سے بھی لگایا گیا ہے اور آج تک جھگت پر اس ضمن میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ بھی تکرار کے ساتھ جاری ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ راجیو کا دست راست ہے۔

ان حالات کے بعد بظاہر یہ ممکن نظر آتا ہے کہ جتنا دل کے مسرور پی سنگھ ہندوؤں کی اکثریت والے ملک میں کامیابی حاصل کر سکیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ شیر براہمنوں کی آمریت کا خاتمہ جلد ہی ہونے والا ہے۔ یہ الگ بات کہ ایسا کب تک ممکن ہو گا۔

بھارت کے عام انتخابات میں بھارت کی فرقہ پرست جماعتیں خصوصاً ٹریڈ برک سنگھ اور شیو نیل کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دونوں جماعتوں نے اپنا اثر خاص وسیع کر لیا ہے اور ان کے عزائم بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اگلے عام انتخابات میں روٹروں کی عمر ۲۱ سال سے گھٹا کر ۱۸ سال کر دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ پارلیمنٹ کی ہر نشست اور ہر حلقے میں کم سے کم ۵۰ تا ۶۰ ہزار نئے روٹروں کو عدلیہ کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اکثر حلقوں میں یہ ۵۰ ہزار نئے اور نوجوان ووٹر فیمل

کن ثابت ہوں گے اور نتائج پر مدد و دست اندر ملیں گے۔

ہر حلقے اور ہر نشست کے ان ۶۱ تا ۵۰ ہزار نوجوان ووٹروں کو اپنے اثر میں لانے کے لیے سب سے پہلے جراتیہ جنتا پارٹی نے منظم منصوبہ تیار کر لیا ہے جی جے پی کا خیال ہے کہ نا تجربہ کار اور نوجوان ووٹروں کو آسانی کے ساتھ جذباتی نعروں سے بہکا یا جاسکتا ہے اور اپنے جال میں پھنسا یا جاسکتا ہے جی جے پی نے پرمود مہاجن رکن پارلیمنٹ کو نوجوانوں کے بارے میں حکمت عملی تیار کرنے کا کام سونپ دیا ہے اور وہ پورن مگر کیلئے ہیں۔

پرمود مہاجن نے کہا کہ وہ نوجوانوں میں جدید ادنیٰ جنگجو ہندو اسپرٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم خاص طور پر نوجوانوں میں جذبہ پیدا کریں گے اور اس میں ہمیں کامیابی کی امید ہے انہوں نے کہا کہ اگر ہم جنگجو ہندو اسپرٹ رکھتے ہیں تو تانگوں کے پروا کئے بغیر یہی اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے۔

مہاجن نے کہا کہ ہم اقلیتوں کے رعب و جھکے کی پالیسی کے خلاف ہیں ہم اقلیتوں کو اقلیتوں کی طرح شناخت نہیں کریں گے۔ ہم ان کو ہندوستانی کے نام سے پکارنا پسند کریں گے مہاجن نے کہا کہ جو شیے ہندو جذبہ کا اظہار کرنا کوئی جرم نہیں ہے ہم نوجوانوں کو دھوکے میں بھی جذبہ پیدا کریں گے۔

بھارت میں اس وقت ایک طرف تو رام جیم جی کے تفسیر کو لے کر ہندو فرقہ پرست جماعتیں ملک کے کونے کونے میں گیمیہ کے ذریعہ فساد کو بگاڑنا چاہتی ہیں اور دوسری طرف مہاجرات اور رائٹس کی مسلسل نشر و اشاعت نے اس پابندی اور قدامت پسندی کے ماحول کو ہوا دی ہے۔ اس ماحول میں جی جے پی نے اگر منظم کوشش کی تو آسانی سے ۱۸ سال سے ۲۰ سال تک کی عمر کے نوجوانوں کو ورغلا سکتی ہے اور اپنے ساتھ لگا سکتی ہے ملک کے بعض حصوں میں یہ بات نوٹ کی گئی ہے کہ برہمنوں کے سیکولر اور صاف ذہن رکھنے والے کانگریسیوں کی نئی نسل بھی فرقہ پرستوں کے پیرچہ کا شکار ہو گئی ہے اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ باپ اور چچا تو کانگریس یا دوسری جماعتوں سے

ہے ہیں لیکن بیٹے، سہائے، پیچھے گو مدھ سے کہہ ہم ہندو ہیں کا متغیہ پر لگائے جے پی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس نے ووٹروں کی عمر کم کر کے ایک بہت بڑا ہولنایا ہے اور ہر پارلیمانی حلقے میں کوئی ۵۰ ہزار ایسے نوجوانوں کو ووٹنگ کا حق دیا ہے جو سیاسی سوجھ بوجھ، سماجی ذمہ داری یا امن و قانون کی زیادہ پروا نہیں دیتے اور آسانی کے ساتھ فرقہ دارانہ اور انتہا پسندوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہوتے ہیں۔

نوجوان ووٹروں کو ساتھ لینے کے لیے کانگریس نے ہر روز گار یو جی پرنسور شروع کیا ہے اور ووٹروں کو پیر ان یوجناؤں کے ذریعے تقسیم کے لیے ہر حلقے میں ایک عارضی کارروائی ہے اس سے روزگار کا مسئلہ حل کئے بغیر نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ نوجوان کانگریسی درکاروں سے سوال ہیں کہ آج کے سال سے اتنا دن میں رہ کر کانگریس نے روزگار کا مسئلہ حل کیا کیوں مل نہیں کیا اپوزیشن پارٹیوں جتنا دل، کیونسٹ پارٹی مارکسٹ اور بی جے پی نے بھی روزگار کے سوال کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم برہمنوں سے مانگ کرتے آ رہے ہیں کہ کام کرنے کے حق کو بنیادی حق کے طور پر مانا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت بس نوجوان کو روزگار نہ فراہم کر سکے اس کو وہ پرنسور گارنٹی الاؤنس دے کہ پابند ہوگی اگر اپوزیشن پارٹیوں نے پرنسور گارنٹی الاؤنس کی گنجائش اپنے مینی نیٹو میں لکھ دی تو وہ بڑی تعداد میں کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔

اردن نہرو جو کسی وقت رنگ کے بیوپاری تھے ایک رنگارنگ شخصیت کے طور پر اردن نہرو بیرونی ملکوں میں ایک ماہ کی چھٹیاں گزار کر واپس آ گئے ہیں بیرونی ملکوں میں اردن نہرو کی سرگرمیوں کے بارے میں جو خبریں پھیلی ہیں ان پر اردن نہرو کو بڑا مہم ذیل کے انٹرویو میں انہوں نے کافی غصہ اتارا ہے۔

سوال..... آپ کے حالیہ غیر ملکی دورے پر بڑی افواہیں پھیلی ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے کہ اردن نہرو تنہا اس کا کوئی اور مقصد تھا؟

اردن نہرو..... سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر میں اپنی بیوی اور لڑکی کے سامنے منانے کے لیے بیرون ملک جائوں تو اس پر کیوں تنقید یا سختہ جینی ہو رہی ہے۔ بالکل صحیح نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ نیو یارک میں ٹھہرا تھا۔ مجھے اچھی طرح پتہ تھا کہ ایٹلی جنس والے میرے غیر ملکی دورے میں ہیرا تقاب کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں راسیو کو بھی خط لکھ دیا تھا۔

سوال..... آپ کا بدلتا قب اور نگہانی کی گئی اس میں ہندوستان کی چوٹی کے سراخ رساں ادارے آراے ڈیلیوکا ملحد تھا یا راجیو کیمپ نے آپ کے سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے پرائیویٹ جاسوس مقرر کئے تھے۔

اردن نہرو..... اس بارے میں میں نے اس وقت کچھ نہیں کہوں گا بہر حال جس طرح میرے ادھر میرے اہل خانہ پر نظر رکھی گئی ہے اسے میں نے پسند نہیں کیا۔

سوال..... بتایا گیا ہے کہ آپ نے اپنے غیر ملکی دورے پر ۲۰ لاکھ سے زائد روپیہ خرچ کیا آپ نے اپنی بڑی مقدار میں زرمبادلہ کی ضرورت حاصل کیا تھا؟

اردن نہرو..... میں نے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اس لیے کہ وہ کو جواب دینے کا پابند نہیں ہوں میری لڑکی غیر ملک میں رہتی ہے اگر میں نے اس کے پاس جا کر چند دنوں کے لیے تیا کیا تو اس میں کون سا گناہ ہو گیا۔

سوال..... کانگریس کے کچھ لوگوں نے آپ پر زرمبادلہ کے قانون کی خلاف ورزی کا الزام لگایا ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

اردن نہرو..... میں نے قانون کی خلاف ورزی نہیں کی میں نے اس طرح اس کو صاف صاف لکھا ہے کہ اگر ان کی حکومت سمجھتی ہے کہ میں نے یا میرے ساتھیوں نے کسی بھی قانون کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ جلد سے جلد مجھ پر مقدمہ دائر کریں۔

سوال..... کچھ لوگ آپ کی ایسی صلاحیتوں کے بارے میں اپنی رائے رکھتے ہیں اس کے ادا ہو کر جاتا ہے کہ آپ اب تک کانگریس کے خلاف اپوزیشن کو متحد نہیں کر سکے۔

اردن نہرو..... بنیادی بات یہ ہے کہ لوگ تبدیلی چاہتے ہیں ساری بین پارٹیں پر بڑا دباؤ ہے کہ وہ کانگریس کا مل جل کر مقابلہ کریں مجھے بہر حال یقین ہے کہ جلد یا بدیر ہمارا مقصد یعنی اپوزیشن کا اتحاد حاصل ہو جائے گا۔

سوال..... جنتا دل کی موجودہ حالت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اردن نہرو..... میری رائے میں جنتا دل اور نیشنل فرنٹ دونوں ہی کھے بات بڑھتی جا رہی ہے اس کا کوئی ثبوت درکار ہے تو وہ کانگریس کی قیادت کے برعکس سے مل جاتا ہے اگر وزیر اعظم کو اس کا یقین ہو تا کہ اب ان کی مقبولیت دراز ہو چکا ہے تو وہ آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن کی اس طرح اجارہ داری کی کوشش نہ کرتے جیسے کہ اب کی جا رہی ہے نیز اس طرح کے حملے وی پی سنگھ اور این ڈی ڈی اور رام کرشن ہنگیڑے پر نہ کئے جاتے جیسے کہ کئے جا رہے ہیں اس سے وزیر اعظم کے ذہن میں جو گھبراہٹ ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

سوال..... آپ نے ایک پیش گوئی کی ہے کہ کانگریس کو اگلے چناؤ میں ۱۸۰ سے زائد نشستیں نہیں ملیں گی یہ آپ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں۔

اردن نہرو..... میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ اگر اپوزیشن نے متحد ہو کر کانگریس کا مقابلہ کیا تو وہ کانگریس کے لیے سو سے زائد نشستیں حاصل کرنا دشوار ہو جائے گا تاہم زیادہ انداز اس پر بھی ہو گا کہ الیکشن سے قبل کیا حالات ہوتے ہیں ویسے عوامی رائے بہت ڈرامائی طور پر نہیں بدلتی۔

سوال..... کانگریس اور بی جے پی کے درمیان انتخابی مفاہمت اب کوئی راز نہیں ہے کیا عام انتخابات میں آپ کانگریس کے خلاف مشترکہ ایک امیدوار کھڑا کر سکیں گے؟

اردن نہرو..... بی جے پی، مارکسٹ پارٹی اور جنتا دل کی انتخابی حکمت عملی کا فیصلہ اخباری بحث کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا ویسے ساری پارٹیاں یہ چاہتی ہیں کہ کانگریس کو اگلے چناؤ میں شکست دی جائے۔

سوال! آپ کی رائے میں کانگریس کے بعد دوسری بڑی جماعت کون سی

ہوگی؟

غلام نبی آزاد!... اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ پتہ

نہیں ہے کہ کون کون سی جماعتیں ساتھ مل کر ایکشن لڑ رہی اور کون سی علیحدہ علیحدہ؟

سوال! اردن نہرو کے بیان کے مطابق اپوزیشن کو زیادہ مواقع ہیں کامیابی کے

راکش حلقوں میں راست مقابلہ ہو کیا یہ صحیح ہے؟

غلام نبی آزاد! راست مقابلہ کا تصور غلط ہے۔

دائیں بازو والے بائیں بازو والوں کے ساتھ نہیں جائیں گے بائیں بازو

اپنے فرزندوں کے ساتھ نہیں جائیں گے اپوزیشن کے ووٹر اپوزیشن کے اثر و

تاثیر میں۔

سوال۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ مسٹر راجیو گاندھی نے اپوزیشن کے حق میں زیادہ

دیا ہے جب کہ اپوزیشن نے خود ان کے لیے زیادہ آسانیاں فراہم کی ہیں؟

غلام نبی آزاد! میں نہیں سمجھتا کہ راجیو گاندھی نے کوئی بڑی غلطیاں کی ہیں۔ ان

نے کئی کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر مسٹر اندرا گاندھی کے قتل

نے بعد انہوں نے ملک کو مضبوط لیڈر شپ فراہم کی ہے وہ دنیا بھر میں ایک مضبوط

لیڈر سمجھے اور مانے جاتے ہیں ملک کے اندر انہوں نے کئی ایسے مسائل حل کر لئے

ہیں جو برسہا برس سے یوں ہی چلے آ رہے تھے مثلاً میزورم میں ۲۰ سال سے چلا آنے

والا بغاوت کا مسئلہ پنجاب میں بھی راجیو گاندھی نے حالات کو سدھارتے کامیاب

لیکھ طرح سے شروع کیا تھا۔

لیکن منت و مگوال کے قتل کے بعد بعض دشواریاں پیدا ہو گئیں آخر انہوں

نے کئی کامیابیاں حاصل کر دی ہیں۔

سوال۔ اکاؤنٹنٹ جنرل کی رپورٹ جو بوفرس کی توپوں کے بارے میں ہے

اسے کانگریس کی کامیابی کے اسانات پر کیا اثر پڑے گا؟

سوال.... کیا آپ رائے بریلی ہی سے ایکشن لڑیں گے۔ آپ کے بارے

میں وزیر اعظم نے کہا ہے کہ آپ کی ضمانت بھی ضبط ہو جائے گی کیا اس سے ڈر کر آپ

ایکشن سے گریز نہیں کریں گے؟

اردن نہرو..... بہتر ہے آپ انتظار کریں اور دیکھ لیں میں اپنی ملکیت

پر اس طرح سے کئے بندوں بحث نہیں کروا سکتا

سوال.... کچھ اخبار لکھتے ہیں کہ آپ پر سی بی آئی کی پستوں کی درآمد کے

بارے میں کوئی کیس چلانا چاہتی ہے نیز محکمہ کیشن کی رپورٹ کے بارے میں بھی کہا

جاتا ہے کہ آپ کے خلاف شہادت موجود ہے۔

اردن نہرو.... سنٹرل بورڈ آف انویسٹی گیشن تو اصل میں کانگریس

آف انویسٹی گیشن ہے میں سی بی آئی کے انسرڈ پر کوئی ریمارک نہیں دوں گا کیونکہ

چند لوگوں کو چھوڑ کر ان میں سے زیادہ تر محنت سے اپنا کام کر رہے ہیں اس وقت

جو مجرمانہ کام اور جعل سازیاں ہو رہی ہیں ان کی ذمہ داری وزیر اعظم اور ہوم منسٹر

چد مبرا پر ہے وہ میرے خلاف جتنے جھوٹے مقدمے چاہے بنالیں اس سے مجھے کئی پٹا

نہیں ہوگی۔

غلام نبی آزاد وزیر اعظم راجیو گاندھی کے معتد اور سب سے زیادہ فعال جنرل

سیکرٹری ہیں وہ اپنے انٹرویو میں اپوزیشن کے لیے کسی رعایت سے کام نہیں لیتے ان کے

ایک تانہ انٹرویو کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

سوال.... اردن نہرو نے کہا کہ کانگریس کو ۱۹۰ سے بڑے لوگ سبکیاں

حاصل نہیں ہو سکیں گی اس کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے۔ آپ نے کوئی سرے

اس سلسلے میں کیے؟

غلام نبی آزاد! نہیں ہم نے کوئی سرے اب تک نہیں کیے ہیں لیکن اندازے

ضرور لگائے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم ۲۵۰ سے ۳۸۰ نشستیں اگلی پارلیمنٹ میں

حاصل کریں گے۔

بنی مسلمہ صرف یہ ہے کہ اپوزیشن کو ہندوستانی عوام کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ان کو صرف بری سے مطلب ہے۔

سوال: ہندی علاقے میں کانگریس کی پوزیشن کیا ہے۔ یوپی اور بہار سے یک سبھا کی سیٹوں کی بڑی تعداد چینی جانے لگی وہاں دی پی سنگھ کا کتنا اثر ہے۔

غلام نبی آزاد! میں اس علاقے میں دی پی سنگھ کے اثر کا اندازہ نہیں کر سکا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے کوئی بھی جلسہ خاص اپنے لوگوں کی مدد سے نہیں کیا ہے۔ وہ دوسروں کی جانب سے بلائی ہوئی میٹنگوں میں تقریر کرتے ہیں بھبی میں قنا سامنت اور

نرہنجی ان کے لیے میٹنگ بلاتے ہیں تامل ناڈو میں ڈی ایم کے جلسہ کو داتی ہے۔

اسام میں آسام گن پریشد اور آندھرا میں تلگو ریشم وہ ایک بیڑی کی مانند ہیں جن کو کسی نہ کسی ذریعے سے روزانہ چارج کرنا پڑتا ہے۔ ہم ہندی علاقے میں ضرور ایچ کا سیابی حاصل کریں گے۔

بھارتی انتخابات میں مسلم دوطروں کی خاموش اکثریت بھی فیصلہ کن کردار ادا کرے گی۔ اس مرتبہ گو کہ کانگریس اور جنٹادل دونوں نے ہی مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے اپنی حکمت عملی تیار کر رکھی ہے لیکن بادی النظر میں یہی دکھائی دیتا ہے۔

اسمان ماضی کی طرح کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کریں گے کیونکہ ماضی کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ بھارت کی ہر سیاسی جماعت نے مسلمانوں سے بھڑے وعدے کر کے ووٹ لے اور ان کی اصلاح کے لیے کچھ نہیں کیا۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس مرتبہ مسلمان ووٹ بٹ جائیں گے اور کوئی ایک جماعت یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ اس کی بھولی میں پڑے ہیں۔

پ

غلام نبی آزاد! میں نہیں سمجھتا کہ اس سے ہمارے انتخابی امکانات پر کوئی اثر پڑے گا اپوزیشن تمام اہمیت کے سوالات اٹھانے میں بری طرح ناکام رہا ہے انہوں نے بوفورس کے سودے کا معاملہ اٹھایا ہے جس پر کہ پارلیمنٹ میں کئی بار بحث ہو چکی ہے لیکن وہ اب تک کوئی بات ثابت نہیں کر سکے ہیں نہ کسی طرح کا کرپشن ثابت ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپوزیشن کے پاس نہ تو مسائل ہیں نہ پروگرام ہے نہ کوئی نقطہ نظر ہے۔

سوال: اپوزیشن نے وزیراعظم کے استعفیٰ کا جو مطالبہ کیا ہے اس کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

غلام نبی آزاد! یہ مطالبہ قطعی غیر جموری ہے حکومت بوفورس گھیلے پر پارلیمنٹ میں بحث کرنے سے کیوں انکار کرتی ہے۔ اپوزیشن نے پارلیمنٹ میں جو زبان اختیار کی اور راجیو گاندھی کے خلاف جو نعرے لگائے ان پر خود اپوزیشن کو شرمسار ہونا چاہیے۔ ہم نے پیش کش کی تھی کہ ہم رپورٹ پر بحث کریں گے کیوں کہ ہم نے ذہن کو تیز کھلا رکھا ہے اور اپوزیشن کو پارلیمنٹ کے اندر اور باہر نقطہ نظر کو ابھارنے سے نہیں روکا ہے۔

سوال: اپوزیشن عوامی بھلائی کے ارکون سے مسائل اٹھا سکتی تھی؟

غلام نبی آزاد! ہمارا ملک بہت بڑا ہے اور اس کے مسائل بھی گونا گوں ہیں۔ اپوزیشن نے اس وقت جب کہ ملک بدترین سوکھے سے دوچار تھا راجیو گاندھی سے استعفیٰ کا مطالبہ کر کے غریبوں کے خلاف کام کیا تھا۔ کانگریس پارٹی کا ہر آدمی اور وزیراعظم مسیبت زدہ لوگوں کو مدد دینے کے لیے کام کر رہے تھے۔ سوکھے کے سلسلے میں طبیٹ کمیٹی لائی گئی تھی اس کے سپریمین پنڈت کلاپتی ترپاٹھی جی تھے۔ اپوزیشن نے مسیبت زدہ لوگوں کے لیے ایک پیسہ یا اناج کا ایک تھیلا بھی جمع نہیں کیا جب اپوزیشن کے ایڈراندن اور نیویارک سے بیان دیتے ہیں اور غیر ملکی سیرس پالے کرتے ہیں تو وہ اپنی آمدنی کا ۱۰۰ حصہ تو سوکھے کے اثرات ددر کرنے کے لیے خرچ کر سکتے تھے

موروثی سیاست کا خاتمہ

مطبوعہ: ۸ دسمبر ۸۹

بھارتی انتخابات اپنے انجام کو پہنچے اور مرکزی اسمبلی لوک سبھا کے لیے بھارتی عوام نے تو قعات اور پہلے سے قائم کردہ اندازوں کے عین مطابق کانگریس کو روکرتے ہوئے اپوزیشن کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے جیسا کہ سیاسی مبصرین نے کمپین چربازاری اور رشوت کے الزامات مٹرا جیو گاندھی پر لگاتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ اس مرتبہ وہ اکثریتی ووٹ حاصل کرنے والی جماعت کے سربراہ تو بن جائیں گے لیکن دوبارہ راج سنگھاسنی کی گدی پر فائز ہونا ان کے لیے ممکن نہیں ہو گا اور یہی ہوا۔

”ماہہ ترین اطلاعات کے مطابق جتنا دل کے راہنما مٹرا دشونا تھ پرتاب سنگھ کو بھارتی صدر مٹرو ویکٹ رامن نے حکومت بنانے کی دعوت دی ہے۔ اس طرح مٹرو ویکٹ سنگھ اب بھارت کے وزیر اعظم بن گئے ہیں اور بھارتی آئین کے مطابق انہیں اگلے ۲۰ دن میں پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا ہو گا۔

ستم ظریفی قدرت ملاحظہ کیجئے کہ دی پی سنگھ جو کبھی کانگریس حکومت میں وزیر خزانہ اور پھر وزیر دفاع کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ کانگریس مخالف اور مضبوط ترین راہنما کی شکل میں سامنے آئے اور آج انہوں نے اپنے ماضی کے وزیر اعظم اور سب سے بڑے سیاسی حریف کو پاروں شانے چت کر دیا ہے دی پی سنگھ سیاست میں اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے ایک خاص شہرت کے حامل ہیں ان کے شدید ترین مخالفین بھی ان کی سیاسی مستقل مزاجی اور مساکی کو قومی تناظر میں سمجھ

لاہیت سے انکار نہیں کرتے۔

دی پی سنگھ جنہیں مٹرا کلین بھی کہا جاتا ہے کانگریس حکومت میں وزیر خزانہ تھے اور جب انہوں نے راجیو گاندھی کے ان دوستوں کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا جو قومی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے تو راجیو گاندھی ان کے مخالف بن گئے۔ یہیں سے اصل میں دونوں میں اصول اختلاف کا آغاز ہوا راجیو گاندھی نے دی پی سنگھ کو پورٹ فولیو تبدیل کر کے انہیں وزیر دفاع بنا دیا۔ اس پر بھی دی پی سنگھ کی راجیو گاندھی سے نہ بند سکی اور بالآخر انہوں نے ۸۰ میں کانگریس سرکار سے استعفیٰ دے دیا اس استعفیٰ کی وجہ ان کے اصولی اختلافات تھے۔ دی پی سنگھ نے اعلان کیا کہ راجیو گاندھی کے دوست اپنے وزیر اعظم سانجی کی اشرار واد سے قومی خزانہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ راجیو گاندھی کی نابہی کا باعث بننے والے ”بوفورس سکیڈل“ کا غازی پی سنگھ سے ہوا تھا دی پی سنگھ جب وزیر دفاع تھے تو انہوں نے دفاعی پالیسیوں کی اپنی مرضی اپنانا شروع کی جس پر ان کے راجیو گاندھی سے اختلافات بہت بڑھ گئے کیونکہ وہ بوفورس توپوں کا سودا حکومت کی مرضی کے مطابق کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ بوفورس کا سودا ہوا اور ایک بھارتی اخبار ”ہندو“ نے اس پر واریلہ مچایا اور بوفورس کا سکیڈل منظر عام پر آ گیا۔

”ہندو“ کی رپورٹ کے مطابق بھارتی توپوں کے اس سودے میں مٹرا جیو گاندھی کا اشرار واد سے اعتبار بچن فیملی کے لوگوں نے کر ڈروں روپے رشوت کھائی اور ل رشوت میں راجیو گاندھی باقاعدہ حصہ دار تھے۔ اس سکیڈل کی سچائی ثابت کرنے کے لیے انبارنے سوڈین سے باقاعدہ ثبوت حاصل کئے اس کے بعد ہی پھر کانگریس کا مشہور کر دیا کہ دی پی سنگھ دراصل سی آئی اے کے آدمی ہیں اور انہیں بھارتی وزیر اعظم کا تختہ الٹنے کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ بھارتی اخبارات نے یہ الزام بھی لگایا اور سوڈین سے بوفورس توپوں کے سودے والی انتہائی خفیہ فائلیں برآمد کروانے

یکوہ ذہن کا مالک ہے۔ وہ عوام کے دل تفریق کے ذریعے جیتنے کا فن جانتے ہیں۔
بچے جلسوں میں وہ راجیو خانمان کو کرپٹ اور خود کو "کلین" کہا کرتے تھے۔

دی پی سنگھ اے۔ میں الہ آباد کے حلقے سے پہلی مرتبہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے
۱۹۸۱ میں انہوں نے انٹرپرائز کے وزیر اعلیٰ کا عہدہ حاصل کیا اور یہاں سے استعفیٰ
دینے کے بعد مرکز میں وزیر تجارت بنے۔ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد جب راجیو گاندھی
نے حکومت قائم کی تو انہیں وزیر خزانہ کا عہدہ دیا جس کے بعد وہ وزیر دفاع بنے
اور پھر کانگریس کو خیر باد کہہ دیا۔ ان کے خلاف کانگریس نے جو آخری میز چلایا وہ دی پی
سنگھ کے سی آئی اے کے ایجنٹ ہونے کا دعویٰ تھا۔ اس سلسلے میں کانگریس کے حامی تقریباً
سب ہی اخبارات نے باقاعدہ مہم کا آغاز کیا لیکن عوام جان چکے تھے کہ یہ الزام برائے
الزام ہے اور کانگریس کا یہ حربہ بھنی کاکام رہا۔

بھارتی انتخابات میں جتنا دل کو کہ واحد اکثریتی پارٹی کی حیثیت حاصل نہیں کر سکی
اور بے پی نے بھی خاصی ٹیمیں حاصل کی ہیں لیکن اس کے بعد بھارتی سیاسی حلقوں
میں یہ سوال اٹھ رہا ہو گیا تھا کہ آخر مدر وینکٹ رامن کی پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت
بجائے اس کی اپنی سوا بدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کانگریس کے ایک حصے کی طرف سے واحد اکثریتی
پارٹی ہونے کے ناطے یہ مطالبہ سامنے آیا تھا کہ مدر انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی
لیکن جتنا دل بی جے پی اور کنوینشنل اپوزیشن کے ان نمایاں گروہوں کی طرف سے کانگریس
سے تعاون نہ کرنے کے اعلان کے بعد بھارتی مدر پر واضح ہو گیا کہ راجیو گاندھی کو
حکومت کی دعوت دینا غلط بات ہے اور بھارتی عوام نے کانگریس کے خلاف فیصلہ دیا
ہے اس لیے اپوزیشن کو ہی حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔

اس مرحلے پر پھر انتخابات نے سراٹھایا۔ خود جتنا دل میں دیوی لال اور چندر
شیکھر کی وزارت غلطی کے اسیدوار تھے اور دوسری طرف بی جے پی اور کنوینشنل پارٹی
بجائے اس کے خلاف اتنی شدت سے الزام تراشیاں کر رہی تھی کہ دونوں نے ایک
ماٹھ جیتنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ بی جے پی ایک ہندو متا ہلپند جماعت ہے

میں بھی سی آئی اے نے ہندو اخبار سے تعاون کیا اور یہ کارنامہ اپوزیشن کے ذریعے
انجام پایا ہے۔

دی پی سنگھ کے سیاست میں جلد متنازع مقام حاصل کرنے کی وجہ ان کا مافی
ہے۔ جب وہ انٹرپرائز کے وزیر اعلیٰ تھے تو دیوی کے سرحدی اصلاح خصوصاً پینل
گمائی میں ڈاکوئوں کی کارردائیاں اپنے نقطہ عرض کو چھو رہی تھیں۔ دیہاتی ڈاکوئوں
کے گھاتوں بہت پریشان تھے اور دی پی سنگھ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ڈاکوئوں سے
عوام کو نجات دلائیں گے جب وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے اور ڈیکیتی کی وارداتوں میں
کمی نہ ہوئی تو دی پی سنگھ نے وزارت اعلیٰ کے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ کانگریس
میں رہنے کے باوجود کانگریس کی عوام دشمن پالیسیوں پر ہمیشہ تنقید کرتے رہے۔

دی پی سنگھ خود راجپوت مہاراجہ ہیں۔ وہ ۲۱ء میں پیدا ہوئے اور صرف
دس سال کی عمر میں جب وہ اپنے چچا کے لے پاک تھے تو دایا کی نواحی ریاست
"مندا" کے دلی عہد نامہ ہو گئے۔ دی پی سنگھ راجپوت ہندو ہونے کے باوجود بھارتی
اتلیتوں کے خلاف ہندوؤں کے غیر انسانی سلوک کے ہمیشہ شاک رہے ہیں اور انہوں
نے کئی مرتبہ کانگریس کے رہنما کی ناراضی مول لے کر بھی اتلیتوں کی حمایت کی۔

۸۸ء میں دی پی سنگھ نے راجیو گاندھی کو بھاڑ اور بھارت کو بھاڑ کے نعرہ
سے اپنی اپوزیشن سیاست کا آغاز کیا اور جن مورچہ کے نام سے تحریک چلائی۔ اس
درمیان ایک ضمنی انتخاب میں انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اس کے بعد انہوں
نے جتنا دل کے نام سے باقاعدہ سیاسی پارٹی قائم کر دی۔

دی پی سنگھ اپنی مسکوئٹ اور جادو بیان مقرر کی حیثیت سے بھارتی
عوام میں دلچسپی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے بھارتی عوام خصوصاً لوہے کے ہند
ہر بھجن کا دل جیتنے کے لیے مہاتما گاندھی کے انداز میں اپنی ایک تصویر بنائی جس نے عوام
سے دل میں ان کے لیے مزید جگہ پیدا کر دی اور اسے انہوں نے دی پی سنگھ کو ہی
گاندھی ہندو متا ہلپند جماعت کے سربراہ کا بیٹا دینا شروع کر دیا۔ رسلہ ہند کے ہندو راہب کا بیٹا دینا شروع کر دیا۔

ہی ہے کیونکہ اپوزیشن کے دو بڑے گروپ جنٹا مل اور بی جے پی متضاد نظریات پر مال ہیں۔

بی جے پی ایک انتہا پسند ہندو جماعت ہے جس نے کھلم کھلا تجارت میں مام راجیہ کا نعرہ بلند کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کو پیسٹج ہندی بنانا ہوگی اور ہندو ہی کو ہندوستان میں رہنے کا حق ہے۔ اس بات نے بابری مسجد کو رام جنم بھومی بنا کر یہاں مندر کا سنگ بنیاد رکھا اور اپنے شور میں یہاں رام مندر بنانے کا اعلان بھی کیا یہ لوگ ہندو راج قائم کرنے کے میلے ہیں۔ کیونسٹ پارٹی نے اپنی ہر پیسٹج سے بی جے پی کی مخالفت کی اس جماعت کو اقلیت بھارت دشمن قرار دیا ہے یوں بھی کیونسٹ سیکولر ہونے کے دعویدار ہیں۔

جہاں تک جنٹا دل کا تعلق ہے تو اس کو سیکولر کے بجائے مسلمانہم جماعت کہا جائے بہتر ہوگا کیونکہ جنٹا دل نے بابری مسجد کے مسئلے پر صرف یہی کیا کہ مندر بگڑ چلاں کو الگ مسلمان کیا ہے۔ یہ وی بی سنگھ کی سیاسی بعیرت تھی کہ انہوں نے ایک ہی وقت ہندو اور مسلمان دو ٹوٹ کر ہندو دیاں حاصل کیں لیکن یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ قبل میں انتہا پسند ہندو خصوصاً بی جے پی کی مرضی کے بغیر کچھ کر پائیں گے۔

بابری مسجد جنٹا دل کے لیے بہت بڑا امتحان ثابت ہوگی اور میں ممکن ہے کہ اسی ایک مسئلے پر جنٹا دل اور بی جے پی اختلافات کا شکار ہو جائیں۔ جبکہ کیونسٹ اپنا ایک انداز سیاست سے اور وہ کسی کے ساتھ مل کر چلنے کو تیار نہیں۔ جہاں تک مسلمان دو ٹوٹ کا تعلق ہے جنہوں نے جنٹا دل کو ووٹ دیئے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بات کا ایک مخصوص فضا میں ہی مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا اور بابری مسجد اور ہمارے رات اس کا باعث ہے اگر مسلمانوں نے اس امید پر کانگریس کو روکیا ہے کہ جنٹا بابری مسجد کے مسئلے پر ان کی مدد کرے گی تو یہ خام خیالی ہے۔

نئی حکومت کو بھارت کی علیحدگی پسند تحریکوں خصوصاً پنجاب، کشمیر اور آسام میں ہندو تحریکوں کا سامنا ہے اور یہ مسائل اسے ورثے میں ملے ہیں۔

جے کیونسٹ اقلیت دشمنی اور بابری مسجد مسئلے کے لیے ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اس سچیدہ صورتحال کے پیش نظر یہ امید پیدا ہو چکی تھی کہ اپوزیشن کے اکٹھے نہ ہونے کی وجہ سے "شاید کانگریس کو دوبارہ جوڑ توڑ کے ذریعے پھر برسرِ اقتدار آنے کا موقع مل جائے یا پھر قومی حکومت کی تجویز زیر بحث آتی لیکن فیصلہ بالآخر جنٹا دل کے حق میں ہوا۔ وی بی سنگھ کا بطور پارلیمانی لیڈر انتخاب بھی ایک سیاسی ڈرامہ ہے کہا جاتا ہے چند فرسکیر مشننگ کے پارلیمانی لیڈر ہونے کے شروع ہی سے مخالفت کرتے آئے ہیں اور وہ خود یا پھر ہریانہ کے دیوی لال کو وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا رویہ اتنا انتہا پسند نہ تھا کہ جب جنٹا دل کے پارلیمانی گروپ کا اجلاس ہوا تو وہ ناراض ہو کر اجلاس کا بائیکاٹ کر کے گھر چلے گئے تھے۔ چند فرسکیر کے لیے سے اس بات کا خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ اس مرحلے پر دیوی لال نے سیاسی بعیرت کا مظاہرہ کیا اور اپنے پارلیمانی لیڈر ہونے کا اعلان کر دیا جس کی تائید چند فرسکیر نے کی۔ تاہم ان کی گونج ابھی کم نہیں پڑی تھی۔ کہ دیوی لال نے اپنی طرف سے وی بی سنگھ کو پارلیمانی لیڈر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی دعوت دی جس کی تائید جنٹا دل کے سیکرٹری سٹریجے سنگھ نے کر دی۔ چند فرسکیر کے لیے یہ چونکا دینے والی کارروائی تھی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ دیوی لال نے کہا کہ وہ گاندھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اب تانا کر عوام میں جا کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ دو دسمبر کو انہوں نے وزیر اعظم کے عہدے کا ہٹ اٹھایا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیاری بی سنگھ اپنی حکومت برقرار بھی رکھ پائیں گے اور پاکستان پر اس حکومت کے قیام سے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ جہاں تک وی بی جے کی حکومت کرنے کا تعلق ہے۔ تو کانگریس پارلیمانی لیڈر سٹرا جیو گاندھی نے اپنی رشتہ میں اپوزیشن میں چھوٹے کانفیملہ اسی امکان کے پیش نظر کیا ہے۔ اپوزیشن نے اندھا دھن حکومت سنبھالی تھی اور تین سال بعد ہی نئے انتخابات ہو گئے تھے اس مرتبہ بھی اپوزیشن والے مل کر نہیں چل سکیں گے۔ بلکہ ہمارا جیو گاندھی کی یہ سوچ کسی حد تک صحیح دکھائی

نخن مسلم کی ارزانی

بادی النظر میں دکھائی تو یہی دنیا ہے کہ کانگریس کی حکمت عملی ٹھیک ہے۔ موجودہ حکومت شاید زیادہ عرصہ نہ چل سکے اور بھارتی عوام ایک مرتبہ پھر نہرو خاندان کو خود پر مسلط کر لیں لیکن فی الوقت یہی نظر آیا ہے کہ نہرو خاندان کا طلسم ٹوٹ چکا ہے اور بھارتی عوام نے موروثی سیاست کو ختم کر کے مسائل کے حوالے سے سیاست اٹھانے کیا ہے۔

وزیر اعظم وی پی سنگھ نے کہا ہے کہ وہ خارجہ پالیسی میں بھی نئی ترجیحات کا تعین کر گئے جن میں ہمسالیوں سے بہتر تعلقات اور سری لنکا سے بھارتی فوج کی واپسی سرفہرست ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ راجیو گاندھی نے جنوب مشرقی ایشیا میں بھارت کی بادشاہت کا جو خواب دیکھا تھا اور جس طرح وہ بھارتی پینوں کو مضبوط کر رہے تھے تاکہ ہندو مہاساگر میں اپنی ملاری قائم کر سکیں اب شاید وہ خواب ادھور ہی رہے اور معاملات کم از کم اپنی جگہ ٹھہر جائیں۔ اس طرح ایک بات تو یہ حال کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کو بھارتی جارحانہ عزائم سے کچھ مرے کے لیے مہلت مل گئی ہے اب اس مہلت کا فائدہ کس طرح اٹھایا جائے پاکستانی حکومت کو اس سوال کا جواب اپنے اعمال کی روشنی میں تلاش کرنا ہو گا۔

دنیا بھر میں گلا بھاڑ کر اور چنچ پیچ کر خود کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوری ٹیکر حکومت ثابت کرنے والی بھارت سرکار نے مسلمانوں کو زیر دستی ہندو بنانے کی جو شرمناک مہم شروع کر رکھی ہے اس کے متعلق یہ مضامین بھارتی اخبارات ہی سے اخذ کئے گئے تھے جن سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ آج کے اس ترقی یافتہ اور مذہب دور میں دنیا میں ایسی غیر انسانی مخلوق بھی آباد ہے جسے دنیا کی آنکھوں میں دھول بونکنے کی فن پر کمال حاصل ہے اور جھوٹ کو اتنا شہرت سے سچ بنانے پر تلی ہوئی ہے کہ بدیدہ دور کا انسان بھی اس کی اس دھوکہ دہی سے نہیں بچ سکا۔

مسلمان بچے

رامائن پڑھنے پر مجبور

مطبوعہ: ۲۶ مئی ۱۹۸۹ء

دہلی کے سرکاری سکولوں کی چھٹی اور ساتویں جماعتوں میں دو کتابیں سکھیتے ہیں اور سکھیتے ہیں بھارت پڑھائی جا رہی ہیں۔ یہ کتابیں اکثر ترقی فرقی کے طلباء کے ہاں طلباء اور دوسری اقلیتوں کے طلباء کو بھی پڑھائی جا رہی ہیں۔ ابھی تک سکھیتے ہیں رامائن سکولوں میں پڑھائی جا رہی تھی اب ایک دوسری کتاب سکھیتے ہیں بھارت بھی سکولوں کے نصاب میں شامل کر دی گئی ہے۔ آج سے ۹ ماہ قبل جب دہلی ایڈمنسٹریشن نے سرکاری حکومت کی توجہ اس طرف دلائی تھی اور اردو اخبارات نے سب سے پہلے اس

دے گئے ہیں جنہیں بچوں کو زبانی یاد کرنا ہے۔ دوسری ریاستی حکومتوں کا علم نہیں انہوں نے اپنے یہاں کیا کیا ہے۔ البتہ این سی ای آر ٹی کا تیار کردہ نصاب جن سکولوں میں رائج ہے وہ سب کے سب اس کے پابند ہیں نئی دنیا نے اپنے ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کے آرے میں اس مسئلے کو اٹھایا تھا اور صفحہ اول پر شہ سرخویں کے ساتھ اسے پیش کیا تھا جو نمونہ اس سلسلے میں سپر قلم کیا گیا تھا اس کی سرخیاں تھیں نئی تعلیمی پالیسی کے تحت بچوں کے لیے رامائن کی تعلیم لازمی سیکولر ہندوستان کے نابوت میں آخری کیل نئی دنیا میں اس نمونہ کی اشاعت کے بعد برسر اقتدار کانگریس آئی کے بعض افراد نے اس سلسلے میں احتجاج کیا تھا اور جادو پر دیش کانگریس کمیٹی کے اور کل ہند قومی تنظیم کے صدر طارق انور ایم پی نے وزیر تعلیم اور وزیر ابلخ کو اور دہلی کے لیفٹنٹ گورنر اور چیف ایجنٹ کیڈ کو نسل کو خطوط رسالے کے تھے جس میں اس فیصلے کو ہندوستان کے جمہوری دستور کی خلاف ورزی کہا گیا تاہم آج تقریباً نو ہینہ کا عرصہ ہونے کو آ رہا ہے اور سکولوں کا دوسرا نصابی سال شروع ہونے بار ہے۔ لیکن دہلی کے کانگریس آئی کے زیر اقتدار ایڈمنسٹریشن کے کالوں پر چون تک نہیں ریگ رہی بلکہ اس نے سچکھیت مہا بھارت کو بھی نصاب میں شامل کر لیا۔

اذان پر پابندی

مطبوعہ: ۱۳ اپریل ۱۹۸۹ء

آزادی کے بعد سے اب تک بھارت میں اسلام دشمن طاقتوں نے جس انداز میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے ہیں اور انہیں اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کی مذموم کوشش کی ہیں وہ مسلمانوں سے پوشیدہ نہیں نصابی کتابوں سے ہمارے اسلاف کے صلاح حیات و کارکردگی کو حذف کر کے ہندوؤں کے سنت اور مینواؤں کا ذکر مسلموں پر ہندو لازم مسلط کرنے کی سنگین سازش ہو رہی ہے۔ حکومت کے ہر محکمے میں موجود

معاملے کو اٹھایا تھا تو اس وقت محض سچکھیت رامائن پڑھائے جانے کا معاملہ رہا آیا تھا لیکن اب دوسری کتاب سچکھیت مہا بھارت بھی نصاب میں شامل کر دی گئی ہے دہلی ایڈمنسٹریشن نے اپنے زیر انتظام تمام سکولوں کی جیٹی اور ساتویں جماعت کے لازمی ہندی نصاب میں معاون کتاب کی شکل میں ان دونوں کتابوں کو شامل کیا ہے اب ایک نہ شدہ و شدہ والا معاملہ ہو گیا ہے ہم نے نو حکومت کی توجہ ایک کتاب کی طرف دلائی تھی اس پر تو کیا عمل ہوتا ایک دوسری کتاب اور نافذ کر دی ایسا گنہگار ہے کہ یانور پور گاندھی کی کانگریس خود کشی پر آمادہ ہے یا پھر جان بوجہ کر کچھ عناصر کانگریس کو اندھے گور میں دھکیل رہے ہیں آج کانگریس جس حالت میں ہے اسے برسر اقتدار رہنے کے لیے ملک کی اقلیتوں کو زور بلقاات پس ماندہ عناصر اور سیکولر طاقتوں کی مدد و حمایت کی ضرورت ہے۔ لیکن کانگریس ایک کے بعد ایک ایسا قدم اٹھا رہی ہے جس کے نتیجے میں ملک کی اقلیتیں اور سیکولر عناصر اس سے دور ہوتے چلے جائیں۔ کانگریسیوں کو اگر یہ غلط فہمی ہے کہ ہندو بنیاد پرستی اور مذہبی احیا پرستی کو ہوا دے کہ وہ ہندوؤں کے دل اور حمایت حاصل کر سکے گی تو وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہے۔ ہاں معاملہ اٹھا ضرور ہوتا ہے۔ اور اقلیتیں بالخصوص مسلمان اس سے دور ہو جائیں گے اور یہ کانگریس کے لیے ایک گھائے کا سودا ثابت ہو سکتا ہے۔ کانگریس اس وقت ایک دوسرے چہرے والی بنا بنتی جا رہی ہے اور ان تمام اصولوں کو رفتہ رفتہ چھوڑ رہی ہے جس پر اس کی بنیادیں کھڑی ہیں۔ رامائن اور مہا بھارت مذہبی کتابیں ہیں مذہبی کتابیں ہونے کا اثر اپنی جگہ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ایک مخصوص فرقے کے مذہبی جذبات سے تعلق رکھتی ہیں کسی ایسے موضوع کو جس کا تعلق کسی خاص فرقے کے مذہب سے ہوا تبدیلی کا لازمی جز بنا دینا سیکولر اقدار و آرائیں میں درج سیکولر ازم کے اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل تحریر کیا جا چکا ہے ان کتابوں کو این سی ای آر ٹی کوئی کتاب برائے تعلیمی تحقیق و تربیت نہیں دہلی نے تیار کیا ہے۔ ان کتابوں کے آخر میں کچھ اشوک

ہی کر رہے تھے کہ حکومت مہاراشٹر کی ایماء پر بمبئی پولیس کسٹرنے شہر کے تمام علاقائی پولیس سٹیشنوں کو ہدایت کی کہ کسی بھی مسجد میں پولیس کا اجازت نامہ حاصل کئے بغیر لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کی قطعی اجازت نہ دی جائے کسٹرنے کے اس سرکرہ سے آج پوری بمبئی میں سچان کا ماحول ہے کیونکہ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر سے اذان دینے کی اب ہم کھلی آزادی تھی انگریزوں کے زمانے میں جب ہم غلام تھے اس وقت بھی لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کی آزادی تھی لیکن حکومت نے اچانک اس کا فیصلہ کر کے مسلم دشمن تحریک اور ہندو ازم مسلط کرنے کا ثبوت دیا ہے جبکہ کسی بھی مندر پر لاؤڈ سپیکر سے بہن کیرتن پر پابندی عائد نہیں ہوتی نہ ہی انہیں اجازت لینے کی ضرورت ہے اس سے مشتاقی رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ تمام حرکات مسلم دشمنی سے وابستہ ہیں۔ پولیس کے سرکرہ کے مطابق ہر مسجد میں الگ الگ پابندی لگائی گئی ہے کسی مسجد کو امامہ تک کا اجازت نامہ دیا جا رہا ہے تو کسی مسجد کو صرف ایک ماہ کے لیے مطلب یہ کہ آپ ہر گیارہ ماہ بعد اور کہیں کہیں مالانہ پولیس سٹیشنوں کے چکر لگاتے رہیں اور پھر پولیس کے اس اجازت نامے کو کوئی کاغذی نہیں۔ وہ جن شروط طریقوں پر اجازت نامہ دے رہی ہے، اسے نقص امن کے نام پر کبھی بھی منسوخ کر سکتی ہے۔

بمبئی شہر کے مسلمان اس وقت جس کسمپرسی کی حالت میں ہیں اتنی کسمپرسی شاید باری مسجد کی بازیابی کے لیے بھی نہ ہو۔ پولیس کا یہ سرکرہ اس وقت مسلمانوں کے سروں پر ٹھکتی ہوئی تلوار کے مانند ہے اور مہاراشٹر کے دو مسلم وزراء بھی پروفیسر جاوید خاں اور ڈاکٹر محمد اسحاق جم مانہ والا چپ سادھے بیٹھے ہیں جب مساجد کے تشلین اور مختلف مسلم تنظیمیں اس مسئلے پر ان سے رجوع ہوتی ہیں تو یہی جواب ملتے ہیں کہ اگر پولیس باسانی اجازت نامہ دے رہی ہے تو اسے حاصل کرنے میں کیا قباحت ہے وزیر داخلہ دپلاس ساروت نہیں مسلم نواز وزیر کہا جاتا ہے ان کا بھی موقف واضح نہیں وہ بھی دینی آواز دہی کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کسٹرنے کو ہدایت کر دیں گے کہ اجازت نامہ جاری کر لے میں کوئی شکاری نہ پیدا کریں۔

اسلام و مسلم دشمن عناصر نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ تعصب برتا ہے۔ انہیں مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے اور ہر طرح سے ان کی حوصلہ شکنی کی پر زور سازش ہو رہی ہے اور آج فرقہ پرست و فاشسٹ مسلمان دشمن جماعتیں، وٹو ہندو پریشد، آسائیں ایس ہندو مہاسبھا اور شیو سینا مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کر رہی ہیں اور مسلمانوں کی حرکات و سگر میوں پر پابندی عائد کرنے اور انہیں ملک دشمن سرگرمیوں سے تعبیر کرنے کی مہم چلا رہی ہیں وہ اس سیکولر اور جمہوری ملک کے ماتھے پر کلنک ہے اور سیکولر حکومت کا دعویٰ کرنے والی یہ حکومت بھی ان ٹرینڈ لوگوں کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ ارباب حکومت میں موجود ہندو کاندوں کو کھلی آزادی دے رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ باری مسجد کی بازیابی سے لے کر متصل کی عید گاہ تک مسلمانوں کے جذباتی مسائل کو مسئلہ آگد کھائی جا رہی ہے عالمی قوانین پر حملہ قرآن پر مقدمہ دائر کرنے والے کی پشت پناہی ایک معاملہ موقوف نہیں بلکہ باری مسجد کا مسئلہ التوا میں ڈال کر مسلمانوں کو محض بے چینی و پریشانی میں مبتلا رکھنے کے سوا کچھ نہیں۔

حکومت نے اب انہیں کاندوں کے دباؤ و اشارے پر کھل کر مسلمانوں کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی واضح مثالیں ملک کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں لیکن ملک کے سب سے بڑے کا سمبولیٹین شہر بمبئی میں حکومت میونسپل کارپوریشن اور پولیس نے جو کسٹرنے کہ مسلم مخالف محاذ بنایا ہے وہ مستقبل میں مسلمانوں کے لیے انتہائی بھیاں تک ثابت ہو سکتا ہے۔ مہاراشٹر حکومت مسلمانوں کو مسجد میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ اذان دینے اور نماز پڑھنے پر پابندی لگانے کا پہلا تجربہ کر رہی ہے شیو سینا بمبئی میونسپل کارپوریشن پر قابض ہونے کے بعد سے ہی شہر کی مسجدوں کو غیر قانونی تعمیرات کا نوٹس اور اس کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کر رہی ہے اور شہر کے ۲۶۷ مساجد میں سے ۲۵۶ مساجد کو غیر قانونی بتایا ہے جبکہ تقریباً ۱۱۱ مساجد پر غلطیاتی نوٹس دیے گئے اور ۵۲ مساجد کو وجہ بتاؤ نوٹس جاری کیا ہے بمبئی میونسپل کارپوریشن کی اس شرانگیزی سے مسلمان دل برداشتہ ہو کر ابھی اس کے خلاف جلسے جلوس و احتجاج کی تیاریاں

ہے ان علاقوں میں جہاں کثیر تعداد میں جھوٹے ہیں اور مسلم اکثریت ہے وہاں جو بھی عربی مدارس چلائے جا رہے ہیں اس کی نگرانی میں مدرسے میں بیچ وقت نماز کا اہتمام کیا گیا ہے جسے بیٹیوں کی کارپوریشن نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ایسی جگہوں پر نماز کی پابندی لگائی جا رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مدرسے میں نماز پڑھ کر اسے مسجد میں تبدیل کرنے کی سازش ہو جاتی ہے اگر کسی مدرسے کے ایک گوشے کو مسجد کی شکل دی گئی تو فوری طور سے کارپوریشن نوٹس جاری کر دیتی ہے، مضافات میں ایسی تقریباً ۹۸ مساجد ہیں جو دروں کے زیر نگرانی ہیں انہیں پولیس نہ لاؤڈ سپیکر کا اجازت نامہ دے رہی ہے اور یہی کارپوریشن اسے تسلیم کر رہی ہے بیٹی کی وہ مساجد جو سو سال، پچاس سال یا ۲۵ سال پرانی ہیں ان کا تعمیری منصوبہ اور کارپوریشن کا اجازت نامہ طلب کیا جا رہا ہے غرض کہ ایک ایک کر کے وہ تمام پابندی مسلط کی جا رہی ہیں جو ۱۴ سو سال قبل عرب کی سرزمین میں انھوں نے کے زمانے میں مشترکین مکہ نے کیا تھا۔ ان حالات میں وہ سخت دل مسلم لیڈران و ارباب حکومت ہیں عہدوں پر براجمان مسلم آفیان و وزرانے اگر ایمان کی بنیاد پر کچھ نہ کیا تو یقیناً اس ملک میں مسلمانوں کا جینا دو بھر ہو جائے گا۔

اردو کو دیس نکالا

مطبوعہ: ۱۴ اپریل ۱۹۸۹ء

اردو کے خلاف آج کل پھر ایک منظم مہم چل پڑی ہے اور اس پر سنئے سرے سے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ ۱۵ مارچ کے ہندی روزنامہ ”نوبھارت“ نامہ میں راجنیکھ دیاس نے اپنے مضمون میں کہا ہے کہ ”اردو صدیوں سے ہندوستان میں رہا کہ ہندوستانی پن سے بچتی رہی ہے۔ وہ یہاں کی ہو کر بھی پرانی بنی رہی۔ وہ ہندوستان کے تہذیب میں گھل مل نہیں پائی ہے۔ اردو اپنا رشتہ مکہ مدینہ سے توڑ کر کاشی گیا اور

یہ بات سچ ہے کہ بیٹی کے ہر پولیس سٹیشن سے لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کے آسانی سے اجازت نامہ دیا جا رہا ہے اور پولیس کا یہ کہنا بھی ہے کہ ”اس سے کچھ نہیں لیکن رسماً اس کا بننا بہتر ہے حالانکہ سرکار اذان پر پابندی لگانے کے بہ نہ تھی اور نہ ہے“ پولیس کے یہ حملے اور سرکھ میں درج شرائط یقیناً خطرناک ہیں پولیس شہر میں کچھ اور مضافات میں الگ شرائط رکھی ہیں ان میں اہم یہ ہیں۔

۱۔۔۔۔۔ لاؤڈ سپیکر پر اذان کی آواز دھیمی رکھی جائے۔

۲۔۔۔۔۔ لاؤڈ سپیکر کا منہ مین روڈ کی جانب نہ ہو۔

۳۔۔۔۔۔ مسجد کے اطراف آباد لوگوں کو اس سے تکلیف نہ ہو۔ سپیکر باکس ہا

ہول اور اذان مندرجہ ذیل اوقات میں ہی دی جائیں۔

نمبر صبح ۶ بجے، ظہر دوپہر ۱ بجے، عصر شام ۵ بجے، مغرب شام ۷ بجے، عشا ۸ بجے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز کے اوقات میں کسی زیادتی رہتی ہے اس منا سے ہم گرفت میں آجائیں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر مسجد کے پڑوس میں کوئی غیر مسلم آباد اور اذان کی تیز آواز کے خلاف کورٹ میں گیا تو ہم جن چند مشروط طریقوں کے پابند ہو اجازت نامہ لیتے ہیں اس کی خلاف ورزی ہوگی اور ہم نماز کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر لاؤڈ سپیکر کی آواز دھیمی رکھی تو لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کا کیا ہوا؟

شہر کے مضافاتی علاقے جو گپٹوری گوری گاؤں، ملاؤ اور سکاندپولی وغیرہ میں آباد نامے پر بہت سخت شرائط ہیں اس لیے ان علاقوں کے تقریباً متوہیان نے ہنگامی میٹنگ میں احتجاج کا فیصلہ کیا اور پولیس کے اجازت نامے کے بغیر اذان دینے کا فیصلہ کر لیا اس سخت اور شدید رویے کا اثر یہ ہوا کہ ملاؤ میں واقع ایک مسجد سے پولیس نے لاؤڈ سپیکر اتار دیا آج وہاں بغیر لاؤڈ سپیکر کے اذان ہو رہی ہے۔

دوسری اہم بات جو مسلمانوں میں شدت پیدا کر رہی ہے وہ یہ کہ مضافات

پریاگ سے نہیں جوڑ پائی ہے۔

پریوں کی جانب سے وعدوں کی نفل اگائی جائے گی لیکن اس مرتبہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اردو کے سلسلے میں محض وعدے شاید کام نہ آئیں۔ کیونکہ اردو کے سلسلے میں صرف وعدوں کے سہارے سیاسی پارٹیوں نے بہت ووٹ بٹور لیے اب ان کیلئے اردو کے سلسلے میں کوئی عملی اقدام کے بغیر چارہ نہیں۔ ایک طرف برسر اقتدار پارٹی ہے جس کی گزشتہ حکمرانی میں ہندوستان کے مسلمان بہت خوش نہیں ہیں وہ مسلمانوں کی بہتری حاصل کرنے کے لئے ایسی کوششیں کر سکتی ہے جو اردو کے مفاد میں ہوتی دوسری طرف ہندوستان کے سیاسی افی پر اپوزیشن کی ملی جلی پارٹی کی شکل میں جتنا دل ابھر کر سامنے آیا ہے جس نے انڈیوں کے سلسلے میں کوئی واضح پالیسی نہیں اپنائی ہے لیکن بی جے پی لابی کو خدشہ ہو سکتا ہے کہ شاید مسلمانوں کو بھلانے کے لیے وہ اردو کے تعلق سے کچھ ایکشنی وعدے کرے۔ اسی لیے برادران وطن نے یہ تازہ مہم چھیڑ رکھی ہے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے طرح طرح کے رائلٹیشن کئے جا رہے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد سے اب تک اردو کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ یہ ارباب اقتدار مصلحت کا شکار رہی ووٹ کی سیاست نے نہ صرف اردو کو اس کا جائز حق دلوایا بلکہ ان کا رشتہ پیٹ سے ختم کر کے اور اس کی مٹی سے اس کی جڑیں کاٹ کر اسے سسک سسک کر دوڑنے کے لیے مجبور کر دیا۔ دانستہ طور پر ایسی تعلیمی پالیسی تیار کی گئی جس سے اردو کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والے طالب علموں کو اردو پڑھنا ناممکن ہو جائے دوسری طرف تمام طرفی یہ رہی کہ برادران وطن کے ایک مخصوص طبقہ نے اس پر طرح طرح کے اوجھے الزامات لگا کر اسے بے اثر و کسے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کہا جا رہا ہے کہ اردو ہندوستانی تہذیب میں گھل مل نہیں پائی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان خود ہی ہندوستان کی ملی تہذیب کی علامت ہے اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اپنی پیدائش ہی سے اردو نے جہاں ایک طرف حرم کا ذکر کیا تو دوسری طرف دیر کی بات کی ہے ایک طرف جہاں شہر کھینچا ہے تو دوسری طرف مصلیٰ بھی بچا یا ہے ایک طرف جہاں عید کی خوشیوں کے نغمے گئے تو دوسری طرف ہولی اور مننت کے گیت بھی گائے ہیں۔ اردو ٹوٹے ہوئے دلوں

اتنی بات تو بھی کو معلوم ہوگی کہ اردو پر اس قسم کا الزام لگانے والا ہمارا برادران وطن کا وہی مخصوص طبقہ ہے جس کی آنکھ میں ہندوستان کا مسلمان برابر کی طرح کھٹکتا رہتا ہے اور وہ اس کے وجود کو ہندوستان میں کسی بھی حالت میں برا نہیں کر سکتا پھر جہلا مسلمانوں سے جان بوجھ کر وابستہ کر دیئے والی اردو زبان کو کس بخش سکتا ہے۔ اس مخصوص طبقہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے مسلمانوں اور اردو کے خلاف وقت بے وقت زہر اگلنے کا سلسلہ جاری رکھے۔ راج سیکھر دیاس کے مضمون کے ساتھ ہی ”آرگنائز“ میں ڈاکٹر اوپی کپور کا مراسلہ مضمون کی شکل میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ”انکشاف“ کیا ہے کہ اردو کی زبان ہے ہی نہیں اس میں زیادہ تر عربی اور فارسی کے الفاظ ہیں اور تقسیم قبل انگریزوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ میاں کے لوگوں کو مختلف خالوں میں با کر اپنی بالادستی قائم رکھ سکیں۔ ڈاکٹر کپور نے اپنے مضمون میں کہا ہے کہ آئین میں اردو کو کرنے سے اردو ہندوستانی زبان نہیں بن جاتی کیونکہ آئین میں تو انگریزی کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر کپور نے اپنے مضمون میں مزید کہا ہے کہ اردو محض ایک محدود ادبی طے بولی اور سمجھی جاتی ہے میاں تک کہ مشاعرہ تک میں لوگ اس کو نہیں سمجھتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ ۱۳، ۱۴ مارچ کے آرگنائز میں دہلی میں ہونے والی ماہ اردو کانفرنس کے سلسلے میں ایک رپورٹ بھی شائع ہوئی ہے جس میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اردو کے نام پر ایک نئی ملیشیا کی پسند تحریک شروع کی گئی ہے اور جس طرح اردو نے ۱۹۴۷ء میں ملک کو تقسیم کیا اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دو ٹکڑے کروائے آج پھر ملک میں تقسیم کے بیج بوری رہے۔

اردو کے خلاف اس قسم کے الزامات کوئی نئی بات نہیں لیکن ادھر اچانک جن منظم طریقے سے یہ تازہ مہم چلائی جا رہی ہے اور اس کو غیر ملکی زبان کا سرٹیفکیٹ دیا جا رہا ہے اس کے پیچھے ایک خاص مقصد کا فرما نظر آتا ہے۔ ایکشن کا موسم پھر قریب ہے پھر

پشہروں تک ہی محدود ہے۔ پتہ نہیں اردو کے بارے میں اس قسم کی رائے دینے والوں نے پاس کیا یا نہیں ہے۔ اردو زبان سے دلچسپی اور وابستگی کا اندازہ کرنے کے لیے بعض شاعرہ لاشال دنیا کافی ہوگا۔ ہندوستان بھر میں عام لوگوں کو شعروں سے جو دلچسپی ہے وہ اردو سے محبت کی علامت ہے اس میں شہری یا دیہی علاقے کی کوئی تفریق نہیں۔

اردو کی مخالفت کرنے والوں کو شاید غدشہ رہتا ہے کہ جب تک اردو زبان کا وجود ہے وہ یہاں کے لوگوں میں نفرت اور دشمنی پیدا نہیں کر سکتے، یہاں کے عوام میں ایک خاص قسم کا جذبہ نہیں بھر سکتے۔ جب تک ہندوستان میں اردو رہے گی ہندوستان کا مزاج سیکور رہے گا اور اس ہندوستان کے سیکولر مزاج ختم کرنے کے لیے اردو کو ختم کرنا ضروری ہے اردو کے خلاف یہ تازہ مہم اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔

پنی اے سی کے ظلم کی کہانی

پاکستان کا قیام جہاں عالم اسلام کے لیے نیک نیتوں تھا وہاں اُن بد قسمت مسلمانوں کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام لایا جو بھارت میں رہنے پر مجبور تھے اور ان میں وہ مسلمان بھی شامل تھے جنہوں نے کانگریس کی پراپیگنڈا مہم سے متاثر ہو کر مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف ہر طرح کا زہر اگلا اور پاکستان کو کفرستان اور قائمہ مظلم دکانظر اعظم دغا کم بدھن کہا۔

۱۴ اگست کے فوراً ہی بعد خصوصاً اُن مسلمانوں کو جو خود کو نیشنلسٹ مسلمان تھے اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا تھا کہ انہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کے ایسا ہی گناہ سر انجام دیا ہے جس کا خمیازہ اُن کے آنے والی نسلیں قیامت تک سہیں گی۔

کو جوڑنے کی بات کرتی ہے اس کی گنگا جمنی تہذیب نے پورے ہندوستان کو اُدھاگے میں پرونے کی کوشش کی۔ ہندوستان کا سیکولر مزاج بنانے اور کثرتِ مذہب کے نظریہ کو مضبوط کرنے میں اردو نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔ بلاشبہ اردو کے سلسلہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اردو دنیا کی واحد اور منفرد زبان ہے جو ایک مشترکہ تہذیب کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ جہاں تک مکہ مدینہ سے اردو کے تعلق کا سوال ہے تو وہ کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی اور اردو بھی کیوں پنجابی، بنگالی، ملیاتی، ہندی، غرض کہ مسلمان جو بھی زبان بولیں گے اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے کہ یہ کا تذکرہ کریں گے۔ صرف بیمار ذہن لوگ ہی اردو والوں سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ مکہ مدینہ سے اپنا تعلق توڑ لے ورنہ اسے ہندوستانی زبان تسلیم نہ کیا جائے گا۔

اردو مخالفین کو شاید معلوم نہیں کہ زبان کی پہچان اس کے فعل سے ہوتی ہے اُس کے بیشتر الفاظ مقامی زبان سے لیے گئے ہیں یہ ضرور ہے کہ اس نے عربی و فارسی سے بہت بشیر الفاظ انگریزی اور دوسری یورپی زبان سے حاصل کئے۔ اور اپنے اندر اس طرح کہ وہ اردو کے ہی الفاظ معلوم ہوتے ہیں اردو کی یہی خصوصیت اسے مقبولیت عطا ہے۔ اردو زبان کی اسی مقبولیت نے اردو کے مخالفین کو ہر سال کہہ دیا ہے اردو بھارت سے نکل کر افریقہ یورپ اور امریکہ میں پہنچ رہی ہے تو دوسری طرف اپنے وطن میں کشمیر، کینیا، کمری، تنزانیہ اور گجرات سے مغربی بنگال میں لوگوں کے دلوں میں تیزی سے گھر بنا رہا ہے اردو غزلی کی مقبولیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج ہندوستان کو کوئی ایسی مقامی زبان نہیں جس میں غزل نہ کہی جا رہی ہو غزلوں کی مقبولیت کی اہم وجہ یہی ہے جو پورے ملک میں اچھی طرح سمجھی اور جانی جاتی ہے یہ اور بات ہے کہ اردو کے علمی گیتوں اور غزلوں پر ہندی کا ٹھہر لگا کر پیش کیا جاتا رہا، یہی نہیں سب سے بڑی تم نظریاتی یہ ہے کہ اردو کے نامور شاعر ”مرزا غالب“ نام کے ٹی وی سیریل کو ”ہندی سیریل“ کا نام دے کوشش کیا گیا۔

اردو کے بارے میں یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ایک محدود طبقہ کی زبان ہے

ہمارا زناش کر دیتی ہے۔ چنانچہ گولی لگنے کے باوجود ایک چھوٹی عمر کا نوجوان بچ گیا اور سید شہاب الدین نے اس نوجوان کو قومی پولیس کے سامنے پیش کیا۔ اور اس نے یہ کہانی دنیا کو سنائی۔

مگر یہ کہانی سننے کے بعد بھی وزیر بہادر گھگھ کی بے غیرت حکومت کو شرم نہ آئی اور انے اس واقعہ پر مسلسل خاموشی اختیار کر رکھی ہے تمام تر انکوائریوں اور تمام تر کمیشن منظر

رنے کے بعد۔ اور سرکاری سرکار نظاموں کو نرا میسج کے وعدوں کے باوجود ہیں آج بھی ضمان ملنے کی کوئی توقع نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ چالیس سالہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے حکومت نہرو کی رہی ہو یا شاستری کی۔ چرن گھگھ کی یا مرارجی ڈیسانی کی۔ اندرا گاندھی یا راجیو گاندھی کی۔ مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات کے بعد کبھی کسی نے انصاف نہیں دیا

۱۔ قمر الدین ولد جمال الدین عمر ۲۲ سال

۲۔ اقبال عرف بابو ولد شیر خاں ۲۹

۳۔ اسلام الدین ولد حفیظ الدین ۲۱

۴۔ جاوید ولد ظہیر الدین ۱۳

۵۔ الوب ولد سعید ۱۷

۶۔ قیوم ولد سعید ۱۳

۷۔ نعیم ولد نور محمد ۱۵

۸۔ عقیل ولد عظیم الدین ۱۸

۹۔ جمشید ولد زین الدین ۱۸

۱۰۔ نظام الدین ولد عبد الشکور ۱۶

۱۱۔ رضوان ولد انعام اللہ ۲۰

۱۲۔ کوثر معرفت محمد عباس ۲۲

۱۳۔ مناد ولد اللہ دیا ۲۰

۱۴۔ ملا الدین ولد سکیم الدین انچولیا۔ عمر نامعلوم۔

۱۳۔ اگست ۷۴ء سے آج تک بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات کن کر حیلوں بہانوں سے تنگ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی جھلک کو بھارتی اخبارات کی ان رپورٹوں سے دکھایا جا رہا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ بے چارہ مسلمانوں کو کسی طرح ظلم و تشدد کا شکار ہو رہا ہے سب سے پہلے ۱۳ اگست ۱۹۷۴ء کے اخبار نو دہلی کی یہ رپورٹ پڑھ لیجئے۔

یہ تیرہ تصاویر سیکور ہندوستان کی کھوکھلی جمہوریت اور سرکاری فرقہ پرستی کی چوڑی جاکتی مثالیں ہیں۔ میرٹھ کے ایک چھوٹے سے محلہ ٹاشم پورہ سے شروع ہو کر بنی الاظہر تنظیم ایم سی ایس آر تیشیل تک پہنچنے اور اس کے ذریعے بین الاقوامی اسلامی برادری تک شہر ہونے والی کہانی کے یہ وہ کردار ہیں جن کے لہو سے ہندوستان کی سیکور کرکٹ بدترین فرقہ پرست تنظیم پی اے سی کے ظلم کی کیانی رقم ہوئی ہے یوں تو ٹاشم پورہ سے اے سی کے ذریعے گرفتار کر کے لے جانے والے بے گناہ مسلم نوجوانوں کی تعداد ۴۴ یا ۴۵

بتائی جاتی ہے۔ اور جن میں سے تقریباً ۲۶ کی تصاویر اخباروں، بہت پہلے شائع کر چکا مگر یہ تیرہ تصاویر ان ۴۳ بے گناہ مسلم نوجوانوں کی ہیں جن کی لاشوں کی تصدیق سی آئی اے کے دورانیہ ٹاشم پورہ کے باشندگان نے کر دی ہے گویا پی اے سی کے ذریعے لے گئے ان چودہ مسلم نوجوانوں کے قتل کی تصدیق ہو چکی ہے

یاد رہے کہ پی اے سی نے جن مسلم نوجوانوں کو قتل کر کے گنگ نہریں بہا دیا تھا ان کی لاشیں کئی روز کے بعد گلی سڑی حالت میں برآمد ہونا شروع ہوئی تھیں۔ پولیس نے ان کی تصاویر بھی کھینچی تھیں۔ مگر ان میں سے بیشتر کی شکلیں ناقابل شناخت تھیں۔ البتہ نوجوانوں کو اس کے باوجود شناخت کیا جا چکا ہے۔

درحقیقت یہ محض رسمی اور قانونی کارروائی ہے جس کو پورا کیا جا رہا ہے۔ وہ تو حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ پی اے سی نے بربریت کا مظاہرہ کس طرح کیا تھا۔ سی نے تو اپنی دانست میں ان تمام نوجوانوں کو قتل کر کے گنگ نہریں بہا دیا تھا۔ مگر ظلم دے ہمیشہ ظلم کو بھول جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی غلطی وہ ایسی مزدور کرتے ہیں جو ان

مسلمانوں کا وجود خطرے میں ہے

نہایت علمائے ہند کے جنرل سیکرٹری مولانا سید احمد ہاشمی کہتے ہیں

مطبوعہ: ۱۳ جولائی ۱۹۹۰ء

سوال.... آپ نے ہندوستان کے منبر پر دستک دینے کے لیے جو مسلم نیشنل کونشن بلائے کا اعلان کیا ہے اس کا محرک کیا ہے۔

جواب..... آج ہندوستان کی آزادی کے ۴۲ سال بعد بھی ہر حساس

سیکولر اور جمہوریت پسند ہندوستانی تشویش اور بے چینی میں مبتلا ہے۔ مجھے یہ

بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اس ملک میں سیکولر اور جمہوری طاقتیں پسپا ہوئی

ہیں اور پسپا ہوتی جا رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورتحال میں جو طبقہ سب سے زیادہ

فائدہ مند بن سکتا ہے وہ طبقہ مسلمانوں کا ہے اس لیے آج کی صورتحال میں ہندوستانی

مسلمانوں کے ذہنوں میں بہت بھیاںک انداز میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے

ہیں اور ان کے ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہو رہا ہے۔ جس کا جواب تلاش کرنے

کا کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ آزادی کے تقریباً نصف صدی بعد بھی اب تک

ان کے حصے میں صرف آئین کی گارنٹیاں آئی ہیں۔ دستور کی ضمانتیں اور تحفظات کی

تین دہائیاں ہی آئی ہیں۔ لیکن ہمیشہ عملی تجربے میں یہ آیا ہے کہ آئین کی خلاف

وزی کی گئی، تحفظات کا استحصال کیا گیا اور انہیں اتنا نظر انداز کر دیا گیا کہ کاغذی

بنیاد ملی اور فریب وعدوں کے علاوہ ان کے حصے میں کچھ نہیں آیا بلکہ انہیں

بھی محسوس ہوا کہ اگر اٹھنوں نے اپنے وسائل سے اپنی طاقت اور

اس ملک کا آئین سیکولر ضرور ہے جمہوری ضرور ہے۔ مگر یہاں نہ سیکولر جمہوری اور نہ سیکولر ہے۔ اور نہ سوسائٹی کے بیشتر افراد۔ نہ یہاں کاپرلیس سیکولر ہے اور نہ غیر مسلم جماعتیں۔ بیچ تو یہ ہے کہ جو لوگ موجودہ حکومت پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ ہندو اکثریت ہے۔ وہ الزام بھی سراسر جھوٹا ہے اس لیے کہ اگر یہ حکومت اور یہ پریس واقعی ہندو ہوتا تو اس ملک کا مسلمان زیادہ امن اور چین سے ہوتا اس لیے کہ ہندو وائزمن ایسا سب سے بڑا داعی ہے۔ قتل و غارتگری کا ہرگز نہیں۔

گزشتہ برس سال نو کی مبارکباد دیتے ہوئے میں علم نہ تھا کہ ۸۷ اپنے دامن

میں کیسے کیسے حادثات چھپا کر لا رہا ہے۔ درنہ شاید ہم نیک خواہشات کا اظہار نہ کر

اب پھر ایک نئے سال کی شروعات ہو رہی ہے اور حالات آج بھی ناگفتہ بہ ہیں۔

ماہ شرم پورہ کے ان شہیدوں کے ساتھ ساتھ اس ملک میں سچائی اور حق گوئی کے

قربان ہونے والے ہر شہید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور حکومت ہند کو

کہتے ہیں کہ وہ فرقر پرستوں اور خاص طور پر سرکاری مشینری کے ذریعے بے گناہ انسانوں

کا خون بہانا بند کر دے اور آنے والے سال کو بارہ بنگی۔ احمد آباد۔ میرٹھ اور ملیانہ

سانحات سے پاک رکھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بڑھتا ہوا یہ ظلم قہر خداوندی کے

ہونے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

مسلمانوں کو بھی ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ نئے سال پر اپنی ہزار ہا نیک خواہ

پیش کرنے کے باوجود ہمارے دل میں بڑے دعوے ہیں۔ ماہ شرم پورہ کے شہیدوں کی

تصاویر ہر گز نہیں ہیں۔ نہ جاننے والے وقت میں ایسی کتنی اور تصاویر شائع ہوں

ہو سکتا ہے کہ ان تصاویر میں ایک تصویر آپ کی با میری بھی ہو۔ مگر میں اس کے لیے

رہنا ہے اس لیے کہ اس ملک کی تقسیم کے ناکر وہ گناہ کی سزا مختلف سکولوں میں بھی بگٹے

ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ اس ملک کی حکومت۔ اس ملک کا کاغذ پکھا ہوا آئین

اور اس ملک کی کثرت کے کچھ لوگ صحیح معنوں میں سیکولر اور جمہوریت پسند نہیں ہو جاتے۔

جمہوری ہندوستان میں ہندوستانی مسلمانوں کو اپنا رول پیش کرنے کی واقعی آزادی ہے یا نہیں ہے۔

اب ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے سب سے اہم سوال یہی ہے کہ انہیں ہندوستان میں اپنا رول ادا کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اس میں یہ طے نہیں کر سکتے کہ ہندوستان کی سیکولر جمہوریت کے اندر مسلمان اپنا کوئی رول ادا کر سکتا ہے یا نہیں ادا کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوال کسی ایک جماعت کا نہیں ہے چاہے وہ مسلم جماعتیں ہوں یا سیکولر جماعتیں ہوں مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہر طرف بھیانک فسادات ہو رہے ہیں بلکہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس صورتحال میں ہم اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گے یا نہیں۔ بلکہ یہ سوال ہندوستان کے سیکولر جمہوری کردار کی بقاع سے جڑا ہوا ہے۔ اس لیے آج مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے وجود کے بارے میں خطرہ محسوس کر رہے ہیں بلکہ ہمارے سامنے یہ بھی خطروں کے ہندوستان اپنی روایات و مندریوں اور پالیسیوں کیساتھ تھک رہے گا۔ ہم نے کنونشن اس لیے بلا یا ہے کہ ہم جماعت کے خانوں سے نکل کر اجتماعی طور پر ملک کے پس منظر میں ملک کی اقلیتوں میں جو تشویش اور بے چینی ہے اس میں ہمارے دل کس طرح ادا کریں۔ اسی لیے ہم اس کنونشن میں مختلف نظریات اور فکر رکھنے والے لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ آج نئی نسل کے اندر اطمینان نہیں ہے اور وہ یہ طرح بے چین ہے۔

سوال چو آپ کے خیال میں آج مسلمانوں کی نئی نسل کس قسم کی بے اطمینانی کا شکار ہے اور اسے کن مسائل کا سامنا ہے۔

جواب: مثال کے طور پر آج جب نئی نسل یہ کہتی ہے کہ ہم اس آزاد ہندوستان، آزاد شہری ہیں اور جب ان کے سامنے کوئی بے انصافی ہوتی ہے تو وہ انصاف حاصل کرنے کے لیے جب کوئی مظاہرہ کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ پرست ہیں۔ ان کا حق ان کے لیے ان پر فرقہ پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ ان پر پاکستان واری کا الزام لگایا

رول بھی ادا کرنے کی کوشش کی تو وہ رول بھی انہیں ادا انہیں کرنے دیا گیا نہیں ان کے کاروبار، ان کی توانائی کو برباد اور پامال کرنے کی کوشش کی گئی اور عزم و ارادے کے اعتبار سے بھی ان کی اتنی حوصلہ شکنی کی گئی کہ وہ اپنا عزم و ارادہ اور بلند حوصلگی کھو بیٹھیں۔

سوال: لیکن کیا آپ نہیں سمجھتے کہ حکومت کی تبدیلی کے ساتھ حالات تبدیل ہوئے ہیں۔

جواب: حکومتیں پہلے بھی تبدیل ہو چکی ہیں۔ ہندوستانی مسلمان کو ایک جمہوری عمل میں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ کون سی حکومت رہتی ہے اور کون سی حکومت جاتی ہے لیکن وہ دیکھتا ہے بیوروکریسی کا رویہ وہی ہے۔ مسلح پولیس کی روش وہی ہے چاہے وہ پی اے سی ہو۔ بی ایم پی ہو یا چاہے مہاراشٹر کی آرمڈ فورس ہو سب کا رویہ وہی ہے انتظامیہ کا طریقہ کار وہی ہے کل جو آزادی کے بیرونی وہ نسل ہمارے پیچ سے اٹھتی چلی جا رہی ہے۔ اب نو شخصیتوں کی شکل میں کچھ روایات رہ گئی ہیں لیکن افراد اور وہ قدریں نہیں رہ گئی ہیں۔ پہلے کے مقابلے بے یقینی اور بے اطمینانی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ لوگوں خاص کر نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ سوچا بار بار اٹھتا ہے کہ دوسرے برادران وطن کی نئی نسل کس طرح سے زندگی کے میدان میں آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے لیکن اس کے حصے میں محرومی، بے بسی، موت کا خطرہ مال کی بربادی اور آبروریزی ہی آئی ہے۔ انہیں یہ یقین ہے کہ ہندوستان کا تعمیر و ترقی میں موقع ملے تو وہ زیادہ بہتر رول ادا کر سکتے ہیں۔

آزادی کی صبح سے لے کر آج تک بہت سے موقعوں پر توقعات قائم کی گئیں اور ابھی بھی میں یہ نہیں کہتا کہ ہم بالوری کے اس دور میں پر کھڑے ہیں جہاں سے ان کی کوئی کرن نظر نہ آئے لیکن اس سب کے باوجود حالات کی بے بسی، محرومی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہندوستانی مسلمان کی ہندوستانیات پر شبہ نے ہندوستان کے اندر ایک کش مکش پیدا کر دی ہے اور یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ آیا اس سیکور

مولانا حسین احمد مدنی نے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک رہنمائی دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ آزاد، سیکولر اور جمہوری ہندوستان کے اندر ان کا کردار کیا ہونا چاہیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس آواز کا وہ اثر تھا کہ سارے آگ و خون کے دریا کے باوجود ہندوستان کے مسلمان نے اس رہنمائی کو اپنے لیے حرز جان بنایا۔

سوال: بحالیہ برسوں میں ملک میں فرقہ پرستی جس جارحانہ انداز میں بڑھی ہے اور اس کا اثر سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہی پڑا ہے آپ کے نزدیک اس فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔

جواب: ہم نے پہلی کہا کہ ہم اس سوال کا جواب تنہا اپنی جماعت یا فرد کی حیثیت سے نہیں دینا چاہیے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کنونشن کے ذریعے سے اجتماعی طور پر ایک رہنمائی دی جائے لیکن پھر مجھے ہمارے اکابر کی جولائن رہی ہے وہ یہی رہی کہ جمہوری شخص اس اور جماعتوں کے تعاون سے اس گاڑی کو آگے کھینچا جاسکتا ہے اسی لیے ہم تو اس بات کا بھی جائزہ لیں گے کہ آزادی کے دوران جو ایک مشترکہ جدوجہد تھی اس جدوجہد کو کس طرح آگے بڑھا سکتے ہیں لیکن ہم اس بات کو ضرور کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اب نئی نسلوں کو مذہبی قرار دادوں سے بہلایا نہیں جاسکتا جب تک کہ اس صورتحال کو ختم کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات نہیں کئے جائیں گے ان کاغذی ٹکڑوں سے بہلایا نہیں جاسکتا اور نہ دستور کی ضمانتوں سے بہلادادیا جاسکتا ہے۔

سوال: اب کہا جاتا ہے کہ آپ نے جن جوش، دلوں اور پردگام کے ساتھ نامیہ العلماء قائم کی تھی وہ قائم نہیں رہا اور آپ کی جماعت بھی، اسی ڈگر پر آگئی کہ خلاف بغاوت کا علم بلند کیا تھا۔ لہذا جمعہ العلماء اور ملی جمعہ العلماء میں خاص فرق نہیں ہے؟

جواب: یہ تنقید سے بالاتر تو آج سیاسی اور سماجی میدان میں شاید ہی کوئی لوگوں کی اپنی اپنی رائے ہو سکتی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو اپنی ڈگر بنائی وہ اگر نہیں بناتے تو آج مسلم نشین کنونشن اس عزم کے ساتھ نہ ملتا کہ ملک

باتا ہے، لیکن نئی نسل اس الزام کو سننے کے لیے تیار نہیں۔ نتیجے میں رد عمل کے طور پر اس کے ذہنوں میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ہمارے سامنے وہ ہے جو آرائیں ایس کی تربیت یافتہ ہے وہ کہتی ہے کہ ہندوستان کا مسلمان ہندو کا وفادار شہری نہیں ہے اس کو دوسرے درجے کا شہری بن کر رہنا پڑے گا۔ نئی نسلوں کے درمیان نسلی خلاء ہے۔

اس خلاء کو کون پرکھ کرے گا، کون مفاہمت پیدا کرے گا۔ ہندوستان کا مستقبل کون طے کرے گا؟ آج ہم لوگ بیچ کے راستے کی کڑی ہیں۔ ہم نے ماضی ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد میں جو روایات، مفاہمت اور وضاحتی قائم کی تھی ان قدروں کو اگر ہم نے چھوڑ دیا تو ہندوستان ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ آج پنجاب، کشمیر، سبزووم اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بے یقینی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اور ان کی باتوں پر توجہ نہیں دی گئی۔ کیا ہندوستان کو رد عمل کا مرکز بنا دیا جائے، ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

سوال: ایک احساس عوام میں یہ پایا جاتا ہے کہ آزادی کے بعد اس قسم کے کنونشن مسلسل ہوئے لیکن کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو آپ کا یہ کنونشن ان کے دوسرے کنونشنوں سے کس طرح مختلف ہوگا؟

جواب: یقینی طور پر مختلف کنونشنوں کے سلسلے میں شبہات کے سامنے ہم لہرائے ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ فضا میں گونجی ہوئی آواز بازگشت نہیں دیتی اس لیے ہو سکتا ہے کہ ایک کنونشن کو کسی خاص معیار پر جانچا جائے تو وہ اس پر پورا نہ آتا لیکن اگر صحیح سمت میں کوئی آواز اٹھائی گئی ہو تو وہ فضا اور ماحول کو سازگار بنانے میں ضرور مددگار ہوتی ہے۔ ہم اس کنونشن کو روایتی کنونشنوں سے الگ سمجھتے ہیں اس کنونشن کو اس پس منظر میں دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کی تقسیم کے سو بیس کھ کے اندر جو مسلم آزاد کا نفرنس ہوئی تھی اس میں مولانا آزاد، مولانا حفیظ جالپائی، مولانا

غیر ملکی ہاتھ

کی اقلیتوں کے بنیادی حقوق کی آواز کو کسی لاگ پیٹ کے بغیر بلند کر بن مسنون میں پارٹی سے وابستگی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہمارا سب سے بڑا عندیہ یا الزام یہ تھا کہ جمعیتہ العلماء ہند کا سہ لیسوں کی جماعت بن گئی۔

برسر اقتدار پارٹی کی خوشامدیوں کی جماعت بن کر رہ گئی ظاہر ہے کہ یہ صورتحال ملت کے تشخص اور اس کی انفرادیت اور ضمیر کے مطابق نہیں ہو سکتی ملی جمعیت کو آزادانہ طور پر اپنے مسائل کے سلسلے میں رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔ آپ کہیں بھی دیکھیں ہم نے حقائق سے اور نہ مسائل سے جڑ پوشی کی ہے اور نہ مصالحت کی ہے۔

سوال: آپ بابرہی مسجد راطلم کیٹی کے رکن ہیں ان دنوں مرکزی حکومت سے جو گفتگو چل رہی ہے اس سے آپ کو کیا توقعات ہیں؟

جواب: بابرہی مسجد۔ رام جنم بھومی تنازعہ کے حل کے سلسلے میں مرکزی حکومت نے جو کمیٹی قائم کی ہے اس کے ساتھ تو ابھی ایک ہی نشست ہوئی ہے ہمارا جو موقف تھا وہ ہم نے اس کے سامنے واضح کر دیا۔ ہم نے افراد کی نیت پر کبھی بھی بے اعتمادی کا اظہار نہیں کیا جب تک کہ ناامیدی کی کوئی ٹھوس شکل سامنے نہ آجائے ہماری ملاقات جارج فرناڈیز سے ایک خیر سگالی کے ماحول میں ہوئی۔ ہمیں اندازہ ہے کہ ابھی بظاہر شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ٹیک عمل کا ہے۔ ایک حکومت گئی جس نے مسئلہ کو سمجھا، دوسری حکومت آئی اب وہ اس مسئلے کو سمجھ رہی ہے اب اس میں کتنی تاخیر ہوگی یہ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ فرقہ ہے کہ پچھلے دنوں جو ایک بے اعتمادی ریاستی حکومت کے کردار پر تھی وہ اب نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ کے حالیہ کردار سے ذہنوں میں کسی نہ کسی حد تک یہ اطمینان پیدا ہوا ہے کہ اگر فرقہ پرست تانہ بنیاد پر بابرہی مسجد رام جنم بھومی کے استحصال کی کوشش کی گئی تو شاید اس میں فرقہ پرستوں کو کامیابی نہ ملے۔

بھارتی حکومت کو حسب سابق اپنے ہر بیڑے میں پاکستان کا ہاتھ ضرور نظر آتا ہے۔ جب بھارت میں کانگریس کی حکومت ہو تو یہ گھناؤنا کھیل اپنا نقطہ مدون چھونے لگتا ہے امید کی جارہی تھی کہ بھارت میں متبادل کے برسر اقتدار آنے سے شاید پاکستان کے متعلق بھارت کی پالیسی میں تبدیلی آجائے لیکن اب ہر ایسا لگتا ہے جیسے بھارتی وزیر اعظم وی پی سنگھ اپنے پیشرو مٹرا جیو کا ندھی سے بھی چار ہاتھ لگائے ہیں اور وہ بھی بھارت میں ہونے والے کسی بھی واقعہ میں پاکستان کو ملوث کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

اس ضمن میں دہلی سے نکلنے والے ہفت روزہ "نئی دنیا" ۲۴ مئی ۱۹۹۰ء کو رپورٹ ملاحظہ کیجئے۔

وزیر اعظم دی پی سنگھ نے ریاستوں کو چوکنا کیا ہے کہ حکومت کے پاس اس کی مصدقہ اطلاعات ہیں کہ دہشت گرد اور تحریک کار غناور غیر ملکی ایجنسیوں کے ایما پر مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کے لیے قرارداد جنابات بھڑکا سکتے ہیں اس لیے ریاستی حکومتیں حساس علاقوں پر بطور نگرانی رکھیں۔ ریاستی وزرائے اعلیٰ کے نام اپنے ایک حالیہ خط میں وزیر اعظم نے مذہب کے سرحد پار کی ان ہند مخالف ایجنسیوں کے اس شرانگیز منصوبہ کو ناکام بنانے کے تمام کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا ہے۔

ہر چند کہ وزیر اعظم نے اس خط میں کسی غیر ملکی ایجنسی کا نام نہیں لیا ہے لیکن خیال بنانا ہے کہ اشارہ براہ راست پاکستان کی طرف ہے جس سے ان دنوں کشمیر کے سوال بدوستان کے تعلقات خاصے کشیدہ ہو گئے ہیں۔ وزیر اعظم کے اس بیان کے علاوہ

وں کو گرفتار کیا گیا۔ ان سے پوچھتا چھ کے دوران علم ہوا کہ انہیں ٹائم بم بنانے کی تکنیک
پنکے لیے پاکستان کی خفیہ ایجنسی سے وابستہ شجاع الدین نوید ۱۹۸۹ء میں جے پور آیا تھا
اس نے ٹائم بم بنانے کی تکنیک جے پور کے ۲۵ سالہ نوجوان محمد افضل کو دی شجاع الدین
افضل کو بم بنانا بھی سکھایا یہیں سے اس سازش کا سراغ ملا۔۔۔۔۔ اور پولیس نے
بان الدین اور اس کے ایک بھائی ممتاز الدین کے بھارت آنے کا پورا پتہ لگایا۔ زمان
ہ کے مطابق یہ پاکستانی باشندے جے پور میں چلدر وازے پر واقع اپنے رشتہ داروں
ہے ملتے آئے تھے اور چند بول بازار کے باہر ایک کثیر منزلہ ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ ان
وں نے پہلے ایک ریڈیو مینیک کم بنانے کی تربیت دی۔ تربیت دینے والے پاکستانی
ہوں نے جے پور میں ۵۔ دن گزارے انہوں نے آلات اور استعمال کی تکنیک جے پور
اپنے ساتھیوں کو اپنے سامنے سکھائی۔ اخبار کے مطابق راجتھان پولیس نے اب تک
حقیقات کی تفصیلات سے مرکزی حکومت کو مطلع کر دیا ہے معلوم ہوا ہے کہ ریاستی
حقیقاتی ٹیم کو انعام و اکرام دینے پر غور کر رہی ہے۔

غالباً انہی اطلاعات کی بنیاد پر وزیراعظم وی پی سنگھ نے ریاستوں کو صورت حال
کا نگاہ رکھنے کے لیے کہا ہے۔ اور یہ صورت ایک خوش آئند بات ہے کہ ریاستی
ریفرقہ وارانہ صورت حال پر نظر رکھیں تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو۔

جے پور میں برآمد کیا گیا ٹائم بم اور سالانہ۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت کا درجہ
ہے کہ گڑبڑ پیدا کرنے والی غیر ملکی ایجنسیوں سے زیادہ فرقہ وارانہ اشتعال وہ ملکی ایجنسیاں
کرتی ہیں جنہیں خود کو محب وطن ہونے پر ناز ہے۔ کان پور کا حالیہ فساد اس کی ایک
مثال ہے۔

جہاں فساد کے تائبانے اس ایک خبر سے بنے گئے تھے جو ایک مقامی ہندی
نامہ نے شائع کی تھی خبر میں بتایا گیا تھا کہ کان پور میں بڑی تعداد میں پاکستانی ہتھیار
پاکستان کی ایجنٹ اس میں ملوث ہیں۔ جن علاقوں میں ان ہتھیاروں کی موجودگی
کا خبری وہ سارے کے سارے مسلم ملقاتے تھے۔ اس خبر کا واحد مقصد مسلمانوں کے تعلق

پچھلے کچھ دنوں میں حکومت اور سرکاری ذرائع ابلاغ نے یہ واضح اشارہ دیا
کہ کشمیر اور پنجاب کے علاوہ ملک کے دیگر حصوں میں جو تشدد پسندانہ سرگرمیاں
اور فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ جاری ہے اس میں پاکستان بالواسطہ بالواسطہ طور
پر شریک ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ پاکستان ان معاملات میں کہاں تک ملوث
ہے یہ بات اہم ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو ملک میں انارک اور فساد فری پھیلائے کے با
پاکستانی ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ وزیراعظم اگر ان عناصر کی نشاندہی
دیتے تو خیال آسائیاں کرتے اور نامزدوں کی بھول بھلیوں میں جھکنے کی ضرورت
پیش نہ آتی۔ ویسے فرقہ وارانہ فسادات برپا کرنے کے سلسلے میں پاکستان کا نام پہلی بار
زیر بحث نہیں آیا ہے بلکہ یہ کہانی سب سے پہلے ۱۹۹۱ء میں مراد آباد سے شروع ہوئی
تھی۔ اب اتفاق یہ ہے کہ اس وقت دی پی سنگھ یو پی کے وزیر اعلیٰ تھے اور انہوں نے
صاف طور پر مراد آباد کے سلسلے میں اسمبل میں خود کو مجرم تسلیم کیا تھا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق گذشتہ دنوں مرکزی وزارت داخلہ نے سبھی
ریاستوں کے ڈائریکٹر جنرل آف پولیس کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ پاکستان سے عام ویزا پر
آنے والے لوگوں کی حرکات و سکنات پر گہری نگرانی رکھیں تاکہ انہیں ریاستوں میں
فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تباہ کرنے اور توڑ پھوڑ کرنے کی کارروائی کرنے کا موقع نہ مل سکے
وزارت داخلہ نے یہ حکم جے پور میں برآمد ٹائم بم، بمبئی میں برآمد مکینک بموں اور دہلی میں
پولیس تحاذوں کے پاس ہوئے طاقتور بم دھماکوں کے بعد دیئے ہیں۔

واضح رہے کہ گذشتہ دنوں و در درشن نے شام کی خبروں میں جے پور کے دو
مسلم نوجوانوں کو دکھایا تھا جنہوں نے یہ اقبال جرم کیا کہ ایک پاکستانی ایجنٹ نے چوری
چھپے شہر میں داخل ہوا تھا ان کو بم بنانے کی تربیت دی۔ اس سے قبل اس سلسلہ میں
ہندی اور سانگیزی کے اخبارات نے پولیس ذرائع سے فراہم کی گئی اس خبر کو اچھا
تھا ہندی روزنامہ ”نوجہارت“ ٹائمز“ نے اپنی ۲۷ اپریل کی اشاعت میں اس خبر
کی تفصیلات شائع کیں خبر کے مطابق جے پور میں ٹائم بم بنانے والے گروہ کے تقریباً ۱۳۔

سوال - کیا ایسا نہیں کہ پولریشن میں ضرورت سے زیادہ لیڈر ہیں
جواب - اگر ملک کو اتنے لیڈر مل گئے ضرورت نہ ہوتی تو اتنے لیڈر نہیں
رتے عوام نے ہی انہیں لیڈر بنایا ہے۔

سوال - آپ لوگ کانگریس پر فساد کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور بلا تھاپ بی
چہ پی سے ملارہے ہیں جس میں بھنگ دل اور دھوئند و پریشد میں کوئی فرق نہیں، وہ
بلا بوجہ ہیں آگے آگے ہیں۔

جواب - یہ الزام بے بنیاد ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اس مرتبہ کانگریس
یکل بائکر نے کامیاب کر لیا ہے مگر وہ دوبارہ جیت کر آگئی تو وہ لوٹ مار لوٹ کھسوٹ
لگے پیمانے پر کر دے گی۔ ہم نے یہ سب کیا ہے کہ جن سیٹوں پر ہم مغبوط ہیں وہاں ہم الیکشن
رہے ہیں تاکہ وہاں بی جے پی لڑے یا کوئی دوسری پارٹی لڑے لیکن جہاں پولریشن بہت
در ہے وہ ہم چھوڑ دیں گے چاہے وہاں سے بی جے پی آئے یا سی پی ایم،
راکھنڈ کنی مریجہ، مینیتھر پارٹی کوئی بھی آئے۔ جہاں تک انصاف پارٹی کی بات ہے
ان کی بات الگ ہے میں اس بات کو شدت سے محسوس کرتی ہوں کہ بیشتر مسلمان لیڈر
یت کر پارلیمنٹ میں آتے ہیں انہوں نے ایک دھندہ بنالیا ہے۔ یہ نمائندوں کی
پارلیمنٹ میں نہیں آتے بلکہ یہ اپنی ذات کو استعمال کرتے ہیں اور نہ اپنے
ہکے لیے کچھ کرتے ہیں اس لیے میں یہ چاہتی تھی کہ شہاب الدین صاحب کے لیے
یا چوڑی جائیں کیونکہ وہ اپنے خرتے کے لیے لڑتے ہیں۔

میں ان کو زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن بدایوں فساد کے بعد میں ان سے
جیت کرنے ان کے گھر گئی اور ان سے وہاں کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے
مانسا کا غیر جانبدارہ تجزیہ کیا اور بتایا کہ اس میں مسلمان لڑکوں کی غلطی تھی۔ پہلے
لڑکوں نے جلوس نکالا اور نعرے وغیرہ لگائے اس کے بعد مسلم لڑکوں کو کلکٹریٹ
غاجی بیہوڑڈم دینا تھا لیکن انہوں نے ہندو کالج کے باہر کھڑے ہو کر چلا نا
اگر وہاں اور کانگریس آئی زندہ باد کا نعرہ لگانے لگے پھر ہندو لڑکوں سے

کے بھانپڑ تباہ ہو گئے ہیں۔ تمام سیکولر اور صاف ذہن لوگ مانیکا کے ساتھ ہیں مانیکا
بھی پہلی بھیت کے عوام نے مانیکا کا ساتھ دیا۔ آج ان کے ساتھی اکبر احمد ہیں
کانگریس میں ہیں مگر دل سے وہ بھی مانیکا کا دھکی کے ساتھ ہیں بلکہ کہا جائے تو
پرستی کو شکست دینے کے لیے مانیکا جیسے بہادر سیکولر عناصر کو لوک سبھا میں لانا دفتر
کی سخت ضرورت بن گیا ہے۔

سوال - مانیکا جی حالیہ الیکشن میں آپ کے نزدیک سب سے اہم موضوع کیا ہے
جواب - میرے نزدیک سب سے اہم موضوع ملک کا تحفظ ہے۔ لیڈروں کے
لیے ملک کے تئیں سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اس کی حفاظت
کر رہیں۔ ملک کی حفاظت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ہم کہنیشن اور فرقہ پرستی
جیسی برائیوں پر قابو پائیں۔

سوال - اس وقت ملک کے سامنے سب سے اہم سوال فرقہ پرستی ہے اور
ملک کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے اس سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے۔
جواب - فرقہ پرستی کی آگ کانگریس والوں نے لگائی ہے ایسا کر کے وہ یہ سوچ رہے
ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ووط حاصل کر لیں گے۔ اب جبکہ فسادات کرنا کر الیکشن
کو ملتوی بھی کر سکتے ہیں۔ کانگریس اگر ہار رہی ہوتی ہے تو کچھ بھی کر سکتی ہے کانگریس کے لیے
انسانی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان کو ہر قیمت پر ووط چاہیے وہ انسانوں کو انسان
کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

سوال - تو کیا پولریشن والے انسان کو انسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔
جواب - میں سارے پولریشن والوں کے لیے یہ بات نہیں کہہ سکتی لیکن سارے
کانگریس والوں کے لیے اس لیے کہہ سکتی ہوں کہ سارے کانگریس والے ایک بندھوا
مزدور کی طرح ہیں کیونکہ ان کے پاس صرف ایک ہی نتیجہ ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے سب
ہی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں کسی ایک میں اتنی ہمت نہیں ہے جو کہ غلط کو غلط کہے
سکے۔ پولریشن میں بہت ساری آوازیں ہیں بہت سے لیڈر ہیں جن کی اپنی الگ الگ ہے

والوں کا کہنا ہے کہ مسجد بہت زیادہ پرانی نہیں ہے جبکہ رام نہراؤں سال پرانے رام جنہیں ڈھنوکا اوتار کہا ان کے بارے میں ابھی یہی نہیں ثابت ہوا کہ وہ دنیا میں آئے تھے یا نہیں۔ رام ایک مثالی راجہ کی علامت ہیں، وہ ایک مثالی انسان ہیں، اسی طرح سیتا ایک مثالی عورت ہیں۔ ان کے نام پر خون بہانا بے وقوفی ہے۔ اس مندر سے کیا فائدہ جس کی ایک ایک اینٹ خونِ مسلم میں ڈوبی ہوئی ہو۔ مندر بنانا ہو تو شوق سے بنائیے مسلمان بھی مندر بنانے کا مخالف نہیں ہے اور یہ بات بھی ثابت نہیں ہوئی کہ رام وہیں پیدا ہوئے تھے جہاں پر مسجد قائم ہے اگر وہ مانتے ہیں کہ رام اجودھیا میں پیدا ہوئے تھے تو مسجد سے تھوڑا ہٹ کر مندر بنالیں۔ نہ صرف فرقی فرتے کے لوگ بلکہ اقلیتی فرتے کے لوگ بھی اس مندر کی تعمیر میں تعاون دیں گے بن اس معاملے کو لڑائی جھگڑے کا موضوع بنانا اور سیاست دانوں کا اس سے بے اوسیدہ کارنامہ اتہائیاں شرم کی بات ہے۔

سوال۔ کانگریس کا کہنا ہے کہ اپوزیشن کی نئی پارٹی ایک کچھڑی ہے۔ اس بٹ پینر نکر سے جو عمارت تعمیر ہوئی وہ چند دن میں ڈھس جائے گی۔ آپ کے دیکھ کر کہاں تک مضبوط ثابت ہوگی۔

جواب۔ دیکھئے آج ملک کے عوام لوٹ مار، فوج کسٹ اور کرپشن سے بڑا گئے ہیں وہ ایسے بدعنوان سیاستدانوں سے تھک گئے ہیں جو اس ملک کو بیچ کر ہو گئے ہیں۔ اس لیے یہاں کے عوام ایک تبدیلی چاہتے ہیں۔ اور جہاں تک ہماری لیگا سوال ہے تو اس میں مختلف خیالات اور نظریات کا مجموعہ ہے جس طرح ہمارا مختلف قوم، علاقہ اور زبان کا مجموعہ ہے، ہماری پارٹی میں لوگ بندھوا مزدور کی انہیں ہیں جو کہ ایک ہی لیڈر کی آواز میں ملوں میں ملوں ملاتے ہیں۔

سوال۔ ہمارے پاس ایک قومی مورچہ ہے جو حکومت قائم کرے گا۔ ۲۳۔ لیگ ایک کے مقابلے ایک کا مقابلہ ہے اور اس میں اپوزیشن کی ہمیشہ فتح رہی لیکن سوال یہاں جیتنے مارنے کا نہیں۔ اگر عوام نہیں چلتے تو یہ ملک بدعنوانی

مارا ماری ہوئی اور اس کے بعد پولیس لاشی پارج ہوا۔ پھر جو کچھ ہوا سب کے سامنے انہوں نے اپنے فریقے کو ہی ڈانٹا اس طرح شہاب الدین ہم کو بہت ہی صاف سمجھ رہے ہیں غیر جانبدار انسان لگے۔ اپنے فریقے کی نمائندگی کرنے والے آج ایسے ہی لیڈروں کی فہرست سوال۔ یہ ٹھیک ہے کہ شہاب صاحب لڑ رہے ہیں لیکن ان کے لڑنے سے فز پرستی ختم نہیں ہوگی فرقہ پرستی تبھی ختم ہوگی۔ جب اکثریتی فریقے کے آپ جیسے منافق تھو اور سیکور لوگ آئیں۔ آپ کے خیال سے فرقہ پرستی سے کس طرح لڑنا چاہیے۔

جواب۔ سب سے اہم بات تحفظ کا احساس پیدا کرنے کی ہے اور یہ احساس صرف بانوں سے ہی نہیں پیدا ہوگا مثال کے طور پر راجپوت گاندھی نے سکھوں سے کہا کہ چند ہی گڑھ دے دیں گے لیکن دیا نہیں۔ اس سے اعتماد ختم ہو گیا اور دہشت گردی ہو گئی ہر چیز لیڈروں کے رویے کے ہی بعد شروع ہوتی ہے۔ دوسرا اہم سکھ پی اے کا ہے۔ اقلیتی فریقے کو پی اے سی میں لوکر یاں ملنی چاہئیں۔ سب تو وہ فیصلہ کا مطالبہ کرتے ہیں یہ ۵۷ فیصد کا مطالبہ کرتی ہوں کیونکہ جہاں فساد ہوتے ہیں وہاں اقلیتی فریقے کے لوگ کم ہوتے ہیں۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ فساد زدہ علاقے سے دہلی کے ڈی ایچ اور ایس پی کا تبادلہ کرنے سے کوئی معاملہ نہیں بنے گا۔ بلکہ ان کو اگر تبادلہ کرنا ہوگا تو جان بوجھ کر فساد کر دیں گے میرے بھائیوں کو کتنا ظلم ہوا۔ کتنا قتل عام ہوا کوئی سزا نہیں دی گئی میں آج قتل کر دوں تو مجھے پھانسی دے دی جائے گی۔ لیکن اگر ڈی ایچ قتل کر دے تو اس کی سزا صرف تبادلہ جو اس کی جان کی حفاظت میں اس کے لیے بہتر ہے۔ میرے خیال میں جس جگہ فساد ہوا وہاں کے حکام کو فوراً معطل کر کے ان کے خلاف عام لوگوں کی طرح مقدمہ چلانا چاہیے۔

سوال۔ اس وقت جھگڑے کی سب سے بڑی جڑ رام بنم بھومی۔ باری مسجد تنازعہ ہے۔ آپ کے خیال میں اس کا صحیح حل کیا ہونا چاہیے۔

جواب۔ یہ معاملہ آنا پیچیدہ ہو گیا کہ اس کا صحیح حل میں بھی نہیں جانتی۔ سالہ پہلے میں یہی کہتی تھی کہ آپ دونوں فرقوں کے لوگوں کو ایک کمرے میں بٹھائیں اور جب تک وہ معاملہ طے نہ کر لیں کمرے سے نہ نکلیں لیکن اب معاملہ بہت بڑھ گیا ہے۔ رام بنم بھومی

سرکاری فرقہ پرستی

مطبوعہ: ۱۶ جون ۱۹۸۸ء

قیام پاکستان کے ہم سال بعد بھی ہندو ذہنیت کی حامل بزرگم خویش بھارتی حکومت بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کو بھارتی شہری تو کیا مانتی انسان کا درجہ دینے پر بھی تیار نہیں ہے۔ مسلمانوں کو مختلف ہتھکنڈوں سے پریشان رکھنا اس حکومت کی فطرت نانچکی ہے جہاں ایک طرف پاکستان کے خلاف مسٹر راجیو گاندھی کو ٹی بھی بے بنیاد اور جھوٹا نام لگانے سے نہیں چھوکتے وہاں ان کی حکومت کی یہ کوشش بھی رہتی ہے کہ بھارت بانیوں والے مسلمانوں کو بھی ہر حربے سے پریشان کیا جائے۔

بابری مسجد کی تاریخی اور اسلامی حیثیت کو یکسر نظر انداز کر کے اس پر غاصبانہ نے کے بعد بھارت میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کی لہر ابھی تک جاری ہے اور ان کی شدت بھی جب کوئی کمی آنے لگتی ہے۔ ہندو ذہنیت کی حامل سیکولر حکومت کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر کے میدان کو گرم کر دیتی ہے حال ہی میں بھارتی وزارت نے ایک سرکلر جاری کیا ہے جس کی رو سے ”سی آر ایف“ کے مسلمان ملازمین کو دلہی خنک ممانعت کر دی گئی ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی پر انہیں ملازمت سے است کرنے کے علاوہ سزا دینے کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔

بھارتی پارلیمنٹ میں اس سلسلے میں مسلمان ممبر پارلیمنٹ جی ایم نبات والا نے مٹی وزیر داخلہ مسٹر لونا سنگھ سے پارلیمنٹ میں سوال کیا تو انہوں نے اس بات کو ایک سی آر پی ایف نے ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء اور ۹ دسمبر ۸۸ء کو اسی نوعیت کے دو مات جاری کئے تھے جن کے تحت سکھوں کے علاوہ تمام پولیس ملازمین کو لمبے بال لڑھی رکھنے سے روک دیا گیا ہے۔

لوٹ مار اور لوٹ کھسوٹ سے آزاد ہو جائے تو وہ ہم کو ووسط نہیں دیں گے ہر وقت ووٹر کو دیکھنا ہے کہ وہ کس امیدوار کو ووسط دے جو ان کے حقوق کیلئے لڑائی لڑ سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر پارٹی پر لگام لگانا ضروری ہے تاکہ وہ عوام کے لیے کام کریں۔

سوال: اگر کانگریس آئی بھارتی ہے تو کیا راجیو گاندھی الیزیشن میں رہ کر لڑ سکیں گے؟

جواب: انہوں نے زندگی میں کبھی لڑائی لڑی نہیں۔ اگر وہ الیزیشن میں رہ کر عوام کے لیے لڑائی لڑیں تو انہیں اس بات کا احساس ہو گا کہ کو کتنی طاقت ملتی ہے کتنا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر حال مجھے خوشی ہوگی کیونکہ راجیو گاندھی میرے خاندان کے سب سے بڑے رکن ہیں۔ سوچئے اگر میں سنجے کی بیوی نہ ہوتی تو مجھے پتہ ہی نہ چلتا کہ یہ دنیا ہے کیا میں محلوں میں رہ کر ہمیشہ اس سے بندھی رہتی اور اس عمر تک میں بچی ہی رہتی۔ مجھے پوری امید ہے کہ اگر وہ لڑ جاتے ہیں تو انہیں تمام حقائق کا احساس ہو گا اور ہندوستان کی خدمت کرنے کا صحیح جذبہ پیدا ہو گا۔

سوال: اس ملک میں لپساندہ طبقوں شیعہ دل کا وسط اور قبائلیوں کے لئے ریزرویشن میں مسلمان نہیں آتا۔ مسلمان غریب میں، لپساندہ میں وہ نمکیشن میں آ پاتا ہے اور نہ ریزرویشن میں تو اس صورت حال کو بدلنے کے لیے آپ کیا سوچتی ہیں۔

جواب: ریزرویشن ذات پات کے حساب سے نہیں اقتصاد کی حالت کا بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اگر ریزرویشن کا وہی لوگ فائدہ اٹھا کر اوپر اٹھتے ہیں جب پھر ہوتے ہوئے بھی نہیں۔ مثال کے طور پر گلجیون رام کے بچوں کو دیکھ لیجئے۔ ریزرویشن کے لیے مخصوص ذات کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کی مالی حالت کو ہی دیکھنا چاہیے ان میں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی لوگ ہو سکتے ہیں۔

خدا کا نام کے بارے میں بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا تھا کہ ان کی ہلاکت گولیوں کے تباہی کے سبب ہوئی۔ پھر میرٹھ کے مسلمانوں نے یہ بھی مانتے کو تیار نہیں ہیں کہ مئی ۱۹۷۷ء کا فساد فرقہ والہ تھا آج بھی وہ اعتماد کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ منظم سازش کے تحت سرکاری فرقہ پرستی کے نتیجے میں مسلم کشی ہوئی۔ وہ گنگ نہر پر صوبائی مسلح فوج کی آگے کی ذریعہ ہٹم پورہ کے نوجوانوں کا قتل عام، علیحدہ میں مسلمانوں پر لپٹی آگے کا سہاگنا حملہ اور لپٹی کی مختلف جیلوں میں کم از کم پانچ افراد کی موت کو سرکاری فرقہ پرستی کا سب سے بڑا ثبوت مانتے ہیں۔ پولیس اور انتظامیہ کے افسران کے خلاف جن کے اشارے پر یہ قتل عام ہوا اور سرکاری کیشن گیٹ پر کاش نے بھی جنہیں تاویل ثابت کیا ان کے خلاف جانچ ہار وائی نہ کرتا بھی اسی بات کی دلیل ہے۔

میرٹھ پولیس اور انتظامیہ آج بھی فرقہ والہ روش پر گامزن ہے۔ میرٹھ کے مانتے مسلمانوں کے قتل ہونے کو اس قدر پرالگ سمجھ کر دیا ہے کہ ہر وقت انہیں بہت دلچسپی ہے۔ دلال کی فرقہ والہ صورت نے میرٹھ کے مسلمانوں کو یہاں بے جا لگنے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ قتل مکان پر مجبور ہو رہے ہیں۔ بھارتی اختیارات اطلاعات کے مطابق علیحدہ اور میرٹھ سے اب تک سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان ہلاک پاکستان میں پناہ لے چکے ہیں اور یہ لوگ ابھی تک واپس اپنے گھروں کو نہیں گئے۔ ۱۹۷۷ء اپریل کو میرٹھ میں بابری مسجد الحش کٹی کے کنوینر مولانا محمد یاسین کی گولی مارنے کے بعد مسلمانوں کے پناہ جانے پر میرٹھ پولیس کی اندھا دھن گنگ کے بعد یہاں مسلمانوں کو ہلاکتوں کا شکار بنایا گیا ہے۔

شیو سینا کا نظام زمانہ انتہا پسند لیڈر بال ٹھاکرے ایک مرتبہ پھر تم ٹھونک کر ہلاکتوں کے خلاف میدان میں آگیا ہے۔ بال ٹھاکرے نے سال ہی میں ایک انٹرویو میں حکمران نے ہندو ازم کا تعریف دیا ہے۔ دیر سے لگایا اگر میں کچھ عرصہ پہلے یہ تعریف لگاتا تو مشک کی ریاستیں اب تک مکمل ہندو بن چکی ہوتیں اور دلیاں سے مسلمانوں کا نام و نہاد نہ رہتا۔ بال ٹھاکرے کا کہنا ہے کہ ہندو ازم کے بیچ میں یہ خاصیت ہے

مسٹر راجیو گاندھی کو ایک اجتماعی مراسلہ بھی بہت سے ممبران پارلیمنٹ کے دستخطوں سے دیا گیا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ حکومت نے اس سلسلے میں مکمل خاموشی کر لی ہے جب مسلم ممبران پارلیمنٹ غلام محمود بنات والا سید شہاب الدین زین اور ام ام احمد بخاری نے اس سلسلے میں احتجاج کرنا چاہا تو انہیں پریشان کر کے اور ہٹا دیا۔ ہٹکنڈہ اختیار کر کے خاموش کر دیا گیا۔

حال ہی میں اس نوعیت کی ایک اور مذموم کارروائی بھی کی گئی جس کے تحت ایشیاء کی سب سے بڑی مسجد بھوپال کی تاج المساجد کی حرمت کو پامال کیا گیا۔ بابر مسجد کی طرح تاج المساجد بھی آریس ایس کے غنڈوں کی آنکھوں میں ہمیشہ سے مکمل آئی ہے اور وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوششوں میں لگے ہی رہتے ہیں۔ اب حالانہ سازگار دیکھ کر بھارتی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف فضا سے فائدہ اٹھا ہوئے گزشتہ دنوں ایشیاء کی اس عظیم ترین مسجد کے عقب میں مسجد کی زمین پر ناجائز طریقے سے مندر تعمیر کرنے کی ابتدا کر دی گئی ہے۔ تاج المساجد کے نزدیک ہی محکمہ تعمیرات کا دفتر ہے جس کے ہندو ملازمین نے مسجد کی زمین پر مندر کی تعمیر شروع کر دی ہے۔ رامائن کا پانچواں بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ اس تعمیر کی ابتدا ایک چوتراہ بنا کر کی گئی ہے۔ مسلمانوں نے توڑ ڈالا جس کے بعد سے یہاں اکا دکا مار پیٹ کے واقعات کا سلسلہ جاری ہے اور ہندو و شوہر لیشد اور آریس ایس کے غنڈے یہاں اکٹھے ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ یوں دکھائی پڑتا ہے کہ اب چند روز میں بھوپال کے مسلمانوں کو پھر ایک بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لوٹ مار قتل و غارت گری اور فرقہ وارانہ فسادات اپنے پیچھے کچھ ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کو آسانی سے بھلا یا نہیں جاسکتا۔ گزشتہ برس میرٹھ میں ہوئے فرقہ وارانہ فساد نے بھی کچھ ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ وہ لوگوں کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گئے ہیں۔ میرٹھ اور دلیاں میں پچھلے برس جو کچھ ہوا اس کو کسی بھی طرح سے گولیوں کے تباہی میں ہوئی ہلاکتوں سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ اس سے قبل ہلاکتوں

کھرف سے یہ دھمکی دی گئی ہے کہ جس ممبر کا نام اس سلسلے میں سامنے آیا وہ اس کو جان سے اڑالیں گے۔ یہ اس حکومت کے کردار کی صرف ایک جھلک ہے جس کے سربراہ نے گزشتہ زون لاکھوں افغان بے گناہوں کے قاتل نجیب کی موجودگی میں پاکستان کو دہشت پسند ملک کہہ دیا۔ کیا پاکستان پر ناجائز الزام تراشی کرنے والے اس برہمن خلیفہ سیکورٹری مکران نے کبھی گریبان میں جھانک کر دیکھا ہے۔

بھاگل پور کے خونی درندے

مطبوعہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء

بھاگل پور ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود دھپٹا اگل رہا ہے۔ فرقہ پرستوں کے منظم گروہوں نے دردیوں میں پناہ لیے ہوئے درندوں کی مدد سے وہاں انسانیت کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اسے تاریخ کا حنا نظر اس کی تمام تر المناکیوں کے ساتھ اپنے ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔ چونکہ ظلم و ستم و زندگی اور بربریت کی اتنی داستانیں بھاگل پور اور اس کے گرد و نواح میں رقم کی گئی ہیں کہ انہیں شمار کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔ سو بے گناہ انسانوں کے قتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والی وہ ملکہ بیگم ابھی زندہ ہے جس کی ٹانگیں اس کے تن سے جدا کر دی گئی ہیں۔ اس کی آنکھیں ظلم و تشدد اور دہشت بربریت کی انتہاؤں کو دیکھ کر اب پتھر اسی گئی ہیں۔ پورا بھاگل پور ایک ایسی فوج کا ڈنڈا نظر آتا ہے جس نے قدم قدم پر لپٹائی اور ظلم سے نباہ کیا ہے۔

اگر آپ اس وقت بھاگل پور کو ایک نظر دیکھ لیں تو یہ آپ کے ضبط و تحمل امتحان ہو گا۔ پورا شہر ایک کلیڈن نظر آتا ہے۔ بعض بستیاں اتنی سفاکی سے تباہ کی گئی ہیں البتہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں زندگی نے کوئی سانس ہی نہیں لی۔ یتیموں، لیسروں، رازوں اور غلاموں کی بے شمار قطاریں ریلیف کمپنوں میں زندگی کو حاصل رہی ہیں۔

کہ مناسب کھانا، بہتر موسم اور زرخیز زمین کے باعث یہ جگہ ہی ستارہ درخت پر ملتا ہے اور جلد ہی اس کا جھنڈا مہاراشٹر اسمبلی پر لہرا رہا ہو گا۔

مال ٹھاکرے شاید بھارت کا واحد فرقہ پرست لیڈر ہے جو مسلم دشمنی کو کمر لے کر چھپا کر نہیں رکھ سکا اور اس کا کھلم کھلا اظہار کر رہا ہے۔ اس کی حالیہ ڈیوگ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شیوسینا نے مہاراشٹر میں جتنی تیزی سے مقبولیت حاصل کر لی اس سے بھارت جیسے فرقہ پرست ملک میں اس کا مستقبل بہت تابناک نظر آتا ہے۔ اورنگ آباد میں شیوسینا نے اپنی پہلی شاخ مئی ۱۹۵۷ء میں قائم کی تھی آج وہ شیوسینا کی آٹھ سو سے زائد شاخیں قائم ہیں اور اب مال ٹھاکرے نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ اورنگ آباد جو عظیم مسلمان بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام پر قائم ہوا تھا اس کا نام بدل کر شیواجی کے نام پر رکھے گا۔ مہاراشٹر کے تقریباً ہر بڑے شہر میں شیوسینا کی مذہب سرگرمیاں اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہیں اور حکومت خاموشی تماشائی بنی بیٹھی ہے۔

انتہا پسند مسلم دشمنی میں کس حد تک پہنچ گئے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایے کہ حال ہی میں کرناٹک میں ہونے والے مسلمانوں کے قتل عام کی انگشت شکنی کے لیے مرکز نے جو تحقیقات کیٹی قائم کی تھی اس کے تین مند والے کہیں جب غاصورہ علاقے میں پہنچے تو ان پر بلوائیوں نے حملہ کر دیا۔ اور ان کی ٹانگیں اور باروٹوڑ ڈالے۔ اس تحقیقات کیلین میں واحد مسلمان مکن صوبائی اسمبلی روضن بیگ نے جس طرح اپنی جان بچائی وہ الگ کہانی ہے اس کی ٹانگیں ناکام ہو چکی ہیں۔ ان لوگوں کا گناہ صرف یہ تھا کہ ان کے ایک تحقیقاتی کمیٹی میں کھسے گئے تھے حالانکہ ایسی سینکڑوں کمیٹیاں اب تک قائم ہو چکی ہیں ان کی طرف سے مختلف رپورٹیں بھی سامنے آچکی ہیں اور چند بلوائی یہ بھی جانتے ہیں کہ ان رپورٹوں کا شریک ہوتا ہے؟ اس سے مسلمانوں کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچتا ہے اور انہیں بھی بے وقوف کے ساتھ ہی مورد الزام ٹھہرا دیا جاتا ہے اس کے علاوہ چند بلوائی اب ایسی کمیٹیوں کے ممبران کا وجود بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

زنی بھی نہ ہوا۔ اس ہم کے دھماکے نے مشتعل ہجوم کو اٹے پاؤں جھاگتے پر مجبور کر دیا۔ یس
ہے بول، ماسکیٹ نامی رائفل، ریلواریوں سے ایس فلوئی مقامی فرقہ پرست
نامہ اور غنڈوں کی مدد سے تمام اقلیتی آبادیوں پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ سارا شہر جگمگ
ہو گیا۔ بدلتے ہوئے کدھماکے، رائفل اور گولیوں کی آوازوں سے گونجتے لگا جلتے ہوئے
مکانات سے آگ کی لپٹیں اور دھوئیں کے اادل آسمان کو چھونے لگے۔ چار طرف چیخ پکار
بے فزیرام، غرور و کبر، اللہ اکبر کے نکلے شگاف غرے بلند ہونے لگے۔ اقلیتی آبادی اپنی
بان دمل، عزت و عصمت کی حفاظت بے سوسمانی میں کر رہی تھی۔ منظم انداز سے فلوئی
اور پولیس کی ملی جکت سے تقریباً ایک ہی وقت میں ایک ساتھ اقلیتی آبادیوں پر حملہ کیا گیا
فلوئیوں نے تقریباً ۱۰ مساجد شہید کیں، سیناروں کو مارا کیا۔ قرآن پاک کی بے حرمتی
کی اور اسے جلایا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے جنوبی پاکو کا اشتہار اپنے جنوں دوحشت اور
بربریت کی انتہا پر پہنچا ہوا انسانیت کے نام پر بدنامی داغ ان وحشیوں نے اپنا جنوں نہ
ان مساجد مکانات اور دکانوں اور انسانوں پر اتارا بلکہ مقبروں پر بھی اپنی وحشت
ورنگ کی تاثرات بھڑکائے۔ عبادت گاہ کے ان پتھروں نے اپنی ہمدردی خالی مکانات
نائیں، ویران مساجد اور مقبروں میں بیٹھے مردوں کو کھائی شیر خواروں کو لٹا کر گودوں سے
ہٹ کر زمین پر پٹخ دیا گیا۔ معذور بوڑھے عورتوں پر بجائے علم سے حملہ کر کے شہید کیا گیا۔
بڑوں سے کینچ کینچ کر بعد ریتے قتل کیا گیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور جب فرقہ
تھک کر جنوبی آگ نے بجائے پورے گاؤں کو اپنی لپٹ میں لینا شروع کیا تو ملک میں اس
ملک کا سب سے شرمناک حادثہ پیش آیا جس نے ماری ہوئے انسانیت سوز کارنامے کو
بچے مجبور دیا۔ گاندھی بونگٹم کے اس ویس کے دیر سوتوں نے پولیس کے عدوی پر چند
لڑاکو سونڈوں کو بے بس انسانوں کے گھر سے رنگ دیا۔ دریا پور گاؤں میں تلخی جھٹ
فریادوں کو شہید کر دیے گئے۔ کتنے گاؤں جلا کر راکھ اور کتنے لوگ شہید کئے
گئے۔ کچھ دکاندار اب تک نہیں ہو سکا۔ کیونکہ دہشت اور ستاؤ کا وہی حال ہے شام
بڑھ کر کس ویران ہو جاتی ہیں۔ سارا شہر سڑے میں ڈوب جاتا ہے۔ جوا کے دھن پر

ان کے مستقبل میں روشنی کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ ہر طرف تاریکی نے ایسے ڈیرے بھائے
ہیں کہ زندہ رہنے کی خواہشیں معدوم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ بجائے گل پور فرزند
کے جنگل سے کب آتا ہو گا کسی کو نہیں معلوم۔ وہاں آج بھی دھماکوں کا سلسلہ جاری ہے اور
باقی اعدا انسانوں کی زندگی ہر روز خوف و ہراس کی فضا میں جکڑے کھاتی ہے۔ فلو کے
دوران انسانی کھالوں میں چھپے درندوں نے جنوں اور وحشت کا جو گناہنا کھیل کھیلے
بجائے گل پور کے دھو دیو اس کی مکمل گواہی دیتے ہیں۔ ان درندوں کا نشانہ محض زندہ انسان
اور سال واسلیب ہی نہیں تھا بلکہ مقبروں اور مساجد پر بھی وہ بربریت کی گئی ہے کہ
اس سے ان خوفی درندوں کی سچریم سیاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

میلان کے مسلمانوں نے اپنے مہو غلو سے شریعتوں کی کئی کوششوں کو کایا
نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن صلاح دشمن عناصر نے اس شہر کے برسوں کے بھائی چارے کو تیس
نہیں کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ ۲۴ اکتوبر سے پھوٹنے والے اس فلو کا تانا بانہت
پیلے سے پیتا جا رہا تھا۔ اس سلسلے میں شہر کے بنام ترین غنڈوں کا بے کراں بادشاہ ہادیو
سنگھ اس کا دایا ہاتھ کا شیشہ یادو، آسائیں ایس کا بدنام ترین لیڈر پورنل پا جو رہا
بنایا تھا اور ایس پی تو میدی نے بجائے گل پور کے اقلیتی فرقے کو تباہ کرنے کی بڑی منظم سازش
کی تھی۔ گنگا پور کے بدنام ترین غنڈوں اور لیڈروں کو خرید لیا گیا۔ ان سب کے کھانے پینے
کا حصول انتظام کیا گیا۔ راشن شاک کے ہم پر چندے کی صورت میں پہلے ہی ایک بڑی رقم وصول
کی جا چکی تھی۔ جگر جگریم اور ماسکیٹ نامی رائفل یاٹے باجکے تھے۔ اس انتظار تمام شاک
جلوں کا جس کا پہلا نشانہ تمام ریلوے ۲۴ اکتوبر کو جلوس کے نا پر ناٹھکرے چلنے والا
یہ مسلح اور مشتعل ہجوم آستانہ بیکر فرے لگا تا تھا۔ تار پور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے
ساتھ ہی مخالف سمت کی دو جانب سے دو بڑے ہجوم بھی مخالف سمت سے بڑھ رہے
تھے جن کے ارادے ان غروں سے ظاہر تھے۔ لگنے ہمارے ماما ہے، میاں اس کو کاتا ہے
اور میرے بھائی کالی، تاکار پور کر دھالی، اخوسناک بات یہ ہے کہ اس طرف کسی بھی فرقہ
انہار نے اشارہ نہیں کیا۔ انہیں تو صرف جلوس پر آتا ہوا ہم نظر آیا ایک ہم تنہا جس سے کوئی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ان سب سے کہنے کہ خاموش رہیں، ابھی تک ایک ہی جان گئی ہے، آرمی گھسٹوں
زیکڑوں کی جان جلنے لگی۔ اتنے میں خون میں لت پت ایک نوجوان بھاگتا ہوا محلہ
میں داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ انور کٹر پر اپنے محلہ جا رہا تھا کہ
کچھ فلاحیوں نے ان سب پر حملہ کر دیا۔ اسی دوران بہتان آراء مہادیو سمجھا اپنی کاریں
بند و علاقوں کا دورہ کرتا رہا۔

اسی شام جب زیادہ تر لوگ عشاء کی نماز میں تھے یک ایک ناتھ محو ملے کے
پہلے حصے کی طرف سے بھول کے محلہ کے اور جے شری رام کے گھرے گونجنے لگے قسوی
نبردوں کی تعداد میں دم برساتے ملے کے آخری سرے پر واقع ایک سکول کی دیوار
بلک آگئے لوگ ایکلوعا اینٹ پتھر سے کرتے رہے۔ بی ایس ایف کی اطلاع لی گئی۔
آدھ گھنٹے کے بعد فورس کے آٹے کا ہنگامہ ہوا اور دنگانی پیچھے پڑے اسی دوران محلہ
نفر پر بھی فسادوں کا حملہ ہوا پولیس آئی اور بے گناہوں کو بری طرح زد و کوب کر
کے، لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ محلہ ناتھ منگر پر تو شام میں ٹکا پو
نے حکم کیا تھا اور سب پولیس نے چھاپہ ملا۔ گھر کا دروازہ توڑ کر پولیس گھسی اور سوئے
ہوئے لوگوں کو بندوبست کے کندوں سے ملتی گھسیٹتی لے گئی۔ ان میں برابر کے درم
بی سوئے ہوئے دو بچے بھی شامل تھے۔

بھاگل پور میں دوبارہ ساؤ کا ماحول بن گیا شہر میں غیر اعلان شدہ کرنیوکی حالت
نکھ شام ہوتے ہی فضا میں خوفناک سناٹا اور لوگوں کے محل میں عجیب سا خوف طاری
ہو جاتا تھا۔ ایسے رات محلہ سڑک پر ہجوم نے بھول اور رائٹلوں سے حملہ کر دیا۔
لنگار اور شہر کے گوشہ گوشہ کے فلاحیوں نے محلے کے معزز حضرات وحید اور
بشر صاحب کے مکان کی چاروں طرف سے گھیر دیا اور بھول کی بارش سی کر دی گئی۔
حید اور بشار صاحب کی گھڑی کی مکان میں تاریخ کے فساد میں پیسے بی لونی جاتی جا
بکھو آدھ گھنٹے تک یہ اپنی چوت سے بھول کا جواب اپنی بددلت سے دیتے رہے
مالک ایٹ کے آنے سے فساد میں بھاگے محلے کے لوگوں کو اپنے دفاع کرنے کے جرم

ایسی آوازیں کانوں سے ٹکراتیں تو لگتا کہ بد روحوں اور چڑلیں آپس میں کوئی سازش
کر رہی ہوں اور ایسے میں ماحول کی خوفناک خاموشی کو درہم برہم کرنا ہم کا کمزور
دھماکہ پٹریوں سے اڑتے کوئل کی کانیں کائیں لوگوں کی سرگوشیاں اور بھڑکی ماحول
کی خوفناک اور بے چین خاموشی۔

ویسے تو شہر میں بی ایس ایف کی گاڑیاں گشت کر رہی تھیں لیکن وہ سب
بھی بھار پولیس کے دم و دم پر تھے اقلیتی آبادی میں ایک طرف فسادوں کے ملے کا
خوف تھا تو دوسری طرف پولیس کی زیادتیوں کا ڈر۔ دیوالی کب کی ہو چکی لیکن کال
اپنی جگہ کھڑی تھی۔ میں جب رکشے سے پرستی کے سامنے سے گزر رہا تھا تو بالکل رکا
والا مجھے اپنی برادری کا سمجھ کر بتانے لگا، کالی ماں نے پیاد کیا ہے کہ میری سیاسی ہم
بکھی نہیں ہے۔ مجھے ابھی مت جھاننا دیر د آ ب، پہلے ان لوگوں کو جیسے گرم ریز
والی برتی میں اتار دھونا جائے۔ ویسے ہی جھونتا تب مجھے جھاننا مگر نامت آگے
آگے میں رہوں گی پیچھے پیچھے تم سب رہنا۔ میں نے پوچھا کہ کالی ماں اور ملیان
ہے، اس پر اس نے زوردار لہجے میں بھری۔

اکا دکراہ چلتے لوگ چاقورنی کے شکار ہوتے رہے۔ ٹرین سے کچھ کچھ
بگناہوں کو مارے جانے کے واقعات بھی ہوتے رہے لیکن انتظامیہ کی طرف سے کوئی
حفاظتی اقدام نہ کیا گیا۔ نائنٹر چوک مسجد کے تون نصیلت حسین کو سڑا گولی مار دہ
گئی۔ انہیں محل میں لایا گیا جہاں انہوں نے کچھ سی دیر میں دم توڑ دیا۔ اس حادثے سے
محلے میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ نوجوان انتقامی جذبے سے بے قابو ہو گئے لیکن محلے
کے سربراہان شمس ابدی وغیرہ نے حالات کو زیرِ بگڑنے نہیں دیا۔ ایسے میں پتہ چلا کہ
محلے کے آخری سرے پر پولیس پائنٹ کھڑی ہے جو ہنگامے کی وجہ جاتا جاتا ہے۔
ایک نوجوان کے ساتھ ان سے بات کرنے گیا پولیس انسپکٹر اچھنٹا پر شاد کے پوچھے
پر میں نے بتایا کہ سامنے بھگت پٹی میں موذن صاحب کو گولی مار دی گئی ہے۔ ان
وجہ سے لوگ جذباتی ہو رہے ہیں۔ اس پر اس انسپکٹر نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ

دہرا راستہ بتا دیتی ہے جہاں کچھ لوگ اسی انتظار میں رہتے ہیں۔ پھر وہ مسافر لوٹ کر
نہی آتا فرقہ پرست عناصر نے اس طرح دہشت پھیلا رکھی ہے کہ اس پاس
پر حملے میں ایک دوسرے سے کٹ گئے ہیں لوگ حملے سے باہر روڈ پر آنے سے
بُرا ہے میں۔

فساد کو آج ایک ساہ سے زیادہ گزر چکا ہے۔ کاروبار بند پڑا ہے جو لوگ
دزدانہ کام چلا کر اچھوٹا موٹا دھندہ کر کے پندرہ بیس روپے کھاتے تھے کس طرح گڑا
رہے ہوں گے امانتہ کیا جاسکتا ہے غیر مسلم بنیوں، ہنزی فروش اور دودھ والے
بہن کو منہ کر دیا گیا ہے کہ اس فرقے کے کسی فرد کو کچھ نہ دے۔ پتہ چلا کہ بکرنگ دل
نے جو جانوں نے ان لوگوں کو دھکی دی ہے کہ اگر ان سے کاروبار کرو گے تو ۱۱ روپیہ
برمانہ ہوگا۔ جب اس کی شکایت بی ایس ایف سے کی گئی تو انہوں نے نہ دیکھا دھندہ
باجو لوگ ان کی زیر نگرانی شہر گئے جہاں کھانے پینے کا سامان لایا گیا اور اب حملے
پر بھی چھوٹی چھوٹی دکانیں کھل گئی ہیں۔ اس طرح ہر حملے کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔
رہبان حال لوگ کس طرح جان پر کھیل کر اپنے بچوں کے لئے آٹا چاول کا انتظام
ریاات بھر جاگ کر سپرد ہیں اور اپنے حملے کی جان و مال کی حفاظت کریں۔ فرقہ
پرستوں نے اپنی شیطانی کوششوں سے ان بھائیوں کے حملے کو مٹی پر مروت بنا کر
لگا دیا ہے میرے ذہن میں ایک دوست راجیش جھاکے یہ جیسے گونج رہے ہیں۔ کہ
بجائے پورے کونجے میں ہندو فرقہ پرستی اپنی جرم سیما (نقطہ مروج) پر تھی جہاں دو لگاؤں
نے چند مری جیلا پاپ کے کے انسانیت کے چہرے پر کالک پلٹ دی ہے وہیں اپنے
دوسروں اور دوستوں کو بھی فساد کی آگ میں جوک کر دھواں لگاتے دیکھتے ایک
دروست عالم گیش جہا جنہوں نے سلطان گنج اور دلوخوری حملے کو فساد کی آگ سے بچانے
لیے اپنی جان پر کھیل کر تلوار کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی دونوں حملے کے نوجوانوں
لا کر انہوں نے پچیس مارچ کا لاتفرجیا ۱۵ لوگوں کے اس جلوس میں سب سے
لے ننھے ننھے بچے مینو اور نیش تھے جن کے ہاتھوں میں ایک ہنر تھا اگر وہ (فرسے)

میں گرفتار کر لیا گیا۔ اسی دوران سلطان گنج کے پھول شمعو پورہ اور قمر گنج میں فساد
نے اقلیتی حملے پر دھواں بول دیا۔ ۲۵ سے زیادہ مکانات جلا کر خاک کر دیئے گئے
اور تقریباً ۱۱۱ لوگ شہید ہوئے۔ اتنی بازار علاقے سے ہنگوول کے اکثریتی حملہ چاکر
پریم برساتے تھے یہ سلسلہ آدھ گھنٹے تک چلتا رہا۔ مقامی پولیس بی ایس ایف کو لے
کر حملے کے پچھے سے گئی احمد اس گھر کے لوگوں کو مارا پیٹا، ہندو کو بک کیا۔ جس گھر پر اتنی
بازار سے ہم برساتا جاتا رہا۔ گھر کے نزدیک عباس صاحب کو بری طرح تنگی کر کے
گرفتار کر لیا گیا۔ تقریباً ۴۰ افراد کو سر دی کی رات میں تھانے میں لایا تھا اٹھائے کھڑا رکھا
گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ بی ایس ایف جبار پولیس کے رحم و کرم پر ہو۔ وہ اسے جیسے چاہے
چھاتی ہے اگر ہم کادھا کہ اکثریتی علاقے سے ہوتا ہے تو بی ایس ایف کو اقلیتی علاقے
میں لگا دیتی ہے اسی طرح دنگائیوں سے جو علاقہ زیرِ نگر ہو سکا اب بی ایم پی اسے
زیرِ نگر رہی ہے۔ جھاپے کے بہانے یہ ان بے گناہوں کے گھر میں گھس جاتی ہے جو لڑے
سے بچ گئے گھر میں گئے پکھنے تک کو یہ کہہ کر اتار لیتی ہے کہ یہ لوٹ کا ہے تاتھ جو
حملے کے سامنے لب ٹرک مارواڑیوں کا علاقہ ہے یہ علاقہ آرائیں ایس کا گڑھا
جاتا ہے۔ اس کے بنام انسانہ لیڈر پورن ل باجوریانے بھی فساد کی آگ میں اپنی طرف
سے کافی ایم کر دیا نیچا لیکن سامنے کے مسلم اکثریتی علاقہ تاتھ جو موہن ٹولہ کا
امن بر باد کر سکے۔ ہر تخریبی کام سے ناکام ہو کر انہوں نے حملے کی گلی میں ہم چھوکیا
اور پولیس کو قتل کر دیا کہ موہن ٹولہ سے ہم چھوکیا جا رہا ہے۔ تاکہ میں بیٹھی پولیس کے
بیادہ جو ان گلی میں گھس گئے اور سامنے کے گھر کا دروازہ توڑ کر حملے کے حوت دار
معین صاحب کو گھسیٹی ہوئی لے گئی۔ رات بھر حوالات میں بند رہا اور صبح ۵ بجے

کی ”سلامی“ لے کر انہیں چھوڑ دیا۔

پولیس کو یہ کہتے رہے کیا کہ لوگوں کو دو دو دن کا وقت دیا لیکن ان جندو لوں نے
کچھ خاص کام نہیں کیا اب ہیں لوگوں کو کچھ کرنا پڑے گا۔ ریوے سٹیشن کا یہ حال ہے
کہ مسافر اتر کر اگر تاتھ جو موہن ٹولہ کا راستہ پوچھتا ہے تو اسے جی آر پی پولیس

مسلم انڈیا مستقبل کا پرچم

مطبوعہ: ۱۶ فروری ۱۹۹۰ء

بھارت دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا دیس بن چکا ہے یہ ہے وہ
مسند رائے جو عالمی رائے مابہ بھارت کے گزشتہ چند سالہ شب و روز کا جائزہ
لینے کے بعد قائم کر سکتی ہے مقبوضہ جموں کشمیر سے آسام تک لادینیت کے نام پر انسانی
ہوبے دریغ بہایا جا رہا ہے اور برابری سامراج کی پیاس بجھ نہیں پانی حال ہی میں ایمنٹی
انٹرنیشنل اور سیوین رائٹس کمیشن کی طرف سے جو رپورٹیں چھپ کر سامنے آئی ہیں ان سب
کا جائزہ لینے کے بعد کوئی بھی مہذب انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بھارت میں
نانوں کا ایک خام گروہ جس بے دردی سے اپنے جیسے دوسرے انسانوں کا خون بہا رہا
ہے اس کی مثال دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔

ان رپورٹوں میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ ۸۴ء میں جب بھارتی افواج
نے سکھوں کے مقدس مقام دربار صاحب پر چڑھائی کی اور سکھوں نے پھر اس کا بدلہ لینے
کے لیے وزیر اعظم اندرا گاندھی کو موت کی نیند سلایا ان دونوں واقعات میں بھارتی حکومت
کے اعلان کے مطابق ۲۲ ہزار جانبی ضائع ہوئیں لیکن اس کے برعکس بھارت میں ہی
موجود غیر جانبدار تحقیقی کمیشنوں نے جو رپورٹیں شائع کی ہیں ان کے مطابق ان دونوں
مآثرات میں ہندو فوج پولیس اور ریٹروں کے ہاتھوں مرنے والے سکھوں کی تعداد دس
ہزار کے درمیان ہے یہ صرف ۸۴ء کے ہنگاموں میں مارے جانے والوں کی تعداد
تھی اس کے بعد سے آج تک جو ہزاروں سکھ بڑا بھنی سیاست کی بھیڑے چڑھے ہیں
ان کی بات الگ ہے۔

اسی طرح بھارت میں بسنے والی جیوٹی ترقی جو مذہب کے لحاظ سے تو ہندو ہیں
لیکن انہیں ہندوؤں کے مندروں میں جانے کی اجازت بھی نہیں مل سکتی اور خصوصاً ہمارے

کیوں ہندوستانی ہیں۔ یہ طور و انوری محلے میں داخل ہوا اور جب لوٹا تو ایک
بیڑا اس کے ساتھ تھی۔ انہوں نے ہندو مسلم بھتی کے لیے بچوں سے خطرناک
کروائے لیکن یہ سب فرقہ پرستوں کو ایک آنکھ نہ بجایا اور آخر میں مجبور ہو کر انہیں
واپس ہونا پڑا۔ یہ کہتے ہیں کہ حال مسلم محلے میں ایک دو ہندو گھروں کی حفاظت
نے کی۔ وہیں فرقہ پرستوں نے زیادہ
انہیں غلو میں کو نقصان پہنچایا جا کر ترقی علاقے کے محلے میں تھے۔ ایک سرکاری ملازم
ریش کشار وغوری میں رہتے تھے لوگوں نے انہیں جانے نہ دیا۔ اب یہ عالم ہے
وہ اپنے گاؤں نہیں جانا چاہتے وہ کہتے ہیں اسی محلے میں محفوظ ہوں۔

اسی دوران کشر بھاگل پور نے ماتھ نگر تھانہ پر علاقے کے دونوں طرف
لوگوں کو اس کی بات کرنے کے لیے بلایا دونوں طرف سے مسجد والوگوں نے ہندو
کی باتیں کیں اکثر ترقی فرقے کے نمائندے نے جو امن قائم ہونے کے لیے اپنی بات
رکھی اس کا بلب بلب کچھ لیں تاکہ سب سے پہلے تو کالی ماں کی برکتا جواب تک کھڑا
ہے اسے اسی شان و شوکت سے بھسا دیا جائے جیسا کہ باپ دادا کرتے ہیں، تب
یہ کچھ شانتی ہو سکتی ہے اور سارے کھل سکتی ہے کشر صاحب نے مداخلت کی کہ
طرح کے جلوس پر تو پابندی ہے آپ کچھ لوگوں کے ساتھ جائیں اور دیوی کا ورجن کرنا
اس کے لیے پولیس پورے علاقے اقدام کرے گا۔ امن کیٹی گائیڈ مقرر رہا۔ اب صورت
حال یہ ہے کہ جب تک کالی مال کھڑی ہیں تب تک اس کا منصب شہر پر ایک بڑا
خطرہ منظر آ رہا ہے۔

پتہ نہیں فرقہ پرستوں کی خونی پیاس اور کتنی جانوں کی قربانی لینے کے بعد ملے
ٹے گی بھی کہ نہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے خون کی پیاسی چڑیلیں و شوہند و پریشد کا بلوہا
بے بس دیکس لٹے پٹے پٹے کچھے غلوؤں کے سر پر منڈلا رہی ہیں فرقہ پرست مذہب کے
وہ مسلم اہل ایک آنکھ نہیں بھاری ہے جو ابھی تک دنگائیوں کے نشانہ سے بچی ہوئی ہے
وہ سخت روز و تیر و دنیا دہلی

اعلان متعدد مرتبہ دہرا بایا جا چکا ہے کہ وہ مسجد کو شہید کر کے یہاں ہر صورت مندر تعمیر کریں گے خواہ اس کی کچھ قیمت ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے اس بات کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا کہ اگر ہندو انتہا پسندوں نے کبھی اس کام کا آغاز کر بھی دیا تو بھارتی سیکورٹی فورسز نہیں روک لیں گی اس کی وجہ بھارت کے سیاسی اور لادینی حلقوں کے نزدیک یہی ہے کہ اب بھارت کی ایک بڑی سیاسی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی نے بھی کھل کر ہندو ازم کا پرچار شروع کر دیا ہے اور اس پارٹی کے انتخابی اعلانات میں یہ وعدہ سرفہرست تھا کہ برسرِ اقتدار کردہ باری مسجد کی جگہ مندر تعمیر کروائیں گے۔

بھارتی جنتا پارٹی نے بھارتی سیاسیات کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کھل کر ہندو کاڈ ملا ہے اس سے پہلے بھارت کی سیاسی جماعتیں جن میں کانگریس سرفہرست سے ہمیشہ نفیست سیاست کیا کرتی تھیں اور بلظاہر سیکولر ازم کا نعروں کا اور دیگر اقلیتوں کی تحریروں کی تھی اس کے علاوہ بھارت کے طول و عرض میں دوسری تنظیمیں ہندو انتہا پسندی کے دھوکے کے ساتھ سرگرم عمل ہیں لیکن قومی سطح پر پہلی مرتبہ جنتا پارٹی کی صورت میں ایسی جماعت نے آئی ہے جس نے صلیبتا باری مسجد کے مسئلے پر کوئی بیان مسلمانوں کے حق میں نہیں اور پہلی مرتبہ کھل کر ہندی، ہندو اور ہندوستان کی بات کی ہے۔

کے ایل ایدوانی کا کہنا ہے کہ اگر آپ بھارتیہ جنتا پارٹی کو ایک ہندو پارٹی کہتے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم ہندوؤں کی جو اس ملک کی آبادی میں اکثریت بنانے کی پرفخر کرتے ہیں جب بھی بھارتیہ جنتا پارٹی کی اعلیٰ قیادت سے کسی نے پارٹی کے ہندو ازم سے متعلق انتہا پسندانہ رویے پر بات کی تو اس کو کچھ اسی قسم کا جواب ملے۔

راجیو گاندھی اور اس کی آنجنابی مائیک کے دور حکومت میں مذہبی بنیادوں پر بھارت کو یکساں مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان میں شاہ باؤکیس جس میں مسلم پرسنل لا عنری بحث آئے مول کے مقدس مقام دربار صاحب پر ہندو فوج کا حملہ اور باری مسجد اور رام جنم دہی تنازعہ ہے ان تینوں مسائل کی بنیاد مذہبی ہے شاہ بانوامی ایک مسلمان عورت کو

آسام اور یوپی میں جب ہندو کاشتکار چاہے ان کے گھروں اور ممالک کو تباہ کر دیتے ہیں ان لوگوں کی حیثیت ہندو سماج میں کبھی کیڑے کھوڑوں سے زیادہ نہیں رہی۔

بھارتی جریدہ ایڈریالوڈ نے اپنی ۱۵ جنوری کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ ۸۰ کی دہائی بھارت میں بلاشبہ قتل و غارت گری اور قدرتی آفات کی دہائی تھی آسام، ہزاروں کی تعداد میں بنگالی نژاد مسلمانوں کا ہندو آبادکاروں کے ہاتھوں قتل عام، آپریشن نیلوس مارا اس کے بعد اب تک جاری رہنے والا سلسلہ، بھارتی اٹر لائن کے بھارت کی سکھوں کے ہاتھوں تباہی جس میں ۲۲۹ مسافر مارے گئے تھے بھاگل پور میں مسلمانوں کا قتل عام اور ذات برادری کی بنیاد پر بھارت میں اونچی اور نیچی ذات کے ہندوؤں کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ، ۱۲ سو بھارتی فوجیوں کی سری لنکا میں ہلاکت بھارت میں سانی مذہبی اور علانائی بنیادوں پر پائی جانے والی نفرت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے اس دس سالہ دور نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بھارت میں ایک نیا سامراج جنم لے رہا ہے اور وہ ہے ہندو سماراج جس کی جڑیں بھارتی معاشرت میں اتنی گہری ہیں کہ انہیں اکھاڑ پھینکا ناممکن ہو گیا ہے اس صورت حال نے بھارتی حکومت کے سیکولر ازم کے ڈھول کا پول کھول کر دنیا کے سامنے سیکولر بھارت کا اصلی روپ دکھایا ہے۔

جریدے کے مطابق ۱۹۸۰ء کی دھائی میں ہونے والے مذہبی فسادات کی تعداد ۴۵۰۰ سے زائد ہے ان فسادات میں ہزاروں سے زائد بے گناہ مارے جا چکے ہیں اس صورت حال میں بھارتی پرنٹل کا کام کرنے کے لئے اسی دہائی میں باری مسجد اور رام جنم بھومی جیسے مسئلے نے جنم لیا ہے اس مسئلے پر ملک کے کونے کونے میں انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ جاری ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مسئلہ کبھی ختم ہوگا یا نہیں۔

جہاں تک بھارتی آئین کی بات ہے تو اس کی پرواہ کون کرتا ہے عدالت کے فیصلوں کو خاطر میں نہیں لایا جا رہا اور ہندوؤں کی طرف سے مانسکاف الفاظ میں یہ

ہندو مت آزادی تحریک اور اسلام میں بڑا فرق ہے۔ ہندو مت آزادی تحریک کا مطالبہ بھی اپنے لیے الگ وطن کا مل ہے۔

یہ صورت حال تجارت میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے بھی نہیں بیکار عالم اسلام کے لیے دیکھ کر اچانک ہے جلدی مسلمان جسے ہندو نے کبھی جانور سے زیادہ حیثیت نہیں دی بلکہ سوچے پر مجبور ہو گیا ہے کہ ہندو سماج میں رہتے ہوئے کیوں اپنا ملی تشخص برقرار رکھے گا؟ ان حالات میں جبکہ تجارت کے کسی بھی کوئی میں معاشی یا معاشرتی لحاظ سے

ملوں کو سلاٹھانے کا موقع نہیں دیا جا رہا اور جہاں مسلمانوں نے اپنے قدم جما رکھے ہیں وہاں مسلمانوں کے ساتھ فداوت کی اس میں ان کی تمل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف ہونے والے ان فداوت کا انک پیلو یہ بھی ہے کہ عموماً یہ فداوت نفاقوں میں ہوتے ہیں جہاں مسلمانوں کی معاشی حالت سدھرنے لگتی ہے اور جوتا یہ ہے کہ فداوت کی اس میں ان کی اہلک فداوت آتش کر دی جاتی ہیں ان کے کاروبار تباہ ہو جاتے ہیں اور

بہ فداوت کے بعد اس علاقے کے مسلمان کئی سال بچھے پلے جاتے ہیں اور تو کاروبار حیات کو فدا کرنا آسانی اور تکلیف دہ مسئلہ ہے فداوت کے بعد کی صورت حال تو افسوسناک ہے بیشتر علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے اور ان کو جان و مال تحفظ ملتا تھا تاہم اس علاقے سے مسلمان صوبے کا کسی پراسن ملکر کی تلاش میں ہجرت کر اور دوسرے کسی صوبے میں نئے سرے سے اپنی صنعت لگانے کی کوشش کی دیاں طلبا ہے

ہات مختلف ہوتے ہیں اس سے ایک طرف تو فداوت دہ علاقے میں مسلمانوں کی انڈسٹری میں فداوت کے نتیجے میں گرتا ہے دوسری طرف دیاں وہ اکثریت سے اقلیت میں تبدیل ہو تے ہیں اور مقامی ہندو یا برہمن کی گرفت مضبوط نہیں رہ پاتی۔

آج بھی یورپ کے بیشتر ممالک اور سرکیم میں کئی جلدی مسلمان متولی گھرانے

رہتے ہیں جو تجارت میں اپنے کاروبار کو ہندو غلاموں کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچانے

مخوف کے تحت ان ممالک میں مستقل آباد ہو چکے ہیں اور انہوں نے تجارت سے اپنا

اروبار سیٹ لیا ہے۔

مسلم پرسنل لاء سے روگردانی کرتے ہوئے ہندو پرسنل لاء کے مطابق طلاق کے مسئلے پر خاص حقوق دینے کی کوشش ہوئی تو مسلمانوں میں بیداری پیدا ہونے لگی اور قومی سطح پر انہیں اپنے تشخص کے بچاؤ کی فکر و امن گیر ہوئی اس مسئلے پر خاصی لے دے ہوئی اور مسلمانوں کو پہلی مرتبہ شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ اب معاملہ یہاں تک بگڑ گیا ہے کہ تجارت کی ہندو حکومت نے ان کے گھروں کے اندر بھی نقب لگانے کی کوشش کی ہے جس پر وہ متحہ ہوئے اور اس اتحاد کے نتیجے میں انہوں نے بالآخر اپنی دینی غیرت کے بل بوتے پر حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا۔

مسلمانوں کے خلاف پھر بارہی مسجد کا تنازعہ کھڑا ہوا اور ہندو کی طرف سے یہ کہا گیا کہ جس جگہ بارہی مسجد بنائی جا رہی ہے وہاں تو ہمارے رام جی کا مندر تھا اس مسئلے نے مسلمانوں کو پھر ایک پلیٹ فام پر اکٹھا کیا اور انہیں احساس ہوا کہ اپنی ثقافتی جنگ وہ انفرادی حیثیت میں نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت میں جیت سکتے ہیں دوسری طرف انتہا پسند ہندو نے بھی اسے عزت نفس کا مسئلہ بنالیا ہے اور ادھر سے بھی مرجانے یا مار دینے کی بات ہونے لگی ہیں۔

اس طرح آپریشن بلیوسٹار کے بعد سکھوں کے اندر ایک نئی اور انقلابی سوچ نے جنم لیا اور انہوں نے بدوق اٹھانے کا فیصلہ کر لیا انہیں اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ ہندو سامراج جس نے سکھوں کو دوسرے درجے کے شہری بنائے ہیں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کو اگر کام نہ دی گئی تو سن حیث القوم ان کی ملی زندگی بھی ختم ہو کر رہ جائے گی اس سوچ نے جس کی بنیاد مذہب کا طاقت و نظریہ تھا سکھوں میں اتحاد پیدا کیا اور آج صورت حال یہ ہے کہ تجارت کے کار کے لاکھ دعووں کے باوجود مشرقی پنجاب میں آئے روز سکھ حریت پسندوں کے ہاتھوں بھارتی سیکورٹی کے لوگوں کا مارے جانا ایک عام سی بات بن کر رہ گئی ہے اور نئی بھارتی حکومت کی طرف سے بہت سی یقین دہانیوں اور سہولیات کے بعد بھی وہ لوگ اپنا الگ ملک بنانے پر تلتے ہوئے ہیں۔

کچھ اسی قسم کی سوچ بھارت کے جنوب اور شمال میں بھی جنم لے رہی ہے بھارت

مسلمانوں کی معاشی بگاڑ حال اور جاتی ضیاع کے بعد اب مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ خونِ مسلم کی انسانی آخر تک؟ اب وہ وقت آ گیا ہے جب عبادتِ کبرا اقلیتوں کے طرح مسلمانوں کو بھی اپنے الگ وطن کے قیام کے لیے کوشاں ہونا پڑے گا۔ یہ وہ مسلم نظماں بزرگ جہاں مسلمان اپنی مرضی اور اندر سی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے۔ یہ دراصل ہندوستان کی حتمی تقسیم ہوگی۔

بھارت میں وسط مدتی انتخاب

مطبوعہ: ۳۰ اگست ۱۹۰۷ء

اگر کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ تھا تو وہ ۱۵ اگست کو وی پی سنگھ کی تقریر سے رہ ہو گیا۔ یہ لیوم آن سادی کی تقریر سے زیادہ الیکشن کی ایسی تقریر معلوم ہو رہی تھی کہ ہاں وہ ہر طبقہ اور فرقہ کو کچھ نہ کچھ دیکر خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے اطلاعات میں کہ وی پی سنگھ اکتوبر کے آخری ہفتہ میں لوک سبھا توڑ کر دوبارہ الیکشن کا اعلان کرنے والے ہیں۔

وی۔ پی۔ سنگھ کے سامنے دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ان کی حکومت بہت دیر تک یہ جھگے برداشت نہیں کر سکے گی۔ اور انہوں نے خود اپنی حکومت کو توڑ کر وسط مدتی انتخابات نہ کر لئے تو چھ ماٹھ مہینے میں ان کی حکومت لیے ہی گر جائے گی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مہنگائی پر قابو پانا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور جیسے جیسے مہنگائی بڑھے گی عوام میں نیشنل فرنٹ حکومت کے خلاف ناراضگی راسخ ہو جائے گی۔

بی۔جے۔پی۔ سے ٹکراؤ

اکتوبر میں بابر نے مسجدِ امام جنم بھومی تنازعہ دی۔ پی سنگھ سرکار کے لیے سب سے
 سردرد بننے والا ہے۔ بی۔ جے۔ پی نے کھلم کھلا اس تحریک کی حمایت کا اعلان کیا

گزشتہ ۴۴ سال کے حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ بھارت میں غیر رنگ و نسل، مذاہب اور فرقہ بندیوں کے لوگوں کا الحاق قطعاً غیر قدرتی اور جذباتی فیصلہ تھا۔ تقسیم ہند پر جس طرح دھوکہ بازی دھاتلی اور دھونس سے بھارت اور برطانوی سامراج نے مل کر پاکستان کی سرحدوں کو سکیرٹر تھا اب انہیں قدرتی شکل میں واپس لانا ہو گا کیونکہ یہ ایک صورت ہے جو اس خطے میں پائیدار امن کی ضمانت دے سکے۔ سنٹرل انڈیا میں مسلم آبادی کا قیام اس خطے میں پیدا ہونے والی مسلسل سرجنگ کا خاتمہ کرے گا اور دونوں ممالک کو اپنے عوام کے فلاح و بہبود کے لیے زیادہ مواقع میسر آسکیں گے۔

آج دنیا کے سیاسی حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ کوئی بھی ملک اپنی آزادانہ خارجہ پالیسی برقرار نہیں رکھ سکا گا کوئی نہ کوئی مصلحت، نظریہ ضرورت کے تحت اپنی ہی بڑی ہے یہی وجہ ہے کہ جماعت میں مسلمانوں کے قتل عام پر پاکستان یا پھر دیگر ممالک کے علاوہ کسی ایک آدھ اسلامی ملک کی طرف سے ہی تعزیر احتجاج بلند ہو سکا ہے اور حالات نے مسلمانوں کو اس بری طرح بکڑ رکھا ہے کہ یا عرض فحاش جیسا معاملہ بھی کشمیر کے مسئلے پر سوال کا جواب دینے سے اعتراف ہوتا ہے اس صورت حال میں مل بھی نہیں کہ ہم اخلاقی یا سیاسی طور پر کسی برادر اسلامی ملک کو مجبور کر کے جماعتی مسلمانوں کے حق میں بیانات دینے کی اپیل کریں۔

اگر اسی خطے میں امن کا حصول عالمی طاقتوں کا مطلوب ہے تو انہیں موجودہ حالت کی قدرتی تقسیم کے عمل کو مکمل کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا خون بہا طرہ بہ طرہ گوارنگ و فساد کی بنیاد پر قتل و غارت گری کا ایسا سلسلہ شروع ہوگا جس پر غالباً کسی کے اختیار میں نہیں رہے گا۔

زور کی بات ہے میں اس کے ساتھ اسٹیج پر بھی بیٹھنے کو تیار نہیں۔ گمراہی کے
بھانہوں نے بلا جھجک نہ صرف بی۔ جے۔ پی کی مدد کر میں لی۔ بلکہ مولوں میں بھی اس
کی حکومت کی حمایت کی۔ بی۔ جے۔ پی کے کہنے پر کشمیر میں حالات کو بگاڑا۔ اقلیت
زمن بلکہ ہن کو کشمیر بھیجا۔ وہاں سیکڑوں بے گناہوں کا خون ہوا۔ ہزاروں زخمی ہوئے
بے گھر ہوئے عورتوں کی عصمت لٹی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ کل تک نو لاکھ ہن پر
ماری ذمہ داری ڈال کر دی۔ پی سنگھ پنج جاتے تھے۔ مگر آج صاف ظاہر ہے کہ کشمیر میں
جو کچھ ہو رہا ہے ان کی مرضی اور منشا سے ہو رہا ہے۔ اس لیے اب اچانک ان کا پینترا
بدل کر بی۔ جے۔ پی سے کھلاؤ دکھانا باشعور عوام کے گلے سے نہیں اترے گا۔

اس ملک کے تمام لیڈر جانتے ہیں کہ کسی بھی الیکشن میں اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں
کو ووٹ فیصلہ کن ہے۔ جتنا دل کو پھلے آٹھ مہینوں میں نہ تو مسلمان یاد آرہے تھے۔ نہ
نیشنل الیکشن نہ پولیس اور لوکرہ میں مسلمانوں کی بھرتی کے وعدے، نہ میرٹھ اور جھارکھنڈ
کے تنازعہ۔ مگر اب الیکشن کی تیاری شروع ہوئی تو دوبارہ انہیں اقلیتوں کی یاد تازہ
کے لیے پھیلے ہفتہ حکومت نے دہلی میں ایک اقلیتی کانفرنس کی جس میں ایک بار پھر
وعدے دہرائے گئے، اقلیتوں کی بد حالی پر آنسو بہائے گئے۔ ایک بار پھر جتنا لیڈروں
کا احمد بنجاری اور امان بنجاری سے ملاقاتیں شروع ہو گئی ہیں۔

اپنی لال قلم کی تقریر میں دی، پی سنگھ نے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے بارہ
فات کی چھٹی کا اعلان کیا۔ اس پہلے راجیو گاندھی پچھلے سال الیکشن کا اعلان ہونے
کے بعد اس چھٹی کا اعلان کر چکے ہیں۔ مسلمانوں کے سنجیدہ لیڈروں نے کبھی بھی اس
بھمی کو وقار کا مسئلہ نہیں بنایا البتہ عوامی سطح پر اس چھٹی کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ مسلم
لہاکہ کہنا ہے کہ بارہ وفات کا دن عبادت کا ہے۔ یہ کوئی تہوار نہیں ہے۔
جس پر شور شرابہ کیا ہے۔ ماضی میں یہ سرگندھ چھٹی تھی۔ بہر حال عوامی سطح پر
چھٹی کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے نہ تو مسلمانوں کو کوئی
فائدہ ہوگا نہ ان کے مسائل حل ہوں گے اس لیے جو مسلم لیڈر اس چھٹی کو بہت بڑا

ہے اور کہا ہے کہ وہ احمد دھیا میں مسجد کی جگہ مندر بنوانے کے لیے تاریخ کی سب سے
بڑی خرابی چلائے گی۔ اس لیے اب بی۔ جے۔ پی کے لیے بھی قدم ہٹانا مشکل ہے
دوسری طرف کسی بھی حکومت کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بغیر
وہ مندر بنوانے کی اجازت دیدے۔ مائٹ سنگھ نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ بی۔ جے۔ پی
کی زور سبز دہشت کو برداشت نہیں کریں گے۔ جتنا دل میں وی۔ پی سنگھ کے قریبی لوگ
کا کہنا ہے کہ ان حالات میں اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ وی۔ پی سنگھ اس
مسئلہ پر حکومت توڑ دیں۔ اس طرح سے جتنا دل کو مسلمانوں کی حمایت بھی حاصل ہو جائے
گی۔ دوسری طرف کٹر ہندو بی۔ جے۔ پی کے ساتھ چلا جائے گا۔ ہندوؤں کی پچھڑی ذاتیں
منڈل کیشن رپورٹ تسلیم کئے جانے اور پچھڑی ذات کے ہندوؤں کو روزگار میں
رزرویشن دینے جانے کے بعد جتنا دل کی حمایت کریں گی۔ اونچی ذات کے ہندو
جے، پی دونوں کو فائدہ ہوگا اور کانگریس تیسرے نمبر پر چلی جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں
الیکشن سے پہلے جتنا دل اور بی۔ جے۔ پی میں فوراً کشتی ہوگی۔ جتنا دل اقلیتوں کو پچھڑی
ذاتوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے یہ دکھائے گی کہ وہ بی، جے، پی سے ٹکرے
رہی ہے۔ اور بی، جے، پی اونچی ذات کے ہندوؤں اور فرقہ پرست ذہنیت رکھنے
والے عناصر کی حمایت حاصل کرنے کے لیے یہ دکھائے گی کہ اس نے ہندوؤں کے مفادات
اور رام جہم بھومی مندر کی خاطر اقتدار اور کسی کولات مار دی۔ اس طرح ہندو ووٹ
اسے ملیں گے۔ جتنا دل لیڈروں کا خیال ہے کہ اس طرح کانگریس دونوں طرف سے
ماری جائے گی۔ جب جتنا دل لیڈروں سے سوال کیا جائے کہ الیکشن کے بعد کیا ہوگا۔
کیونکہ جتنا دل کچھ بھی کرے اسے اپنے آپ میں تو اکثریت مل نہیں سکتی۔ تو ان کا ماننا
یہ ہے کہ الیکشن کے بعد دوبارہ بی، جے، پی سے سمجھوتہ ہو سکتا ہے اور ان کی ملک
حکومت بن سکتی ہے جس طرح پچھلے الیکشن سے پہلے وی، پی سنگھ نے بی، جے، پی
کے خلاف موقف اختیار کیا تھا اور اس کے اسٹیج تک پر سے بولنے سے انکار کر دیا
تھا اور کہا تھا کہ بی، جے، پی فرقہ پرست پارٹی ہے اس کی مدد سے حکومت بنانا

مدھیہ پردیش کے مسلمان

مطبوعہ: ۲۴ اگست ۱۹۹۰ء

مدھیہ پردیش میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا اصل چہرہ اب مکمل کر سٹمنے آگیا ہے اور اس نے تین جو خوش فہمیاں تبیں وہ بھی دور ہو گئی ہیں، پارٹی کے صدر لال کرشن اڈوانی نے مندر لال ٹھاکر ریاست کا وزیر اعلیٰ بناتے وقت کہا تھا کہ ہم مدھیہ پردیش کو ایک مثالی ریاست بنائیں گے۔ اور اسی کے ذریعہ دلی پر حکومت کرنے کی راہ ہوار کریں گے۔ لیکن گزشتہ دنوں کے واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس نام نہاد مثالی ریاست کی تشکیل کے لیے شاید اقلیتوں کو خوفزدہ کرنا ہی ہے۔ پی کی حکومت عملی ایک ہم جنس ہے۔ یہی وجہ کہ آج مدھیہ پردیش میں مسلم اور دیگر اقلیتوں کو مختلف طریقوں سے خوفزدہ کیا جا رہا ہے۔

مسلمانوں پر سب سے زبردست وار اس وقت کیا گیا جب ۱۳-۱۴ اضلاع میں نا بائز قبضہ ہٹانے کے نام پر بہت سے مکانات کو مسمار کر دیا گیا۔ مدھیہ پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ ارجن سنگھ کا کہنا ہے کہ اس میں زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا ہے اگرچہ ریاست بل کانی عرصہ سے کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا ہے لیکن حالات اتنے دھماکہ خیز ہیں کہ کسی بھی وقت فساد ہو سکتے ہیں۔ حکومت اور انتظامیہ کے دھکی آمیز رویے سے یہاں کی فضا اب بھی وقت خراب ہو سکتی ہے۔ سرکار کے جانبدارانہ رویہ سے اقلیتوں میں زبردستی نفرت دھراس اور بے چینی پائی جاتی ہے۔

چند دنوں قبل قبرستان کی زمین پر ایک تنازعہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی

کا رہ نامہ قرار دے سہے ہیں وہ مسلمانوں کو بھلانے کی اور اپنی لیڈری پرکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ جنتا دل سے قربت کا دعویٰ رکھنے والا ہر مسلم لیڈر خود اپنی پیٹھ ٹھونک رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کے کہنے پر وہی پی۔ پی۔ سنگھ نے اس چھٹی اکا اعلیٰ کیا حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو بھلانے کی ایک پچال ہے۔ عام مسلمان اب اتنا باشعور ہو گیا ہے کہ وہ باتوں سے زیادہ تناثر نہیں ہوتا

کچھ مسلم لیڈروں۔ پی۔ پی۔ سنگھ پر یہ دباؤ بھی ڈال رہے ہیں کہ وہ انھیں وزیر بنا دیں یا پارٹی میں اہم عہدے دے دیں ورنہ مسلمان انہیں ووٹ نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود امام بخاری سے بھی دباؤ ڈالا جا رہا ہے جبکہ ماضی میں خود امام بخاری ایک بار نہیں ہزار بار کہہ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو پارلیمنٹ کی سیٹیں اور وزارتیں نہیں چاہئیں اس سے عام مسلمانوں کا کوئی بھلا نہیں پر چند نام نہاد مسلم لیڈر اپنا آئسیدھا کر لیتے ہیں۔ مگر آج بھی عام مسلمانوں کے نام پر لٹا حاصل کرنے کا وہی کھیل کھیلا جا رہا ہے جو ماضی میں کھیلا جاتا رہا ہے کسی مسلمان کو وزیر بنانے یا کرسی دینے سے نہ ملک کا بھلا ہو گا نہ ملت کا لیکن مسلمانوں کے نام پر سیاست کرنے والے ان نام نہاد قائدین کا علوہ مانڈا ضرور سیدھا ہو جائے گا۔

جنتا دل کے ایکشن کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ عراق، امریکہ، کواڈ بن گیا ہے۔ آئندہ چند ماہ میں ملک میں پٹرول کی قیمت میں زبردست اضافہ ہو گا جس کے نتیجہ میں ہر چیز کے دام جو پہلے ہی آسمان کو چھو رہے ہیں بالکل بے قابو ہو جائیں گے کچھ مہینوں میں مہنگائی نے اس طرح سے عوام کی کمر توڑ دی ہے کہ ان کے لیے سرسٹا نا مشکل ہو گیا ہے۔ اور مہنگائی کی یہ مار نہ بند ہو سکتی ہے نہ مسلمان، نہ برہمن، نہ ہر جن، نہ شہری نہ کسان آج بنیوں کو، دکانداروں اور صنعت کاروں کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے جب وہی پی۔ پی۔ سنگھ راجیو کے وزیر خزانہ تھے تو ان بڑے بیوپاریوں پر خوب چھاپے مارتے تھے مگر آج جب حکومت ان کے ہاتھ میں ہے اور یہ بیوپاری لوٹ مار مچا رہے ہیں تو ان کے خلاف رتی برابر کارروائی نہیں ہو رہی بہر حال یہ مہنگائی اس سرکار کو بہت مہنگی پڑے گی۔

لیکن پٹوا کا مینہ کے ایک سینئر رکن مسٹر شنیلہ سہائے نے ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ہماری سرکار اپنی پالیسی کے تحت کسی بھی اقلیت کی چالوپی کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اور نہ ہی کسی کو غیر ضروری تحفظ دیا جائیگا۔ سرکار نے جو پال کے قریب راکسین کے مقام پر پیدا ہونے والے ایک تنازعہ میں بھی غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے وہی وجہ ہے کہ وہ بھی طبقوں میں مقبول ہے۔ لیکن اس جھوٹی تسلی کے باوجود اس بات کا توئی اندیشہ ہے کہ مدھیہ پردیش میں بی جے پی سرکار کے رہتے ہوئے فرقہ وارانہ فساد کا مظاہرہ موجود ہے کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ سرکار اور انتظامیہ یہاں جانب داری سے کھلم ے رہی ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ بی جے پی سرکار وقت سے پہلے ہوشیار ہو جائے کیونکہ بھول کے پڑ پڑ سبھی بھی آم کا پھل نہیں آسکتا۔ بی۔ جے۔ پی سے اقلیتوں کو انصاف کی امید فصول ہے۔ آج مدھیہ پردیش میں یہ حال ہے کل خدا نہ کرے یہ دہلی میں اقتدار میں آگئے تو پھر اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کو تیسرے درجہ سے بھی بدتر شہری بنا دیں گے۔ آج جتنا دل کے لیدر دی۔ پی سگھ ایک طرف مسلمانوں کو لالی پاپ پکڑا رہے ہیں دوسری طرف بی جے۔ پی کو اقتدار میں لانے کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ یہ بہت خطرناک کھیل ہے۔

(نئی دہلی۔ دہلی)

مسلمانوں کو یہ احساس تھا کہ انتظامیہ اس کو موثر تحفظ نہیں دے سکے گی۔ ریاستی سرکار کی فرقہ وارانہ پالیسی کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ جے بھان سنگھ بیٹو مانا می ایک بڑی ملازم کو بحال کر دیا گیا جس کو کانگریس سرکار نے دشمنہ رویہ سے تعلق رکھنے کی بنا پر برخاست کر دیا تھا لیکن آج اس شخص کے حوصلے اتنے بلند ہیں کہ اس نے گوالیار میں قبرستان کی زمین پر نہ صرف کیسریا جھنڈہ لہا دیا بلکہ گھر گون میں اشتعال انگیز تقریر کرتے ہوئے لوگوں کے کلکڑ کو دھکی بھی دی کہ اگر اس نے تنازعہ عمارت کو منہدم نہ کر لیا تو اس کا تباہ کر دیا جائے گا اتنا ہی نہیں بلکہ خود وزیر اعلیٰ بھی جگہ جگہ اشتعال انگیز تقریر کر کے فرقہ پرستی کا زہر پھیلا رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک تقریر کے دوران انہوں نے عیسائی مشنریوں کو غدار بتاتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ سماجی کاموں کے مقابلہ مذہب تبدیل کرنے میں زیادہ دلچسپی اور سرگرمی دکھا رہے ہیں۔

اندور میں بھی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بامی مسجد۔ رام جنم بھومی تنازعہ کسی مندر یا مسجد کا جھگڑا نہیں ہے بلکہ یہ ہندو قوم کے وقار کا سوال ہے۔ ایک غیر ملکی حملہ آور تھا وہ ہندوستانی مسلمانوں کے اجداد میں سے نہیں تھا۔ ان جذبات کا اظہار انہوں نے اس وقت کیا جب فلم اداکارہ شبا نہ اعظمی نے کہا کہ اس وقت ایسا ماحول بنا دیا گیا ہے کہ وہ بھی بحیثیت مسلمان غیر محفوظ محسوس کرنے لگی ہیں۔

جو پال کے آزاد ایم۔ ایل۔ اے مسٹر عارف عقیل کا کہنا ہے کہ وزیر اعلیٰ پٹوا چاہے اس بات سے کہتا ہی انکار کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ غیر قانونی قبضہ چھڑانے کے نام پر سرکار نے جو ہم چلائی اس کا نشانہ جان بوجھ کر مسلمانوں کو بنایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے متاثرہ بچے والوں میں ستر فی صدی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ ان میں وہ بے گھر پریشان حال اور نادار مسلمان بھی شامل ہیں جو جو پال گیس سانحہ سے بڑی طرح متاثر ہوئے تھے اس صورت حال کا سب سے سنگین پہلو یہ ہے کہ لوگ شہابی بھی کھل کر اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں کیونکہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ سرکار بھی اس کی ہی زبان بول رہی ہے اس لیے کوئی ان سے باز پرس بھی نہیں کرے گا۔

مراد آباد نو حہ کنال ہے

مطبوعہ: ۲۴ اگست ۱۹۹۰ء

۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف فسادات کے تین ملزموں کو بڑا سا روٹنہر کی خصوصی عدالت نے عمر قید کی سزا دے دی ہے۔ مگر ۱۹۸۰ء میں مراد آباد کی عید گاہ میں شہید کئے جانے والے سینکڑوں ہزاروں معصوموں کے لاشے ابھی تک بے گور و کفن پڑے ہیں۔ ان معصوموں کے قاتلوں کو سزا دینا تو کجا، آج تک ان کے مزاروں کی نشاندہی تک نہیں کی گئی ہے۔

دس سال پہلے وی پی سنگھ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ تھے اور آج وہ ملک کے وزیر اعظم ہیں۔ دس سال پہلے مراد آباد کے ساتھ پڑوہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کو تیار ہو گئے تھے مگر آج ان کی بے حی کایہ عالم ہے کہ انہیں یاد بھی نہیں کہ کبھی مراد آباد میں کوئی انسانیت سوز حادثہ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ وی پی سنگھ کی قیادت میں

جب جنتا دل وجود میں آیا تو ہم ایسے کروڑوں مظلوموں نے اس کی تائید و حمایت کو اپنی جان پر ایک فرض تصور کیا۔ کمزور اور ناتواں ہاتھ اٹھے اور انہوں نے پل بہر میں سابقہ حکومت کا تخت الٹ کر بھیک دیا۔ ناواحب فرضوں کو ادا کیا۔ محض اس امید کے سہارے کہ ہمیں انصاف مل جائے گا۔ مگر انصاف آج بھی ہم سے اتنا ہی دور ہے جتنا کہ دس سال پہلے تھا۔ مراد آباد سے حاجی غلام محمد اور ڈاکٹر شمیم کو اپنے نمائندوں کے طور پر پارلیمنٹ اور اسمبلی میں پہنچانا اہل مراد آباد پر کوئی فرض نہیں تھا مگر انصاف کی ایک موموم امید کے سہارے جنتا دل کے امیدواروں کے روپ میں ان کو ایوانوں کی رکنیت دلائی گئی۔

مگر افسوس ہنوز روز اول ہے۔ جن لوگوں کو پہلے ہر سال ۱۳ اگست کی یاد بہت تڑپاتی تھی اور جو ہر سال اس موقع پر کم از کم ایک اخباری بیان ہی جاری کر دیا کرتے تھے ان کو اب شہیدوں کی بوسیدہ ہڈیوں سے اتنا بھی پیار نہیں رہ گیا ہے کہ وہ صرف ایک بیان ہی جاری کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ ۱۹۸۰ء میں مردانچے بوڑھے اور جوان یوں ہی نہیں مر گئے تھے، ان پر باقاعدہ گولی چلائی گئی تھی ہزاروں افراد کے مجمع کو باقاعدہ پولیس سگنیوں سے روند کر رکھ دیا گیا تھا یہ واقعہ تھا جس نے جنگیز اور ہلاکتوں کی روحوں کو شرمسار کر رکھ دیا تھا جو لوگ اپنے رب کے حضور اپنی نیکیوں کا اجزہ اور اپنے روزوں کا ثواب طلب کرنے کے لیے عید گاہ کے میدان میں سر بہ سجود تھے، ان کو غنڈہ، بد معاش قرار دے کر ان کے سینوں کو پھینک کر دیا گیا تھا اور یہ وہ ظلم تھا جس کی آج تک نہ کوئی داد ہے نہ فریاد مانے بدل گئے۔ کانگریس کا دور ختم ہوا۔ وی پی سنگھ ملک کے سب سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گئے مگر وہ لہو جو ۱۳ اگست کو مراد آباد کی عید گاہ میں بہا گیا اس کی قسمت ابھی تک نہیں بدل۔ کیا ہوا اس انکوائری کمیشن کا جس کو خود وی پی سنگھ نے بنایا تھا اس کی رپورٹ آج تک حکومت کے سرخانے میں پڑی ہے، ہر سال اس رپورٹ کی فائل پر دھول کی نہیں بلکہ مظلوموں کے لہو کی تہیں مزید گہری ہوتی جاتی ہیں اور افسوس اسی کو فرصت نہیں کہ جسٹس سکسینہ کی وی ہونی رپورٹ کو نکال کر اس پر عمل درآمد کرائے؟ ۱۹۸۴ء کے فسادات کے ملزموں کو سزا میں دی جاسکتی ہیں مگر ۱۹۸۰ء کی قیادت منزلی کے تمام خود بخود بھڑیئے آج بھی کھلے عام گھوم رہے ہیں۔ وہ سرکاری ملازم جن نے ہندو عید گاہ مراد آباد کے لہو میں لتھڑے ہوئے ہیں، جن کے دامنوں پر آج بھی مظلوموں کے خون کے دھبے چمک رہے ہیں بڑی فرعونیت کے ساتھ اونچی اونچی کر سہول رہے ہیں، ان کے عہدوں میں اضافہ ہو چکا ہے۔ ان کی دولت، حشمت اور جام و روت روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے۔۔۔۔۔ اور دوسری طرف آج تک کسی نے بے گور و مظلوموں کے بے نام مزاروں پر

میرٹھ اور ملیانہ کی چٹائیں

مطبوعہ : ۶ جون ۱۹۸۷ء

ملیانہ گاؤں جہاں پی اے سی کی ایک کمپنی نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے لاشوں کو گڑا اور ہنڈیوں میں بہا دیا تھا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ملیانہ کے ۱۱۷ افراد لاپتہ ہیں۔ بہر حال نہتے افراد پر غیر قانونی فائرنگ کا حکم دینے والے پی اے سی کے کمانڈنٹ تریپاٹھی کو ریاستی وزیر داخلہ کے بیان کے مطابق معطل کر دیا ہے لیکن کیا دکھاوے کے اس ایک اقدام سے مظلوموں کے آئینہ خشک ہو جائیں گے؟ ماٹیم پورہ شاستری جگمہ، اسلام آباد۔ ذاکر نگر ملیاں اور ملیانہ میں شاید ہی حال کسی کے دماغ میں آیا ہو گا کیونکہ فساد زدہ لوگوں کے دل و دماغ ابھی قابو نہیں آئے ہیں بلکہ یہ کتنا زیادہ صبح ہو گا کہ لوگ ہنوز مضبوط الحواس ہیں۔ جیسا کہ ملیاں عودہ یگم نے بلا کر کو بتایا کہ ابھی اسی بات کی فکر ہے کہ کس طرح دل و دماغ پر قابو آئے۔

ملیانہ گاؤں میں جس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، خون کی پیاسی پی اے سی اہل کے ہاتھوں قتل عام کے نتیجے میں پی اے سی کی اس کمپنی کے کمانڈنٹ تریپاٹھی لکھا گیا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ تنہا ہی مجرم ہے؟ اور کیا یہ قتل عام ملیانہ تک محدود تھا؟ ان بے قصوروں کے متعلق کیا جو ماٹیم پورہ میں پولیس کی لے سے بیڑ بھریوں کی طرح ہلاک ہو گئے؟ انسانی خون کی گنگا بہانے کی اس جھانک

یک نہیں بہا یا کیا یہی تقدیر ہے؟ کیا یہی انصاف ہے؟۔ آج وی پی سنگھ کا گریبان ہمارے کمزور و ناتواں ہاتھوں سے بہت دور ہے کیونکہ ان کا تخت بہت اونچا ہے، اس کے پائے بہت مضبوط ہیں مگر ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا تخت کتنا بھی اونچا کیوں نہ ہو ان معصوموں اور بے گناہ بچوں کی دلخراش آہوں سے کچھ دور نہیں جو ان کے لبوں سے عید گاہ کے میدان میں اڑیں یاں رگڑ رگڑ کر کہان دیتے وقت نکلی تھیں۔ یہ آہیں اندرا گاندھی کو کھا گئیں۔ سنے گاندھی کو کھل گئیں اور راجیو گاندھی کو انہوں نے بے اقتدار کر دیا پھر وی پی سنگھ کا تخت تو بے کیا چیز!۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب جب مکرانوں نے مظلوموں کے بہتے ہوئے لہو کی جانب سے آنکھیں پھریں ہیں، تب تب مکرانوں نے زوال کی طرف قدم بڑھائے ہیں، چنگیز ملا کو اور شہلہ جیسے طاقتور حکمران صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ آج کل کے حکمرانوں کی تو بات ہی کیا!

آج ۱۳ اگست ۱۹۹۰ء ہے آج اس حادثہ فاجعہ کو دس سال پورے ہو گئے آج کے دن ہم اپنے شہیدوں کو یاد کرتے ہیں، ہمارا دل آج خون کے آئینہ رہے قطرہ قطرہ لہو جو ہر سال آج کے دن ہماری آنکھوں سے ٹپکتا تھا آج وہ صورت سیلاب رواں ہے، ہاں ہم اپنے معصوم شہیدوں کو بھولے نہیں ہیں یہی ان کی قبروں کا پتہ نشان معلوم نہیں ہے، مگر ہم ان کی بے نام قبروں پر اپنے انکسوں کے چراغوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں!

اے خداوند!۔ انو جبا و قہار ہے، تو منتقم حقیقی ہے، ہم آج کے دن تیرے حضور سر بسجود ہو کر دعا کرتے ہیں کہ ہمارے معصوموں کے قاتلوں کو ذلت کی موت دے، انہیں خاک اور خون میں لٹا دے ان کی باقیات کو بے نشان کر دے۔ تاکہ آئندہ پھر کبھی کسی ظالم و جابر کو کسی بے سہارا کے سائنڈ الیا ظلم کرنے کی ہمت نہ ہو۔

زمینی پوینا۔ دہلی

ان پر بلا امتیاز گولیاں داغ دیں۔ اس مہیب حقیقت کی شہادت اس فوجی دستے نے بھی دی ہے جو گاؤں کے پاس ہی تعینات کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ملاکتوں کی تعداد جو سرکاری طور پر اور غیر سرکاری طور پر نظام کی گئی ہے اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

سب سے تلخ اور روئے کھڑے کرنے والی حقیقت یہ ہے کہ شہادتوں اور ثبوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ پی اے سی کے وحشیوں نے لاشوں کو ٹرک میں لاد کر ہندو نندی میں جا پھینکا یہ نندی مغربی یوپی کے اہم شہروں سے ہو کر گذرتی ہے لہذا غازی آباد میں پولیس نے ان لاشوں کو اپنے قبضے میں کیا ہے۔ سرکاری طور پر لاشوں کی تعداد ۱۸ تھی جب کہ غیر سرکاری طور پر تعداد ۵۰ ہے۔ ڈی جی بھٹا نے مرکزی محکمہ خفیہ کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ تحقیقات کرے کہ آیا ان لاشوں پر چاقوؤں کے گھاؤ ہیں یا کیوں سے انہیں چھلنی کیا گیا ہے۔ تمام لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کی گئی ہیں۔

ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پی اے سی کے مظالم کا شکار ہونے والوں کے حساس رموسات مبالغہ پر مبنی ہو سکتے ہیں تاہم ثبوت اور شہادتیں حقائق کو ثابت کریں گی۔ ۱۹۸۱ء میں مراد آباد کے فسادات کے بعد سے پی اے سی کے خلاف آوازیں بلند کی گئی مگر اسے ختم کرنے کا مطالبہ کیا جانے لگا ہے۔

پی اے سی کی فرقہ پرستی کا اولین ثبوت تو یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کو برائے نام لگایا گیا ہے۔ اسے ایک ٹاسک فورس کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا اور بنیادی طور پر ان کے ذمہ گمراہی بھانسنے کا کام تھا لیکن اس نے خون کی ہولی کھیلنے کا جو کردار نبھایا ہے اس انقلابی فرقہ اس سے برسی طرح بدظن ہے۔

نزلہ اگر صرف پی اے سی پر اتارا جائے تو نام نہاد قانون کی محافظ دوسری جھینڈوں کا نقل عام میں جو کردار نبھایا ہے اس پر پردہ پڑا رہے گا۔ ضلع انتظامیہ نے بھی رائے دیاننداری کے ساتھ نہیں نبھائے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اپریل میں شبہات خفیہ پر نسبتاً چھوٹے پیمانے پر جو فساد ہوا تھا۔ اس بنا پر انتظامیہ کو چونکا اور چوکس پایا ہے تھا لیکن اس کے باوجود سرکاری سراغ رساں ایسی ہی امن حالات کا پتہ نہیں

سازش میں انتظامیہ کے خون سے رنگے ملا تھے۔ اور سیاست دانوں کی ملی بھگت کے مترادف کیا کیا جا رہا ہے کوئی بتا سکتا ہے؟ ہمارے عدالتی تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ان بنیادی سوالوں کو ذہن نشین کرتے ہوئے تحقیقات نہیں کی جائیں گی۔ جیسا کہ ایسے حالات میں تحقیقات کا عام طریقہ ہے تحقیقات ملیا ملا کے سامنے نہ رکھے ہوگی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ آیا کوئی زیادتی کی گئی تھی یا نہیں۔ پی اے سی کے کاہنوں کو تحقیقات کے خاتمے تک معطل کیا گیا ہے۔ فسادات کی ذمہ داری کس کس کے سرمائدہ ہوتی ہے یہ معلوم کرنے کے لیے غالباً ایک اور تحقیقات کرائی جائیں گی۔

ملیا نائیں جو کچھ ہمارے ریکارڈ کر لیا جانا چاہیے کسی اور مقصد سے نہیں تو کم از کم یہ مقصد ہے کہ پولیس کے وحشی پن کا ثبوت رہے۔

اتوار ۱۳ مئی ۱۹۸۱ء کی دوپہر ڈھائی بجے ملیا نائیں جو شہر سے بڑھو میٹر پر واقع ہے چند مقامی غنڈوں پر مشتمل ایک ٹولی نے گاؤں کے ایک شراب خانے کو لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ عینی شاہدین کے مطابق پی اے سی کی ایک کمپنی شراب خانے سے ہتھیار گزرتی تھی۔ غنڈوں کی حرکت دیکھ کر پی اے سی والے بھی حرکت میں آ گئے اور خود بھی لٹ مار میں شریک ہو گئے۔ ان کی شراب کی پیاس تو بجھ گئی مگر خون کی پیاس بھڑک اٹھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس پر ہر شریف النفس ہندوستانی کا سر شرم سے جھک جائے گا۔ آئیے ہمارے آقا کیا کہتے ہیں۔ یہ بھی سننے چلیں۔ سرکاری بیان کے مطابق قومی پرل کی جانب سے کافی دباؤ ڈالے جانے کے بعد حکم جاری کیا گیا تھا۔ علاقے کے باشندوں نے اشتعال دلا ہوا آئینہ اشتعال کیا تھا کسی کو نہیں معلوم۔ ایک مقامی روزنامے کے مطابق گھروں کی چھتوں سے پولیس پر فائرنگ کی گئی تھی۔ ایک اور بیان کے مطابق پی اے سی کے ایک ٹرک پر پتھر اڑائے جانے کے بعد فائرنگ کا حکم دیا گیا تھا۔

بیانات کا یہ اختلاف تو ملاحظہ کر لیا اور اب یہ بھی متاثرہ کچھ کہ اس سلسلے میں کوئی تفساد نہیں ہے کہ پی اے سی کے ذمہ سے اپنے خونی مشغلے میں کھلے عام عجب گئے تھے۔ انہوں نے گھروں میں گھس کر لوگوں کو مارا مریا اور انہیں قتل کر کے

۲۰۱۱ء تک میرٹھ میں ہوئے آٹھ فرقہ وارانہ فسادات کے لیے قصور وار کوئلہ ہے نفرت کی بنیادوں پر اتحاد کاراگ اللہ اپنے دلے سیاستدان یا مذہبی انتہا پسند؟

آزادی کے بعد ۱۹۴۹ء ۱۹۶۲ء ۱۹۶۸ء ۱۹۷۳ء ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۷ء میں میرٹھ میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے لیکن اس سال ۱۹۸۷ء میں اب تک دو مرتبہ ہونے والے فسادات نے اپنا جو بھیانک روپ پیش کیا ہے اس کی پیٹ میں نہ صرف سینکڑوں بے گناہ لوگ موت کی گہری نیند سو گئے بلکہ ان فسادات نے شہر کی اقتصادی حالت کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

گوکہ کنواں پرسوٹ مارکیٹ اور سیام نگر پوکھری روڈ پر ہڈی لوم چھانڈے ہار خالوں میں بڑے پیمانہ پر لوٹ مار اور آتش زنی اور ڈاکوئی ہاپٹر روڈ پر ٹرکوں ہوں دیپٹرول سپوں کو آگ لگانے اور زیدی فارم۔ شاستری نگر۔ سبھاش نگر اور سلام آباد وغیرہ مقامات پر پھرے بازی گولی چلانے اور لوگوں کو زندہ جلانے کی وحشت مک وارداتوں کے بعد مختلف گلی محلوں میں لوٹ مار اور آتش زنی کے واقعات شروع ہو گئے مگر ملیا نا میں جو کچھ ہوا وہ ان تمام واقعات سے کم خوفناک نہیں تھا۔

نواحی قصبہ ملیا نا میں ۲۳ مئی کو جو وحشیانہ حملہ ہوا۔ اس نے تمام ملک میں ہیجان اکر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں پی اے سی نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا اور فساد یوں نے دو خاندانوں کے کئی لوگوں کو زندہ آگ میں جلا کر مار ڈالا۔ ہلاک رگان میں سے بیشتر کی لاشیں بھی ٹرکوں میں سے جا کر نہروں میں بہا دی گئیں اور کئی نہیں وہاں کوئیں میں سڑتی رہیں۔ سرکاری طور پر ملیا نا میں ہلاک شدگان کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں بتائی جا رہی ہے۔ مگر وہاں کے مسلم طبقہ کا کہنا ہے کہ یہ تعداد ایک سو کم نہیں ہے۔

بلٹرم کا یہ نائنہ سفید داڑھی والے ایک معزز بزرگ حاجی اللہ بخش کے مکان

پہنچا۔ فساد کو ذکر کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے ہنسنے ہوئے آنسو ان کے درد و غم ظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس بستی میں سب ہی فرقہ کے لوگ بھائی بھائی کی

لگا سکی جن میں حساس علاقوں میں غیر قانونی طور پر اسلحہ جمع کیا جا رہا تھا اور سب سے بڑا تہیہ کہ مسلمانوں کی عام گرفتاری کے لیے "سحری" کا وقت منتخب کیا گیا جس کے سبب ان حرکت کے خلاف فوری رد عمل پھوٹ پڑا۔

"سحری" پر گرفتاریوں کے سلسلے میں جو رد عمل ظاہر ہوا تھا وہی پورے فساد کی بنیاد ثابت ہوا۔ املیان کی مسجد سے جو اشتعال انگیز اعلان کیا گیا تھا وہ مبینہ طور پر گرفتاریوں سے پہلے شروع ہوا تھا حالانکہ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد یہ اعلان کیا گیا تھا۔ ۱۸ مئی کی صبح تک اس خونیں ناہک کے لیے آئیج تیار ہو چکا تھا۔ شعلہ انتظامیہ فسادات کی ہولناکی کو کم کر کے ظاہر کرنے کی حکمت عملی اپنائی تھی مگر سرکاری طور پر ہلاکتوں کی تعداد کو جو سوسے بھی کم ظاہر کی گئی ہے کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔

وزیر اعلیٰ دیر بہادر سنگھ کا رول فساد میں کچھ قابل ستائش نہیں ہے۔ اپریل ۱۹ شب برات کے موقع پر میرٹھ میں جو فساد ہوا تھا اس سلسلے میں اردو بلٹرنے انہیں خوب تاڑا تھا۔ اس بار ان کے مخالفین نے بھی ان کی زبردست مذمت کی ہے کہ انہوں نے میرٹھ میں ایک ہفتہ قیام کرنے کے باوجود کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا ہے ایک سیاستدان نے تو یہاں تک کہہا ہے کہ وزیر بہادر تو میرٹھ میں تھے مگر ان کا ذہن کہیں اور تھا وہ اس فکر میں تھے کہ وی پی سنگھ جو لوپی کی سیاست میں در آئے ہیں انہیں کس طرح روکا جائے۔

مختلف فرقوں کے کٹر مذہب پرست رہنما جو ایک عرصے سے فرقہ پرستی کا نہر اگل رہے تھے۔ خوشخوار پی اے سی، شعلہ، نظامیہ اور سیاسی رہنما وغیرہ بھی کے ہاتھ اس ہولناک فسادات میں خون سے رنگے ہوئے ہیں ان سبھی نے فسادات میں اپنا اپنا گھناؤنا کردار نبھایا ہے شاید اس فساد کی جڑ باری مسجد رام جنم بھیجی کا تنازعہ ہے اگر ہمیں ریاست کے دوسرے حساس شہروں کو خون کی مہولی سے بچانا ہے تو اس مسئلے کو جلد حل کرنا ہو گا۔

حصول آزادی سے پہلے کہا جاتا تھا کہ غیر ملکی مکران ہندو مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ہندوستان پر حکومت کرتا ہے۔ مگر آزادی حاصل کرنے کے بعد

ہند کی مگر چیف منسٹر ویر بہادر سنگھ اور ضلع حکام نے انہیں واپس جانے کی اجازت نہیں دی۔

۲۰ مئی کو مجتبیٰ العلماء ہند کے صدر سید اسعد منی اور جنرل سیکرٹری اسرار الحق علی میں وزیر داخلہ کوٹا سنگھ سے مل کر میرٹھ کے حالات کا جائزہ لینے آئے مگر انہیں بھی فساد زدہ علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

۲۸ مئی کو عید الفطر پڑنے کے بعد پر دگڑام کے تحت مسلمانوں کو عید گاہ میں نماز ادا انہیں کرنے دی گئی عید کی وجہ سے پورے شہر میں سویرے چار گھنٹوں کے لیے کرفیو لگایا گیا۔ اس روز اور اگلے دن دو ہزار سے زائد لوگ حالات سے گھبرا کر دہلی کے شہروں کو ہجرت کر گئے۔ ان میں بہت سے ایسے غریب لوگ شامل ہیں جو دیوار تک روزی روٹی کی نایابی کے سبب فاقہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

۳۰ مئی کو وزیر اعظم راجیو گاندھی اپنی بیٹی سونیا گاندھی، مرکزی وزیر نریندر تیواری، محسنہ قدوائی اور سائبر دیش کے وزیر داخلہ ویر بہادر سنگھ کے ہمراہ حالات کا جائزہ لینے میرٹھ آئے۔

بہر حال اس مرتبہ کے فساد نے دونوں فرقوں کے لوگوں کے دلوں میں کچھ ایسے پیدا کر دیئے ہیں جنہیں بھڑا کوئی آسان کا نہیں ہے۔ ان دونوں کو بھرنے کے لیے ان فرقوں کے اُن عناصر کو سنبھالنا ہو گا جنہوں نے فساد کی شروعات کی اور بلا وجہ لاکھوں کو بھڑکا کر پورے شہر کو جہنم بنا دیا۔

(بلٹن - بمبئی)

طرح کرتے تھے۔ اس مرتبہ یہاں فرقہ پرستی کا نہ جانے کون سا منحوس سایہ پڑا ہے کہ جس نے پہلی مرتبہ اس سستی کو دیران کر دیا، بجائی جیسے رشتوں میں صلح پیدا کر دی اور سارے قصبہ کو کرفیو اور فوج کے سایہ میں سانس لینا پڑا۔

حاجی صاحب نے بڑے صاف الفاظ میں جہاں پولیس اور پی اے سی کے نظام کا ذکر کیا وہاں اس بات کو بھی واضح کیا کہ مسجد میں جو لوگ تھے اُن پر کسی نے گولہ چلائی اور مسجد میں کوئی شخص مارا گیا۔

کوتھیاں ۲۳ مئی کے حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے انہوں نے بتایا کہ محمود اور ستار کے مکانوں میں آگ لگا کر لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا اور ایک پیش امام کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

حاجی صاحب کے مکان پر موجود بہت سے لوگوں نے بتایا کہ صرف پی اے سی نے ہی ظلم نہیں ڈھائے بلکہ بریجنوں نے بھی کوئی گستاخ نہیں چھوڑی۔

ماہر بشر احمد نے مظالم کی طویل داستان بیان کرتے ہوئے کہا کہ فسادیلوں نے ۲۱ مئی کو ہی شرارتیں شروع کر دی تھیں۔ پولیس بھی فسادیلوں سے ملی ہوئی تھی اس نے ہماری کچھ نہیں سنی۔

بلٹن کا یہ نامندہ جب ملیا نا کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے سب ہی فرقہ کے لوگوں سے بات چیت کر رہا تھا تب راجیو سبھا کے ممبر شانتی تیباگی، مہراں اسمبلی، سردار اجیت سنگھ سیٹھی، جے نرائن شرما راجندر شرما اور نانک چند آ زاد حقیقت کا پتہ لگانے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہوں نے کہا کہ میرٹھ میں لوٹ مار - آتش زنی اور قتل کے جو درد ناک واقعات ہوئے ہیں ان سے میرٹھ ترقی کی راہ سے کوسوں دور ہو گیا ہے عوام کے دلوں میں جو دوریاں پیدا ہو گئی ہیں وہ عرصہ تک پر نہیں ہو سکیں گی۔

۲۵ مئی کو انڈین لیژن کے کچھ ممبران پارلیمنٹ، مہوڈنڈوٹے۔ پی اے پیڈرانی ریشن رشید مسعود - چٹا بسو - این۔ اے بلرام اور لیڈی اسمبلی میں حزب مخالف کے لیڈر ستیہ پال سنگھ یادو شامل تھے، میرٹھ آئے۔ انہوں نے ملیا نا کے حالات کا جائزہ لینے

رکھتی، کسوڑتی بن گیا۔ اسکوڑ ہوڑ سائیکل سے لے کر ماروتی جمیوں، کاروں اور
بڑے گاڑیوں کے مالک وہ لوگ بھی ہو گئے ہیں جو کل تک اسکول کی فیس تک ادا نہیں
کرتے تھے یا اخبارات یا رڈی کاغذات فروخت کر کے اپنا جیب خرچ نکالتے تھے
اس سے بعضوں نے تو دہلی میں بھی اپنے قریبی رشتہ داروں کے نام سے جامدایں خرید
لیں۔ گوہاٹی میں تو اکثر منٹر اور ایم۔ ایل۔ اے دکن پر نشید کے، نے جامدایں خرید کر گے
ان مکانات بن لیے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ گن پر نشید سرکار کے منسٹر اور ایم۔ ایل۔ اے کی بیویوں
اور خواتین کے ناجائز استعمال اور وہلی گوہاٹی میں جامدایں خریدنے کی خبریں ابھی آسام
کے اخبارات یا آسام سے نکلنے والے انگریزی، ہندی اخبارات کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ہر
ایسی خبریں مضبوط دلائل کے ساتھ جلی سرخیوں سے شائع ہوتی رہتی ہیں اور عوام
تو بہت ممکن ہے اور موجودہ عوامی رجحان یہی عندیہ دیتا ہے کہ اس جانبدار، بیوقوفان
اور بد اخلاق سرکار کی پارٹی گن پر نشید کو آسام کے ستم خوردہ عوام بھر دوبارہ اقتدار کی
کرسی پر براجمان ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسی
فضاپیدا کی جائے جس میں عوام بے خوف و خطر اور بغیر روک تھام کے اپنی مرضی کے مطابق
ووٹ دے سکیں۔ اور آزادی کے ساتھ اظہار رائے کرنے کا ان کو موقع ملے۔

بکر دار، بد اخلاق، نوجوانوں کی اس سرکار نے گزشتہ پانچ سال میں اتنی غلطیاں
کی ہیں کہ آزادی کے گزشتہ چالیس سال میں بھی کسی حکومت نے اتنی بدعنوانیاں نہیں
کی ہیں۔ اس گن پر نشید سرکار نے آسام کے غریب، مفلوک الحال، مصیبت زدہ عوام کے
لیے کچھ بھی نہیں کیا اگر کچھ کیا ہے تو صرف اپنے لیے کیا ہے عوام کی فلاح و بہبود اور
اقتصادی اصلاح، ترقی کے لیے خرچ کرنے کے بجائے گزشتہ پانچ سال تک غلط
بہانے سے سرکاری خزانہ کو اپنی ہی جیب میں منتقل کرنے کی گن پر نشید سرکار کے ہر شخص
نے انتہائی بے شرمی اور دریدہ دہنی سے کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی حالت
بدستہ بدتر اور ان کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی گئی۔ آج آسام گن پر نشید کا منسٹر
بدرستہ بدتر اور ان کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی گئی۔ آج آسام گن پر نشید کا منسٹر

آسام میں مسلمانوں کی حالت زار

مطبوعہ: ۱۰ اگست ۱۹۹۰ء

آسام کی گن پر نشید سرکار اپنے بچسالہ دور اقتدار کے آخری لمحات گن رہی ہے
آئندہ دسمبر میں موجودہ سرکار کی آخری رسومات ادا کر دی جائیں گی۔ دسمبر میں اس کی
لیے نیا انتخاب ہو گا یا پھر ریاست میں صدر راج لاگو کرنا پڑے گا۔ اگر نیا انتخاب ہو
تو بہت ممکن ہے اور موجودہ عوامی رجحان یہی عندیہ دیتا ہے کہ اس جانبدار، بیوقوفان
اور بد اخلاق سرکار کی پارٹی گن پر نشید کو آسام کے ستم خوردہ عوام بھر دوبارہ اقتدار کی
کرسی پر براجمان ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسی
فضاپیدا کی جائے جس میں عوام بے خوف و خطر اور بغیر روک تھام کے اپنی مرضی کے مطابق
ووٹ دے سکیں۔ اور آزادی کے ساتھ اظہار رائے کرنے کا ان کو موقع ملے۔

زیرِ غیر سے لاکھوں کی تعداد میں چندہ وصول کرنا ہندوستان کے دوسرے سے آئے ہوئے بڑے بڑے کاروباری لوگوں اور سرکاری اعلیٰ عہدہ داروں کو نا اہلی شامل ہے اور آئے دن یہ لوگ بھی کر رہے ہیں۔

اندازہ ہے کہ الفا آئندہ عام انتخابات میں بھی بہت اہم پارٹی ادا کرے گی۔ یعنی

نہ اس پیدا کر کے زبردستی اپنے لوگوں کو کامیاب کرانے میں ہر طرح کا حربہ اختیار کرے گا آزادی کے ساتھ لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا موقع بالکل نہیں دیا جائے گا۔ اس وقت جس طرح شتر بے مہار ہے اسی طرح آئندہ بھی رہے اور اس کی روک تھام نہیں لگائی گئی تو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آئندہ پارلیمنٹ کے الیکشن میں پرامن ماحول میں کوئی بھی آل انڈیا پارٹی حصہ نہیں لے گی۔ بلکہ ہر حلقہ انتخاب ہریا نڈہ کا میہم بن جانے کا خطرہ ہے۔ اس لیے ابھی مرکزی حکومت اور الیکشن کمیشن کو اس طرف خصوصی توجہ دینا ضروری ہے۔ ورنہ دقوں اور سنگینوں کے سایہ میں آسام میں الیکشن لڑنا یا قائم کرنا ہو گا جس طرح ہے، پی مذہبی جنوں پر پورے ہندوستان پر قابض ہونا چاہتی ہے اسی طرح میں الفا بھی ہندو دقوں کے بل بوتے پر آسام پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ مرکزی حکومت اس طرف خصوصی توجہ نہیں دیتی ہے تو مستقبل قریب میں آسام کے بھی پنجاب اور بننے میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں اور عوام تمام انصاف پسند حضرات کی اطلاع لیے یہاں اس حقیقت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آسام کی گن پریشد سرکار پنج سالہ دور اقتدار میں سب سے زیادہ گھلٹے میں رہے ہیں مسلمان۔ یہ بات دنیا کو معلوم ہے کہ آسام اندولن کے دوران گن پریشد والوں نے مسلمانوں دن سے ہولی کھلی تھی اور ایسا کرنے کے بعد ہی حصہ میں ان کو اپنی سرکار قائم کرنے کا موقع ملا تھا اس لیے شروع ہی سے ان کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ترقیاتی منصوبہ ہر خانہ میں مسلمانوں کو صفر کے درجہ میں رکھا جائے۔ اس لیے اگر کہا جائے کہ اس سرکار

کے لوگ جیسے بڑے، کاربی، آہوم، برمی، سنگ، رامونگ کوئچ، راج بنگٹی، ہارک وغیرہ اب تو آسام نام کی ریاست تک میں رہنا پسند نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہر فرقہ اپنے لیے الگ ریاست چاہنے لگا ہے اور اس کے لیے سب نے خربک بھی کافی نذر دلا چلا رکھی ہے۔

گن پریشد والوں کو شروع ہی میں اسکا اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی نا اہلیت اور بدعنوانیوں کی وجہ سے عوام کی حمایت وہ کھو بیٹھیں گے اور جس آسانی کے ساتھ یہ لوگ کرنا نے میں کامیاب ہو گئے تھے اس طرح آئندہ نہیں ہو پائے گا۔ بلکہ ناممکن سا ہو جائے گا۔ اس لیے ان لوگوں نے آسام اندولن کے اقتدار پر شتل ایک دہشت گرد، جنگجو مسلح قلم بھی اپنے دور اقتدار میں قائم کر لی ہے جو الفا (ULF) کے نام سے مشہور ہے۔ الفا ممبر باہر جاتا ہے اور دہشت گردی کی مکمل تربیت حاصل کرتا ہے۔ اب تو الفا کی تربیت گاہیں آسام کے اندر بھی قائم ہو گئی ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ ایسی خفیہ تربیت گاہیں گواہ کے پہاڑی علاقہ اور تیز پور میں قائم ہیں۔

الفا کو باہر سے جدید قسم کے ہتھیار ملتے ہیں۔ ناگ لینڈ منی پور وغیرہ کی دہشت گرد خفیہ تنظیموں سے ان کا گہرا رابطہ ہے۔ ساتھ ہی آسام کے ایک مخصوص فرقہ کے لوگوں نے بھی اپنا ہتھیار ان کو دینا شروع کر دیا ہے۔ کئی سو لوگ اب تک اپنی بندوقیں الفا کو دے چکے ہیں۔ یہ لوگ الفا کو اپنی بندوقیں دے کر پولیس کو اطلاع دیتے ہیں کہ الفا کے لوگوں نے زبردستی اگر ہماری بندوقیں لے لیں ہیں۔ الفا کے پاس اس وقت بے شمار دیسی اور غیر ملکی جدید اور قدیم قسم کے خطرناک ہتھیار موجود ہیں۔

الفا کا اصل مقصد آسام کو ہندوستان سے الگ کر کے ایک آزاد اور خود ریاست قائم کرنا ہے اور صرف یہ بلکہ پورے نارٹھ ایسٹ زون ہی کو ہندوستان سے الگ کر دینا انکا وسیع تر مقصد ہے۔ اسی لیے الفا نے مشرقی ہند کی مختلف ریاستوں کی خفیہ دہشت گرد تنظیموں سے مل کر ایک مشترکہ کمان اور لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ الفا کی موجودہ کارروائیوں میں دولت مند لوگوں، بڑے

مسلمانوں کی یہ خوشحالی ہمیشہ ایک مخصوص طبقہ کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتی رہتی ہے۔ اگر کسی کاروبار چوتھے عرب ممالک سے ہوتا ہے اس لیے بھی مسلمانوں کا یہ کاروباری تہذیب لوگوں کے بغض و عناد اور حسد و کینہ کا شکار بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ آئے دن ان کے یہ طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ یہ کاروبار بند ہو جائے۔

گذشتہ مورخہ ۲۹ جون کو ہوجائی کے ایک بڑے کاروباری آدمی کاٹھ کاٹھ جو ہوجائی کا ایک طالب علم ہے اپنے اسکوٹر سے گھر آ رہا تھا۔ اچانک بڑا ٹانگ پولیس نے اس کو اس کے اسکوٹر کی تلاشی لی۔ فرسٹ ایڈ جس سے کانڈ کا ایک چھوٹا سا ہنڈل نکالا اور لگا کر یہ ہیروئن ہے۔ فوراً پولیس کو بلا لیا اور اس طالب علم کو اسکوٹر گرفتار کر لیا گیا اور ہائی ڈرامائی انداز میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات میں یہ خبر شائع کر دی گئی کہ ہوجائی کا ایک کاروباری آدمی ہیروئن کی ناجائز تجارت میں پکڑا گیا۔ اس کے میاں سے جوہر وٹن لے لی گئی۔ اس کی قیمت کئی کروڑ روپیہ ہے۔ یہ سب کچھ آنا غانا ہو گیا۔ سارے لوگ اس میں پڑ گئے کہ یہ ہوا کیا۔ یہ خبر اسقدر پھیلائی گئی اور اس انداز سے پھیلائی کہ ہوجائی کا مسلم تجارتی طبقہ خطرہ میں پڑ گیا تھا اور پوری دنیا میں بدنام ہو جانے کا اندیشہ ہونے لگا تھا۔ یہ بات یہ ہے کہ جو چیز اس لڑکے کے اسکوٹر کے بکس سے لے لی گئی تھی اس کی فنی جانچ کرنے سے پہلے ہی پولیس نے برقی تفصیل سے اس خبر کو پورے آسام میں پھیلا دیا تھا۔ اس کی قیمت کا بھی اندازہ لگا لیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ گن پریشد کے بعض مقامی بھتیوں نے سازش تھی جو ان لوگوں نے پولیس سے مل کر کی تھی تاکہ ہوجائی کے کاروباری لوگوں کو اس سنگین گالے کے جال میں پھنسا کر مبرا کر دیا جائے۔ فنی تحقیق اور جانچ سے معلوم ہوا کہ یہ معمولی نمکین پاؤڈر تھا۔ جس لڑکے کو پکڑا گیا تھا اس کا نام ہلال امرتھا اور وہ بہت سنجیدہ اور مہنتی طالب علم ہے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آسام گن پریشد سرکار کا بنیادی نظریہ مسلمانان آسام سے یہ کیا ہے۔ اور اس طرح وہ مسلمانوں کو مالی اور اقتصادی میدان میں بھی اپنا مسیح بنا چاہتا ہے۔ (نئی دنیا - دہلی)

کے زمانہ میں آسام کے مسلمانوں کو چوکیدار کی نوکری بھی نہیں ملی تو شاید غلط نہیں ہو گئے تھے بھی اقتصادی ترقی کے ذرائع ہیں ان سب کی راہیں منصوبہ بند طریقہ سے مسلمانوں کے لیے بند کر دی گئی ہیں اسلی میں جب اس پر سوال کیا جاتا ہے تو بڑے معصوم انداز میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہم مذہب کی بنیاد پر کوئی کام نہیں کرتے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ مسلمان اپنے طور سے اپنی اقتصاد حالت کو سدھارنے کی جو کوشش کرتے ہیں اس میں بھی یہ لوگ دگن پریشد وارہ روڑے لگاتے رہتے ہیں۔ طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں تاکہ مسلمان اپنے کاروبار میں بھی بدنام ہو جائیں اور ان کی پیشہ وارانہ تجارت بھی ٹھپ پڑ جائے۔ حال ہی میں ایسی ہی ایک سازش پکڑ لی گئی۔ یہ سازش انتہائی خطرناک تھی اور عالمگیر تھی اگر یہ سازش پکڑی نہ جاتی تو یقیناً آسام کا کاروباری مسلم طبقہ پوری دنیا میں بدنام ہو جاتا اور ان کا سارا کاروبار برباد ہو جاتا۔

آسام میں دوسرے اور علاقوں کی طرح ہوجائی (Hojai) ایک ایسا علاقہ ہے جہاں مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں نسبتاً کافی خوشحال ہیں۔ اگر دعوتِ ہندی کی تجارت انکا مخصوص پیشہ ہے۔ اس تجارت کی وجہ سے یہ لوگ تقریباً تمام عام اسلام میں خصوصاً عرب دنیا میں بہت مشہور ہیں۔

بہنیں ان کی اس تجارت کی مرکزی منڈی ہے۔ ہوجائی کے مسلمان جس طرح مالی اعتبار سے خوشحال ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کی دولت سے بھی مالا مال کی ہے جس طرح وہ دنیا کی دولت کمانے ہیں اسی طرح اس دولت سے وہ دین کی خدمت اور قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے کام بڑے فراخ دلی سے کرتے ہیں۔ آسام میں مذہب و مکاتب دینیہ کی خدمات، مساجد کی تعمیر اور رفاہ عام کے بے شمار کام مسلمان ہوجائی کے مالی تعاون سے چل رہے ہیں۔ آسامی مصائب ہوں یا دشمنان اسلام کے مظالم ہر موقع پر مظلوم اور مصیبت زدہ انسانوں کی خدمات کے لیے ہوجائی کے مسلمان ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔

ترقی پسندی کے نام پر....

مطبوعہ: اگست ۱۹۹۰ء

سر سید کی روح اور مسلمانان ہند کے دل مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ میں احمد رشید شیروانی کا مضمون پڑھا۔ اشتیاقی بڑھا کر علی گڑھ چلوں واپس جا کر جو کچھ دیکھا، سنا اور سمجھا وہ قارئین نئی دنیا کی عدالت میں پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں کیونکہ نئی دنیا کبھی ملت کے درد کا صحیح ترجمان ہونے کا حق حاصل ہے۔

یوں تو علی گڑھ میں بھانت بھانت کے وائس چانسلر تشریف لائے مگر میں عوام کی رائے سے موازنہ محض چند کا کرنا چاہوں گا۔ محترم طیب جی ایک آئی۔ ایس۔ آفیسر تھے اور سخت ایڈمنسٹریٹر مگر عوام ان کو ملت کا بہتر دوہی خواہ مانتے ہیں عزت سے نام نیا پند کرتے ہیں۔ محترم علی محمد خسر وجوہ خالص تعلیمی میدان کے فروغ تھے۔ انہیں لوگ حاکم وقت اور امیر خیر گو کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور جمہوری قدروں کا علمبردار مانتے ہیں۔ جبکہ سید حامد صاحب اس یونیورسٹی کے طالب علم بھی رہے ہیں اور وائس چانسلر بھی۔ مگر لوگ ان کو علی گڑھ کی تہذیب کا قاتل شمار کرتے ہیں۔ جس کے ثبوت میں لوگ انہیں نئے لڑکوں کے لیے نئے ہوٹل کا قیام اور لڑکوں کو الگ ٹھکانے رکھنے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ جو کہ اپنے آپ میں بہت کچھ صداقت پر مبنی ہے کیونکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی وہ واحد ادارہ ہے جہاں جو نیشنل طالب علم اپنے سنیر سے اس روایتی تہذیب کا درس لیتا ہے جس کے لیے یہ یونیورسٹی مشہور بھی ہے۔ سید ہاشم صاحب سے پہلے یونیورسٹی کے چند شعبے ہی رشوت ستانی کے لیے مشہور تھے۔

مگر اب یہ طے کرنا دشوار نظر آتا ہے کہ رشوت کہاں نہیں پہنچی۔ وحی الرحمن صاحب کا نام سن کر لوگ منہ بسورتے ہیں جبکہ وہ اس یونیورسٹی کے پروفیسر بھی تھے۔ ان کے کارنامے نمایاں ہیں لوگ ان کے دوست رجسٹرار۔ ایس۔ ایم عثمان صاحب کی غیر قانونی تقرری اور پھر ان کے ذریعہ اپنی کتبہ پروری پر عوام کی رگہ فراغت کچھ لڑیوں بھڑکتی ہے کہ مسلمانوں کی اگر بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنا ہے تو سرکار ہر مسلمان کو ایک دن کے لیے ہی مسلم یونیورسٹی کا رجسٹرار بنادے۔ ڈپٹی رجسٹرار سلیکشن اے۔ کے قاضی صاحب کو اقربا پروری کی لوگ ایک لمبی فہرست فراہم کرتے ہیں۔ جبکہ قاضی صاحب اپنے آپ کو سلامی گروپ کا فرد مانتے ہیں۔ دوسری طرف ترقی پسند گروپ کا بھی دامن اس وقت داغدار نظر آتا ہے۔ جبکہ انشاء اللہ فاروقی صاحب پر یونیورسٹی کے ۹۵ ہزار روپیہ کا بقایا معاف کر کے ان کو ہمیشہ کے لیے بیرون ملک جانے کا انتظار کر دیا گیا بہر حال ایسا نہیں ہے کہ یہ کام کسی لاعلمی میں عمل میں آیا ہو بلکہ ترقی پسندوں کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں پر ایک گروپ تبلیغی بھی ہے جو پوری قوم کو فرشتہ بنانے کی فکر میں لگا ہوا ہے میرا مقصد کسی گروپ پر ذاتی تنقید نہیں ہے بلکہ اس تجزیہ سے عوام کے سامنے تصویر کا صحیح رخ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں ترقی پسند بھی ہیں، تبلیغی بھی ہیں، اسلام کے علمبردار بھی ہیں، کانگریسیہ بھی ہیں اور جتنا شبہ بھی مگر قوم کے درد سے ہر قلب خالی ہے مل سے عاری ہے سستی سیاسی شہرت، گروہی اقتدار ذاتی مفاد سے اوپر کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ گویا کہ حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سب سے زیادہ کسی کی مٹی اگر پلید ہے تو وہ غریب اسلام ہے اور مجبور عوام ہے۔ یہاں ترقی پسندی کا مطلب کسی غریب مسلمان کی قبر پر اپنے مستقبل کا محل تعمیر کرنا ہے۔ تبلیغ یہاں اسلام کے لیے نہیں بلکہ ذاتی پہچان کے لیے ہے۔ اسلام کا علم اس وقت اٹھایا جاتا ہے جب کسی کے ذاتی مفاد پر ضرب پڑتی ہے۔ کسی کو قوم اور ملک و ملت کی پرواہ نہیں ہے کچھ نے اسلام کو پیشہ بنا لیا ہے تو کچھ نے ترقی پسندی کو دھندہ قوم اور قوم کے بچے جتنے کل تباہ حال تھے اتنے آج بھی ہیں۔ ویسے مسلم یونیورسٹی پر مسلمانوں کی اجارہ داری سمجھی جاتی ہے

۵۔ واپس آئے ہیں۔ گرنہ کالج کا حال تو اور بھی دگرگوں ہے جس کے لیے اللہ سے دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

۵۔ داخلوں میں بلاشبہ کہیں نہ کہیں سے ثروت داخل ہوئی ہے جس کے واضح ثبوت و آثار پائے جاتے ہیں۔ خاص کر میڈیکل اور انجینئرنگ میں۔ اصل اعتراض ثروت پر نہیں ہے کیونکہ سارے ہندوستان کے مزاج سے الگ مسلم یونیورسٹی بھی نہیں ہے دکھ اس کا ہے کہ اپنی اس گھناؤنی حرکت کا الزام لوگ قوم و ملت کے ان معصوم بچوں کے سر جوہر دیتے ہیں کہ مسلمان بچوں میں صلاحیت ہی نہیں ہے اس لیے میڈیکل اور انجینئرنگ میں ان کی فیسدم ہوگئی ہے۔

۶۔ دراصل قوم کے قائدین ملت کے ہی خواہ سارس کی طرح ریت میں سرگھڑ کر رہے سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ہم کسی کو نہیں دیکھ رہے ہیں تو ہمیں بھی کوئی نہیں دیکھ رہا ہوگا برے خیال میں قوم میں اب بھی ایسے ہونہار نو نپال موجود ہیں جن کو کوہ چنگ۔ یوٹوریل دے کر ملک و ملت کے لیے باعث فخر بنایا جاسکتا ہے۔

۷۔ مسلم یونیورسٹی کا میڈیکل کالج مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک واحد ادارہ ہے قوم کے درد میں مگر چھجھ کے آنسو بہانے والے لوگوں سے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہال سے نکلا ہوا اگر ایک جوئیر ڈاکٹر ٹی۔ بی۔ کی وہ دو وجودن میں محض ایک وقت کا جاتی ہے۔ اسے اگر تین وقت کے لیے لکھتا ہے تو کسی کس کی بے لڑکے کی یا استاد ایسے نسخہ کا میں خود مشاہدہ کر چکا ہوں۔

۸۔ یونیورسٹی پیڑول پیپ منافع حکما کر غریب طلباء کی کچھ مالی مدد کر سکتا ہے اس میں کوئی سیاست نہیں ہے اور کسی کا مالی مفاد بھی نہیں ہے پھر اس طرف بیان کون دے۔

۹۔ کچھ تو کیا آئی اے۔ ایس کے لیے ادارہ کو چنگ اور گائیڈنس سنبھل بھی مگر کتنا تعمیری کام ہوا ہے کہ سید ہاشم صاحب کے دور میں آئی اے۔ ایس کا نتیجہ رٹا ہیاں ادارہ فروغ سائنس میں ہے مگر کاغذی گھوڑے کی شکل میں۔

مگر یہاں ایسا کچھ بھی تو نہیں ہے۔ جب قوم کے بچے ہی تباہ ہو گئے تو ملک کا مستقبل کیسے محفوظ رہ سکے گا۔ یہ بات نہ کوئی سمجھ پاتا ہے نہ خود سمجھ پاتا ہے۔

بہر حال اس تنہید کے بعد تصویر کا اصل رنچ پیش خدمت ہے۔

یونیورسٹی میں انتظام اور انتظامیہ نام کی چیز بھی باقی نہیں ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء کے یو۔ جی۔ سی کے ایک ہی آرڈر کے آدھے حصے کا اطلاق ان لوگوں پر تو کر دیا گیا جو انتظامیہ کے مخصوص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے آدھے حصے کا اطلاق بھی تنہا ان تمام میں جان بوجھ کر ڈال دیا گیا ہے۔ جبکہ یہ آرڈر یونیورسٹی و عوام کے مفاد میں یو۔ جی۔ سی کا ایک اچھا اقدام ہے۔ افسوس تو اس پر ہے کہ آدھے حصہ کے اطلاق کے لیے کسی بھی یونیورسٹی کی مثال نہیں لی گئی دوسرے آدھے حصے کے لیے ولی یونیورسٹی کا منہ دیکھا جا رہا ہے۔ اندازہ ہوا کہ علی گڑھ کی خود مختاری اپنے آپ میں ایک سوال ہے۔

۲۔ سیر سینڈری اسکول جسے طالب علم کے لیے ہر مقابلہ کے امتحان کا پہلا دروازہ مانا جاتا ہے وہاں کے تعلیمی معیار پر کوئی توجہ نہیں ہے۔ اسکول کے پرنسپل کو میں نے محض ایک پڑھا لکھا کلرک پایا۔ سائنس کی پڑھائی کا انتظام شاہدان کے بس کا روگ بھی نہیں ہے اساتذہ پر محاسبہ کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں نہ ہی ایسا کوئی طریقہ کار ہے کہ طلبہ کے والدین یہ اندازہ کر سکیں کہ ان کے بچے کی تعلیم و ترقی کا کیا معیار ہے۔ اور اخلاقی پستی کہاں تک پہنچی ہے ظاہر ہے اس کے نتیجے میں لازمی طور پر اپنی ہی یونیورسٹی سے ہائی اسکول میں داخل آنے والے طلبہ یا تو سیکرٹ کلاس پاس ہوتے ہیں یا پھر فیل۔

۳۔ طالب علم کے دماغ بننے میں متوازی غذا کا بھی دخل ہوتا ہے اس امر کی بھی ہال کا پروسٹ شاید متفق نظر نہیں آتا۔ ہوسٹل کی کسی نئے لڑکوں کو بھیڑ بھڑوں کی طرح رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔

۴۔ عبد اللہ گرنہ اسکول کا عالم یہ ہے کہ وہاں کی استانی جو غلط نوٹس لکھا دیں اسی کو ازبر کر لو اگر اعتراض کیا تو بچوں کی زندگی غلاب کر دی جائے گی یہ قوم کی ماؤں

تاملوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام

مطبوعہ: اگست ۱۹۹۰ء

سری لنکا کے کھٹکدی سرحدی قبضہ میں مسلمان حسب معمول پورے خشوع و خضوع کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور سر بسجود تھے کہ تامل لبریشن ٹانگرس آف تامل ایلیم دابل ٹی ٹی ای کے ڈھائی سو سے زیادہ دہشت گردوں نے مسجدوں کو آگیرا انہوں نے مسجدوں کے تمام دروازوں اور آنے جانے کے راستوں پر قبضہ کر کے چتے بے قصور صفت بستہ نمازیں مشغول مسلمانوں پر پشت سے اندھا دھند فائرنگ کی۔ بم پھینکے۔ آٹومٹک ہتھیاروں سے سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کر دیا اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا۔ وحشی دہشت گردوں نے ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں شہر کی دو بڑی مسجدوں میرا اور حسینہ میں اپنی درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔ بموں کے نتیجہ میں مسجدوں کو بھی نقصان پہنچا۔ تامل وحشی چیتے آٹومٹک ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ دہشت گردوں کے حملوں میں زخمی سے چور مسلمانوں نے بتایا کہ کچھ چیتے باہر راستوں میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ سکارروائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ دو گاڑیوں میں سوار ہو گئے اور جس راستہ سے آئے تھے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی راستہ سے جنگل میں روپوش ہو گئے۔

سری لنکا سے ہندوستانی امن فورس کی واپسی کے بعد تامل دہشت گردوں نے بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا ہے اگرچہ سری لنکا کے شمالی مشرقی صوبہ میں

۱۔ جو بچے کالج اور اسکول کی پڑھائی سے مطمئن نہیں ہیں ان کے لیے کوئی معقول کو چنگ سینٹر بھی نہیں ہے۔

۱۱۔ ملازمین کے لیے مکان کی قلت سے ان کے بچوں کے داخلہ میں زحمت ہے جو سرکار اور لیو جی سی دیتا ہے اس کا بھی اطلاق نہیں ہے۔

۱۲۔ ساٹھ میں دس، دس سال سے مستقل کی کوئی علامت نظر نہیں آتی وہ استاد کھلے دل سے کیا کام کرے گا جسے کل اپنی لوکری کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہو۔

بہر حال در بھی شدید ہے فہرست بھی لمبی ہے دو در و در تک کوئی مسیحائی نظر نہیں آتا بقول محرم شیروانی صاحب کے یونیورسٹی ایگزیکیوٹو کونسل میں بھی بہت اچھے لوگ ہیں اور کورٹ میں بھی افضل ترین لوگ ہیں اور واپس سے یقیناً واپس پائلر کے جو نام بھی تجویز ہوں گے وہ بھی بہت اچھے ہی لوگ ہوں گے مگر سوال یہ ہے کہ ان میں قوم کا در و کتلہ ہے، ملت سے محبت کتنی ہے اور عمل کیا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نیا واپس چانسز آئی۔ اے۔ ایس آفسیر، ہو یا آکٹو میٹین۔ سوال اس جذبہ صادق کا ہے جس نے اس یونیورسٹی کو جنم دیا۔ میری دہلیہ کے آنے والا واپس چانسز حقیقت پسند ہو اور سرسید کے خواب عالی کا صحیح امین بھی (امین)

کورٹ کی ۲۹ جولائی ۱۹۹۰ء کی ٹینگ کے بعد ہند کے مسلم عوام ایگزیکیوٹو کونسل کورٹ کے اعلیٰ ممبران اور عزت مآب عالی جناب صدر جمہوریہ ہند سے یہ سوال پوچھنے میں خفی بجانب ہیں کہ کیانے واپس چانسز کی تقرری نئے داخلوں سے پہلے ممکن ہو سکے گی؟

(نئی دنیا - دہلی)

سوءا۔ مسلمان کسان اپنے کھیتوں سے واپس اپنے گھروں کو جا رہے تھے کہ تامل دہشت گردوں نے اچانک حملہ کر کے انہیں بھون ڈالا۔ سری لنکا مسلم کانگریس کے ایک ترجمان نے بتایا کہ مسلمانوں کی لاشوں پر پرچیاں تھپی شدہ پائی گئیں جن میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے گاؤں خالی کر کے چلے جائیں ورنہ قتل کے لیے تیار رہیں۔

ایک دوسری واردات میں تامل چیتوں نے اپنے کھیتوں میں کام کرنے والے ۱۹ مسلم کسانوں کو دن کے گیارہ بجے سمجھوڑ ڈالا۔ اس موقع پر بھی ۴۲ سے زیادہ مسلمان زخمی ہوئے تھے۔

ایل ٹی ٹی اسی کے دہشت گرد چیتوں نے چند دن کے وقفہ سے پاس کے ایک گاؤں کی مسجد میں بھی مسلمانوں پر حملے کئے تھے۔ سری لنکا مسلم کانگریس کے ایک لیڈر مٹروفانا روق کے مطابق دہشت گرد اس گاؤں میں فوجی وردی میں پہنچے اور لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کے لیے کہا۔ مسلمان انہیں فوجی سمجھ کر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ تو انہوں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔ ایل ٹی ٹی اسی کی مسلمانوں کی نسل کشی کے واقعات سے علاقہ میں زبردست کشیدگی پیدا ہو گئی ہے اور حکومت ہند دوسری لنکا کے رویہ سے واپس ہونے کے بعد شاید مسلمانوں نے اپنا تحفظ خود کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور اب ایک تازہ ترین اطلاع کے مطابق مسلمانوں نے ایک گاؤں پر حملہ کر کے ۵۴ تاملوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ انہوں نے شمالی کولمبو میں ایک مندر پر بھی حملہ کیا اور بھاری اور ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اگرچہ سرکاری ذرائع سے ان خبروں کی تصدیق یا تردید نہیں کی گئی ہے۔ سری لنکا مسلم کانگریس کے ترجمان نے بھی یہی کہا ہے کہ اس طرح کے کسی واقفہ کی انہیں کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔ خبریں صحیح ہیں یا غلط بہر حال مزاحمت کرتا کہ مصداق اگر مسلمانوں کی جان و مال کا تحفظ نہ کیا گیا تو دیر سویر ایک دن لازمی طور پر وہ بھی اسی راستہ پر چلنے کے لیے خود کو مجبور محسوس کرنے لگیں گے۔

ایل ٹی ٹی اسی کے جی کلا ایبیا لیڈر کہہ چکے ہیں مسلمانوں پر حملوں میں ایل ٹی ٹی کے چیتوں کا ہاتھ ہونے سے انکار کیا ہے اور الزام لگا رہا ہے کہ اس طرح کے قتل عام کی وارداتیں

آباد یہ مسلمان بھی تامل نژاد ہی ہیں مگر یہ ایل ٹی ٹی اسی کے دہشت گردوں کا ان کی دہشت گردانہ اور انتہا پسندانہ کارروائیوں میں ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ وہ پرامن طور پر رہنا چاہتے ہیں اسی لیے انہوں نے امن فورس کا خیر مقدم کیا تھا۔ جو تاملوں کو سری لنکا حکومت کی سمیتہ زیادتیوں سے بچانے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اور جس نے بھی تاملوں سے کہا تھا کہ وہ ہتھیار ہمارے حوالے کر دیں۔ سری لنکا حکومت سے جو سمجھوتہ ہو چکا ہے اس کو لاگو کرنے میں تعاون دیں۔ امن فورس کی اپیل پر تاملوں کی دوسری تنظیموں نے ہتھیار اس کو سونپ دیئے تھے۔ ایل ٹی ٹی اسی نے ان تمام تاملوں کا بھی قتل عام اور نسل کشی شروع کر دی جنہوں نے پرامن طور پر رہنے کے لیے امن فورس کا خیر مقدم کیا اور اس کی اپیل پر اس کے ساتھ تعاون کیا۔ اسی قصبہ میں ایل ٹی ٹی اسی کے دہشت گردوں نے دسمبر ۱۹۸۷ء میں ۷۰ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تھا۔ نیشنل فرنٹ کے لیڈروں نے برسر اقتدار آنے کے بعد سابقہ حکومت کے ہر صحیح اور غلط فیصلہ و اقدام کو کیکر الٹ کر پھینک دینا اپنا بنیادی مقصد اور اس میں مشن بنالیا۔ چنانچہ دوسروں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے امن فوج کو واپس تو لایا مگر ایل ٹی ٹی اسی کے چیتوں کی درندگی سے ان بے گناہوں کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ سوچنے کی ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں کی جنہوں نے اپنی جان، مال عزت آبرو کو دائرہ لگا کر امن فوج کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ نیشنل فرنٹ حکومت نے امن فوج کو واپس بلا کر امن پسند تاملوں خصوصاً تامل مسلمانوں کو پوری طرح تامل چیتوں کے بیچ بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے جس سے خوبی چیتے ان کی نسل کشی میں مصروف ہیں۔

سری لنکا سے امن فوج کی واپسی کے بعد سے سری لنکا میں آباد تامل مسلمان خاص طور پر تامل چیتوں کی دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں۔ انہوں نے مختلف گاؤں میں پوسٹر بھی چسپاں کئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ۱۰ اگست کے بعد علاقہ میں کوئی مسلمان نظر نہیں آنا چاہیے۔ مسلمان فوراً علاقہ خالی کر دیں۔ مگر شہر چند دنوں سے مسلمانوں کے خلاف تامل چیتوں کی دہشت گردانہ کارروائیوں میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ ۱۵ مئی

جانبداری اور غیر جانبداری

مطبوعہ: ۲۹ جولائی ۱۹۹۰ء

ایک طرف نیپال اس مسئلہ میں الجھا ہوا ہے کہ وہ ہندو ملک رہے یا نہیں اور دوسری طرف وہاں تبدیلی مذہب کا عمل عروج پر ہے واقف کار حلقوں نے دعویٰ کیا ہے کہ گزشتہ تین مہینوں کے دوران میں سے تیس ہزار ہندو عیسائی بنائے جا چکے ہیں۔ بھٹارائے کی طرف سے نیپال کے ہندو ملک کی حیثیت برقرار رکھنے اور وہاں مذہبی آزادی کے اعلان کے باوجود تبدیلی مذہب کے حق کا مطالبہ جاری ہے۔

نیپال میں عیسائیوں کے خاص نمائندے چارلس مینڈس نے نیپال کے دوسو چوبیس لاکھ مسیحیوں کی منظوری دلائے اور ۱۹۶۲ء کے تبدیلی مذہب سے متعلق قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ نیپال کے قانون کے مطابق اگر کوئی ہندو مذہب تبدیل کرتا ہے تو اسے ناقابل تسلیم سمجھتے ہوئے اس کو ہندو ہی مانا جائے گا۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو چھ سال قید تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔ غیر ہندوؤں کے لیے اب اس آئین کو ختم کرانے کا مسئلہ وقار کا سوال بن گیا ہے۔ اس مطالبہ کی حمایت ہندو نیپال صدر ۵۰۰ کلو میٹر کے علاقے میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے علاوہ ہمالیہ سے متصل منگول نسل کے بودھ لاماؤں نے بھی کی ہے۔ حالیہ دنوں میں کٹھنڈو میں لاماؤں کے جلوس تہہ رہے ہیں کٹھنڈو کی جامع مسجد کے شاہی امام مولانا حیات حسین مدوی نے نیپال کی بدول کو سرکاری منظمی دینے۔ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے مسلمانوں کے ہزاروں پر سرکاری چھٹیاں دینے اور ملازمت میں اقلیتوں کے لیے ریزرویشن تک کا

خود حکومت سری لنکا دوسرے جگہ گروپوں کے ذریعہ کر رہی ہے تاکہ عرب ممالک سے حمایت اور تعاون حاصل کر سکے۔ ایل ٹی ٹی ای نے مسلمانوں کے قتل کے لیے تاویل کے ہی ایک نئے تشکیل شدہ گروپ ”ریڈ ۴“ کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ جو ای پی آر ایل ایف اور پی ایل او ٹی کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ لیکن مسجدوں پر حملوں میں بچ جانے والوں کا کہنا ہے کہ یہ حملے ایل ٹی ٹی ای والوں نے ہی کئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک مسجد پر حملہ میں شامل ایل ٹی ٹی ای کے ایک لیڈر رجنن اپا کو اور دوسری مسجد پر حملہ میں شامل رنجیت کو پہچان بھی لیا گیا۔ فوجی ذرائع کا کہنا ہے کہ خفیہ انجھیوں کی اطلاعات یہ ہیں کہ ایل ٹی ٹی ای لیڈروں نے اپنے لوکل لیڈروں کو حکم جاری کئے ہیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو نیست و نابود کر دیں جو ان کی مخالفت کر رہے ہیں یا ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہے۔

سری لنکا مسلم کانگریس نے الزام لگایا ہے کہ سری لنکا حکومت مسلمانوں کی حفاظت کے سلسلہ میں پوری طرح ناکام ہو گئی ہے مٹرا ایم ایچ ایم اشرف نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ دہشت گرد چیٹوں کے ہاتھوں معصوم شہریوں کا یہ بدترین قتل عام ہے جس میں انہوں نے مسجدوں میں گھسنے اور خدا کے دربار میں سر بسجود غازیوں کا قتل عام کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ سری لنکا حکومت سے بار بار اپیل کی گئی ہے کہ ایل ٹی ٹی ای کے حملوں سے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے انتظامات کئے جائیں لیکن حکومت نے اب تک اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا ہے۔

ایل ٹی ٹی ای کی بربریت کی تمام وجہ تامل گروپوں نے بھی زبردست مذمت کی ہے۔ پوزیشن سری لنکا فریڈم پارٹی نے بھی حکومت پر تنقید کرتے ہوئے سخت ناکواری کا اظہار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہند اور سری لنکا دونوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ جن مسلمانوں نے ایل ٹی ٹی ای کا ساتھ نہ دے کر پر امن طور پر رہنے کے لیے ان کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ وہ ان کا تحفظ کریں اور علاقہ میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ہر ممکن انتظامات کریں۔

رنجی دیا۔ دہلی

حال ہی میں جیل سے رہا ہونے والے نیپال میں عیسائیوں کے لیڈر چارلس مینڈس نے اپنے فرقہ کے لیے ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ دینے کی بات کہی ہے۔ جبکہ تبدیلی مذہب، مذہبی تبلیغ اور چرچوں کی تعمیر کے کاموں پر اب تک سترہ لاکھ ڈالر سالانہ سے زیادہ خرچ نہیں کئے گئے۔ بہت سے پسماندہ علاقوں میں جہاں غربت اور بے روزگاری بہت زیادہ ہے عیسائیوں کی آبادی ستر سے اسی فیصد ہے۔ اس کے علاوہ گورکھا لین میں بھی عیسائیوں کا یہی تناسب ہے۔ نیپال میں عیسائی مذہب اختیار کرنے والوں میں خاص طور سے منگول نسل کے لوگ ہی ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ بھی اسی نسل سے تعلق رکھنے والے پادری زیادہ کرتے ہیں ان سے روشن خیال نوجوان زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ عیسائی تنظیمیں نیپال میں ایک لاکھ سیودلیوں کی آبادی ہونے کو تسلیم کرتی ہیں لیکن سرکاری ذرائع کے مطابق عیسائیوں کی تعداد سوا دو لاکھ ہے اور جس رفتار سے تبدیلی مذہب کا عمل جاری ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتخابات تک ساڑھے تین لاکھ عیسائی ووٹ دینے کے لیے تیار رہیں گے۔



مطالعہ کیا ہے وہ تبدیلی مذہب کے حق کا مطالعہ بھی کر چکے ہیں۔ دوسری طرف عیسوی سرکار میں بھی مذہبی غیر جانبداری بنام ہندو متاشر کے سوال پر پارلیمنٹ کے ممبران چالیس اور آٹھ فیصد کے فرق سے کھینچ تان کر رہے ہیں۔ نیپالی کانگریس کے ایک وزیر مارشل شاکیر اپنے دوروں کے دوران مذہبی غیر جانبدار ملک بنائے جانے کی یقین دہانی کر رہے ہیں۔ جبکہ مہاراجہ کی طرف سے نامزد ایک دوسرے وزیر اچوت راج نے نیپال کو ہندو متاشر قرار دینے کا اعلان نہ کرنے پر مرن برت کی دھمکی دی ہے۔ بائیس بارو کا محاذ مذہبی غیر جانبداری کے نظریہ پر متفق ہے مہاراجہ کی حامی پنجابیتی پارٹی آئندہ انتخابات میں اس مسئلہ کا فائدہ اٹھانے کی تاک میں ہے۔

حال ہی میں ٹنڈیکھیل کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے بودھ بھکشو اتراند نے کہا کہ ہندوؤں کے اوپر نامناسب الفاظ کے تبرجلا نا ہی جمہوریت میں مذہبی غیر جانبداری کی پہلی شرط ہوگی۔ اس بیان پر نیپال کے ہندوؤں اور بودھوں کے درمیان نفطی جنگ جاری ہے۔ دوسری طرف گزشتہ دو مہینوں کے دوران عیسائی لیڈروں کے نیپال کے دوروں کی وجہ سے بھی ہنگامہ برپا ہے ہندو و مہرم سرکشی سنگھ کے جنرل سیکرٹری بھولانا یوگی اور تنظیم کے مشیر ڈاکٹر ورہی لال نے الزام لگایا ہے کہ مذہبی غیر جانبداری کے مسئلہ پر ٹیکنسٹی سے پوپ تک نے خط بھیجا ہے۔

نیپال میں عیسائی لیڈروں کی پراسرار موجودگی کے سبب ہندو تنظیموں میں گھبراہٹ پھیلی ہوئی ہے۔ گزشتہ دنوں برطانیہ کی ایجنسی انٹرنیشنل کے ممبروں نے کٹھنڈو جا کر تبدیلی مذہب کے اختیارات سے متعلق بھڑانے کو ایک یادداشت پیش کی ہندو تنظیموں نے ہندوستان کے ایک وزیر کی طرف سے دکنول سے کٹھنڈو تک بڑی ریلوے لائن بچھانے میں خصوصی دل چسپی کو عیسائی دباؤ کی سیاست کا ایک حصہ قرار دیا ہندوؤں کے ایک بڑے مذہبی لیڈر یوگی برہم نے امریکی کانگریس کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا ہے جس میں مذہبی غیر جانبداری کے مطالعہ کی مخالفت کی گئی تھی۔

کے اقتدار اعلیٰ اور علاقائی سالمیت کا سرسایا سودا کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”حکومت بین الاقوامی دباؤ کے مقابلہ میں نرم ہو گئی ہے“ اور یہ کہ امریکی معاشی تحدیدات کے ذریعہ ہندوستان پر ساثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

وزارت خارجہ کے ایک سرکردہ مہدی دار نے تصدیق کی کہ امریکی کانگریس (پارٹ)

کے ۵ ارکان نے وی پی منگھو کو لکھا ہے کہ انسانی حقوق کے اداروں کو ہندوستان میں آنے دیا جائے ان میں سے ۲۶ ہندوستان مخالف ارکان نے تو امریکی کانگریس میں ایک بل تک پیش کر دیا جس میں کہا گیا کہ اگر حکومت ہندوستان میں امنسٹی والوں کو ہندوستان آنے کی اجازت نہیں دیتی تو ہندوستان کی اداؤں کو بند کر دی جائے۔ تاہم اس بات کی تردید کی گئی کہ پابندی ہٹانے کا امریکی دباؤ سے کوئی تعلق ہے۔

بالآخر امنسٹی انٹرنیشنل کے بارے میں تمام شور و غل سانسے سے لڑنے کے مترادف نکلا۔ ہندوستان کے ایک دوست امریکی سینٹر اسٹیفن سولازرنے اس فیصلہ کو بے حد سراہا۔ جبکہ امنسٹی والوں کو خوشی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کا دوسرہ کرنے کی اجازت شرط تھی اس معاملہ میں تنظیم کے ضابطے سخت ہیں جو کسی حکومت کی کھلی اجازت کے بغیر کسی مقام پر اس کی تحقیقی ٹیموں کو جانے کی اجازت نہیں دیتے۔

امریکہ کے ایشیا وچ اور ایسے دوسرے اداروں کے برخلاف جن کو ہندوستان آنے کے لیے درحقیقت اجازت بھی نہیں لینا پڑی۔ امنسٹی کو ہندوستان کی گڑ بڑ والی ریاستوں میں ہر مقام پر جانے کے لیے حکومت کی پیشگی منظوری لینا پڑے گی۔ تب جا کر وہ ملک انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں کوئی مفصل رپورٹ تیار کر پائے گی۔

ہندوستان میں امنسٹی انٹرنیشنل کی اتنی مخالفت کیوں ہو رہی ہے؟ اس کی ایسی سخت مضابطوں کے ایک پورے مجموعہ کی رہنمائی میں ملے ہوئی ہے۔ لہذا یہ کوئی نیرؤ مدار یا ایسی تنظیم نہیں ہو سکتی جو کسی کے زیر اثر ہو۔ جیسا کہ اس کو بعض اوقات ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے معاملہ میں خصوصی رول ادا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور ان قیدیوں کو رہا کرانے کی سعی کرتی ہے جن کو ان کے خیالات کی بنا پر

مگے بازی کی سیاست

مطبوعہ : جولائی ۱۹۹۰ء

ایک بھارتی اخبار نے اس ماہ کے اوائل میں ایک کارٹون شائع کیا جس میں راجیو گاندھی کو مکہ تانے ہوئے تمام برائیوں سے لڑنے کا عہد کرتے دکھایا گیا ہے۔ یہ میں نے جنوبی افریقہ میں نسل پرستی۔ امریکہ میں رنگ و نسل پر مبنی نقصانات اور لاطینی امریکہ میں جبر کے خلاف جنگ کی ہے ہم امنسٹی انٹرنیشنل کے خلاف جنگ کریں گے۔

بالکل یہی کچھ راجیو گاندھی اپنے اقتدار کے پانچ سالہ دور میں کرتے رہے ہیں اور اب بھی جبکہ وہ اپوزیشن کے لیڈر ہیں، یہی کر رہے ہیں۔ اس ماہ کے شروع میں یونٹڈ کانگریس والوں نے منبئی کے اہم ہوائی اڈے پر اپنی تحریک شروع کی جس کا مقصد دنیا میں انسانی حقوق کی اس سب سے بڑی تنظیم کے مہدی داروں کو ملک میں داخل ہونے سے روکنا تھا۔ موصوف نے اپنی گمن گرج کے ساتھ کہا کہ اگر ضرورت پڑی تو میں آپ لوگوں کے ساتھ اس جدوجہد میں براہ راست شامل ہو کر دھرنے پر بیٹھوں گا۔

اندرا کانگریس کے اس شور و غل کا سبب وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ کا یہ اعلان تھا کہ حکومت ہندوستان میں امنسٹی کی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھا رہی ہے حالانکہ یہ اعلان مشروط تھا۔ مثلاً اعلان میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ امنسٹی کے مہدی داروں کو اپنی ذاتی حیثیت سے یا چھپر عمومی مسائل پر حکومت سے گفت و شنید کی غرض سے ہندوستان آنے دیا جائیگا۔

راجیو گاندھی نے کہا کہ امنسٹی کو اجازت دے کر حکومت نے ہندوستان

وزیر اعظم مشر و شو ناکھ پر تاپ سنگھ کے منڈل کمیشن کی سفارشات کو تسلیم کر لینے کے اعلان کے لیے جو وقت چنا اس سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے مدم مساوات کے مسئلہ سے زیادہ سیاسی مسئلہ تھا۔ مشر و لوی می لال کو نائب وزارت غلطی کے عہدے سے برطرف کرنے کے بعد ان کو ان پس ماندہ طبقات کی حمایت کی سخت ضرورت تھی جو ابھی تک متبادل ہیں ان کے گرد و پ کے حلقہ اثر کے باہر سمجھے جاتے تھے۔

اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ مسٹر ملائم سنگھ یادو ان لیسانہ طبقات اور مسلمانوں پر
شکل اپنا جو حلقہ اثر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اس کی کاٹ بھی اس بے ضروری تھی
کہ ماضی میں مسٹر یادو مسٹر دیوی لال کے طرفدار رہے ہیں اور حالیہ معاملات میں ان کا رویہ
زیادہ سے زیادہ غیر جانبداری کا رہا ہے۔ اگر اور مجسٹریسیٹ اس وقت عروج پر
ہا اور اسی گندے پانی میں وزیر اعظم کو اپنے ہاتھ بھی دھونے تھے اسی لیے یہ وقت
ڈل لکیشن کی سفارشات کو تسلیم کرنے کے لیے ان کے نقطہ نظر سے یقیناً مناسب وقت
نہیں بھی ایک المیہ ہے کہ ایک بنیادی سماجی و معاشی مسئلہ کو محض گروہ بندی کی سیاست
بے استعمال کیا جا رہا ہے۔

گرفتار کیا گیا ہو (بشرطیکہ وہ تشدد کا عمل یا پرچار نہ کرتے ہوں) یہ سزا سُنے موت اور قیدوں کو اندائیں دینے کی مخالفت کرتی ہے۔

یہ بات عجیب ہے کہ ایسے وقت جب کمیو با، ایران اور پاکستان جیسے ممالک جن کو "نبد" سماج کہا جاتا ہے ایمینٹی اور ایسے دوسرے بین الاقوامی گروپوں کو خوشحال آمدیکہہ رہے ہیں۔ اور سوویت یونین نے تو ایمینٹی کو اپنے یہاں دفتر کھولنے کی پیشکش کی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اپنے یہاں انسانی حقوق کے تحفظ کے گروپوں کو آنے کی اجازت دینے میں متاثر ہے۔ ایمینٹی کے ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ اس ادارے ساتھ ہندوستان کی حکومت نے کبھی خوشدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کی ٹیموں کو ہمیشہ وزیر اسکے مسئلہ کا سامنا ہوا۔ ریڈیو جیسے سرکاری ذرائع نشر و اشاعت کو اس ادارے کی سرگرمیوں کے بارے میں گمراہ کن اطلاعات پھیلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر بھی عام لوگوں کی ایوسی میں یہ امید کی کرن کی مانند ہے۔ لندن میں ایمینٹی انٹرنیشنل کے سکریٹریٹ کو ہزاروں خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں خصوصاً بچوں اور کمزور کی رہائی کے لیے اس کی مدد طلب کی جاتی ہے۔

کشمیر میں تو صورت حال یہ تھی کہ حقوق انسانی کی ایک ہندوستانی تنظیم کے نمائندے جب وہاں پہنچے تو ہزاروں افراد نے گھیر لیا وہ سمجھے کہ بالآخر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ان کی مددائیں سُن لی ہیں۔ ایمر جنسی کے دوران ایمنسٹی نے جنیشو دھسرا، مدھو ڈیڈوٹے، مارجی ڈیسانائی اور ایل کے ایڈوانی جیسے سیاستدانوں کی رہائی کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ ایمر جنسی کے بعد جب محقر سے عرصہ کے لیے منر اندرا کانگدھی کو جیل بھیجا گیا تو ایمنسٹی ہی تھی، جس نے ان کی رہائی کے لیے کوششیں کیں۔ شاید اسی وجہ سے منر اندرا کانگدھی نے اپنے آخری برسوں میں اس ادارے کے بارے میں اپنے خیالات بدل دیئے تھے ایمنسٹی کے ایک عہدیدار نے کہا کہ ہم کو امید تھی کہ نئی حکومت اندرا کانگریس کے مقابلہ میں زیادہ جمہوریت پسند ہوگی، گو کہ ہمارے کئی ارکان مرلی چند جھنڈاری اور ایم۔ ایل سنگھوی اس پارٹی سے نزدیک ہیں، حیرت کی بات ہے وہ ہم کو یہاں نہیں آنے دینا چاہتی

در و شوہند و پریشد کے لیڈروں سے گفتگو کی۔ اس گفتگو کی تفصیلات جانتے کے بعد اور رابطہ کمیٹی کے بعض ممبران سے بات چیت کے دوران یہ اندازہ لگانے میں قطعاً یہ نہیں لگی کہ مرکزی حکومت اس معاملہ کو یا تو شوہند و پریشد کے حق میں ختم کرنا چاہتی ہے یا پھر اسے لیونہی ٹکائے رکھنا چاہتی ہے تاہم اس کا منشاء یہ ضرور ہے کہ بات چیت کا دروازہ بند نہ کیا جائے اور وقتاً فوقتاً بات چیت کا ڈرامہ کر کے عوام کو یہ تاثر دیا جاتا رہے کہ حکومت اس معاملہ میں بہت نکرند ہے اور وہ مسلسل متعلقہ فریقوں سے رابطہ اتوار کر کے اس تنازعہ کو گفتگو کی میز پر حل کرنے کی خواہش مند ہے۔

گزشتہ ۳۰ جولائی کو پہلے تو مرکزی وزیر مملکت برائے داخلہ مسٹر سودھ کانت سہائے نے بابرہ مسجد اور رام جنم بھومی تحریک سے وابستہ لیڈروں کو اپنے ہال آنے کی دعوت دی اور اس کے بعد اگلے دن یعنی ۳۱ جولائی کی رات کو سیاسی ہنگامہ خیز لوگوں کے طوفان میں وی پی سنگھ نے فریقین سے گفتگو کی۔ جب اس گفتگو کے بارے میں متعلقہ لیڈروں سے معلومات حاصل کی گئیں تو اکثر نے ناامیدی کا اظہار کیا۔ مسٹر سودھ کانت سہائے نے اس ٹینگ کے لیے جو دعوت نامے ارسال کئے تھے وہ محض تحریک کے لیڈروں کو نظر میں رکھ کر جاری نہیں کئے گئے تھے بلکہ بعض سماجی اور مذہبی شخصیات کو بھی انفرادی طور پر مدعو کیا گیا۔ ٹینگ میں مدعو کئے گئے لوگوں میں کل ہند بابرہ مسجد ایجنٹ کمیٹی کے نمایاں ارکان شامل نہیں تھے۔ اس لیے ایجنٹ کمیٹی کو اس پر اعتراض ہوا اور انہوں نے کہتے ہوئے ٹینگ میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا کہ ایجنٹ کمیٹی کا کوئی رکن یا عہدیدار انفرادی طور پر گفتگو میں شریک نہیں ہوگا۔ ایجنٹ کمیٹی کے عہدیداروں کی شرکت اسی وقت ممکن ہے جب تمام عہدیداروں کو مدعو کیا جائے۔ رابطہ کمیٹی کے کنوینر سید شہاب الدین نے وزارت داخلہ سے بات کر کے کمیٹی کے تمام ارکان کے نام دعوت نامے حاصل کر لیے لیکن اس معاملہ میں ایجنٹ کمیٹی نے اخباری بیان دینا ہی مناسب خیال کیا۔

رابطہ کمیٹی کے اہم رکن مولانا سید احمد شاہی نے جو کہ ۲۰ جولائی کو مرکزی وزیر مملکت برائے داخلہ مسٹر سودھ کانت سہائے سے تقریباً دو گھنٹہ طویل گفتگو میں شریک تھے ٹینگ

بابری مسجد

ایک اور ڈرامہ

مطبوعہ : ۱۰ اگست ۱۹۹۰ء

بابری مسجد اور رام جنم بھومی تنازعہ دن بدن ابتری کی طرف گامزن ہے نئی حکومت جس نے ملک کو درپیش بحرانوں سے چھٹکارا دلانے کی قسمیں کھائی مٹھیں اور گھنٹوں و مہینوں میں چٹکی بجا کر مسائل حل کرنے کا عہد کیا تھا وہ اس وقت خود اپنے دامن میں ایسی گرفتار نظر آتی ہے کہ اس کی نجات آسان نہیں ہے۔ سیاسی سطح پر ہر روز ایک نیا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے۔ اور عوام مسلسل حالات کے دباؤ میں پستے چلے جا رہے ہیں۔ ان حالات کا فائدہ اٹھا کر جارح فرقہ پرست طاقتیں اپنی اپنی دوکانوں کو سولنے اور دوکاندار کی کوڑھٹانے میں مدد درجہ مصروف ہیں۔ حکومت کو اتنی فرصت کہاں بے کردہ حالات کی سنگینی کا اندازہ کرے اور عوام کو راحت پہنچائے۔ اسی لیے مسئلہ کشمیر ہو یا پنجاب بابرہ مسجد ہو یا منہگانی کا بڑھتا ہوا سیلاب سب کی طرف حکومت کی نظر ایک فریب نظر سے زیادہ نہیں ہے۔

بابری مسجد تنازعہ کے تین اگرچہ یوپی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کا وزیر بہت مثبت اور حقیقت پسندانہ ہیں لیکن وی پی سنگھ کی مرکزی حکومت اس معاملہ میں جو کچھ کر رہی ہے وہ یا تو مسلمانوں کو اپنی شرانط پر راضی ہونے کی حکمت عملی ہے یا پھر عوام کو یہ دھوکہ دینا ہے کہ حکومت اس معاملہ میں خاموش نہیں ہے اور وہ بہت کچھ کرنا چاہتی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ ہفتہ اس وقت ہوا جب وزیر اعظم وی پی سنگھ اور مرکزی وزیر مملکت برائے داخلہ مسٹر سودھ کانت سہائے نے علیحدہ علیحدہ بابرہ مسجد رابطہ کمیٹی

پٹی کے ممبران سے کہا کہ اب جبکہ حکومت بھی اس مسئلہ کو عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ
 نہ کرنے کی بات کر رہی ہے تو ایسے میں یہ بات تشویش کا باعث ہے کہ عدالت
 نااندرانہ طور پر کام کرنے کا ماحول نہیں دیا جا رہا ہے اور وشو ہندو پریشد کے پروگراموں
 جبر کی ایک فضا پیدا ہو رہی ہے اور عدالت کو بھی اس کے زیر اثر لانے کی کوشش
 جائے گی۔ جو کہ تو بین عدالت کا جرم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح وشو ہندو پریشد نہ
 صرف امن و قانون سے کھلوا کر رہی ہے بلکہ وہ تو بین عدالت کے جرم کا بھی ارتکاب
 کر رہی ہے۔ رابٹر کیٹی کے ارکان نے مسٹر سودھ کانت سہائے پر زور دیا کہ اس
 صورتحال کا انزالہ کیا جائے جبکہ مسٹر سہائے گفتگو کے دوران رابٹر کیٹی کے ارکان پر یہ زور
 دیتے رہے کہ وہ اس مسئلہ کا کوئی حل تجویز کریں۔ جس پر رابٹر کیٹی کے ارکان نے
 ہا کہ ان کے پاس اس مسئلہ کا محض یہی حل ہے کہ اسے عدالت کے سپرد رہنے دیا جائے
 اس کی روز بروز سماعت ہو، تاکہ مسلمانوں کے سر پر مسلسل جو تلوار لٹکی ہوئی ہے
 سے ہٹایا جائے مولانا لامبشی نے کہا کہ ایک ایسی صورت میں جبکہ فریق ثانی اپنے جارحانہ
 اہم اور اشتعال انگیز پروگراموں پر قائم ہے ایسے میں اقلیتی فریق پر دباؤ ڈالنا ان کے
 بنیادی حقوق پر حملہ کے برابر ہے۔ مسٹر سودھ کانت سہائے سے ملاقات کرنے والوں
 مولانا لامبشی کے علاوہ سید شہاب الدین، ابراہیم سلیمان سیٹھ، مولانا سراج الحسن،
 مولانا احمد علی قاسمی، قمر کاظمی، سید یوسف اور فضل الباری شامل تھے۔

اس کے اگلے روز یعنی ۱۳ جولائی کو رابٹر کیٹی کے ارکان نے وزیراعظم وی پی سنگھ
 ملاقات کی۔ یہ ملاقات ایک روز پہلے ہی طے ہو چکی تھی مگر ہنگامہ خیز سیاسی سرگرمیوں
 اور اسے ملتوی کر دیا گیا تھا مگر عین وقت پر ارکان کو دوبارہ مدعو کیا گیا۔ وزیراعظم
 ملاقات کے دوران مولانا سید احمد لامبشی کے علاوہ وہ تمام لوگ موجود تھے جنہوں نے
 اب روز پہلے سودھ کانت سہائے سے گفتگو کی تھی۔ وزیراعظم کے رد برو رابٹر کیٹی کے
 ان نے مختصراً اپنے اس موقف کا اظہار کیا جسے ایک روز قبل وہ وزیر داخلہ کے رد برو
 بان کر چکے تھے۔ مولانا احمد علی قاسمی نے بتایا کہ وزیراعظم کے سامنے رابٹر کیٹی نے یہ

کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے نئی دنیا کو بتایا کہ اس ٹینک کے ذریعہ حکومت محض
 باور کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس سنگین مسئلہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ کر رہی ہے انہوں نے
 کہا کہ اس ٹینک کو یکم اگست سے قبل اس لیے بھی طلب کیا گیا تھا۔ چونکہ یکم اگست سے
 وشو ہندو پریشد نے رام بھگتوں کی پوجا کا اپنا ملک گیر پروگرام شروع کر دیا ہے اور
 اس سے حالات کے بگڑنے کا پورا پورا امکان موجود ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رابٹر
 کیٹی کا ابتداء سے ہی یہ مطالبہ رہا ہے کہ اس قسم کے اشتعال انگیز پروگراموں پر فوری
 پابندی لگائی جائے جن سے ملک کی فرقہ وارانہ صورت حال بگڑنے کا اندیشہ ہے انہوں
 نے بتایا کہ رابٹر کیٹی نے مسٹر سہائے کے رد برو پر زور انداز میں اپنے اس مطالبہ کو
 دہرایا ہے وزیر داخلہ نے اسے امن و قانون کا معاملہ بتاتے ہوئے رابٹر کیٹی کے
 ارکان پر مسئلہ کے حل کے لیے کوئی تجویز پیش کرنے پر اصرار کیا۔ دوران گفتگو مسٹر سہائے
 نے مسجد کو منتقل کرنے کے سوال پر رائے مانگی جس پر رابٹر کیٹی کے ارکان نے واضح
 الفاظ میں ایسے کسی بھی سوال کو مسترد کر دیا۔ مولانا سید احمد لامبشی نے بتایا کہ اگرچہ اس معاملہ
 میں مرکزی حکومت کا موقف بہت واضح نہیں ہے تاہم یوپی کی حکومت اس سلسلہ میں
 واضح موقف رکھتی ہے اور وزیر اعلیٰ یوپی نے بھی دو ٹوک لفظوں میں یہ بات کہی ہے کہ
 جب تک عدالت کے ذریعہ مسئلہ کا تصفیہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک کسی فریق کو اجڑھیا
 میں متنازعہ عبادت گاہ کو چھپانے نہیں دیا جائے گا۔ مولانا لامبشی کا کہنا ہے کہ رابٹر کیٹی اس
 بات کیلئے پرعزم ہے کہ اس مسئلہ کو عدالتی حل کے ذریعہ ہی حل کیا جاسکتا ہے اس کے
 علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔

وشو ہندو پریشد کے پروگرام پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مولانا
 لامبشی نے کہا کہ رام شلا پوجن سے ملک کے فرقہ وارانہ ماحول میں جو خطرناک شدت پیدا
 ہوئی تھی اور جس کا نتیجہ بھائی گلیوں کی صورت میں ظاہر ہوا تھا اب صورت حال اس سے
 زیادہ خطرناک ہے چونکہ اس وقت تو محض اینٹوں کی پوجا کا معاملہ تھا جبکہ اب بیروں
 کی پوجا ہو رہی ہے جس سے حالات انتہائی بہتر ہوں گے۔ انہوں نے باہری مسجد رابٹر

ہی ہوئی نظر آتی ہے۔ دوسری طرف رابطہ کمیٹی کے بعض ارکان وی پی منگھ سے نہایت پر امید ہیں جس کا اندازہ ۲۱ جولائی کی ٹینگ کے دوران ہوا اس ٹینگ میں رابطہ کمیٹی برائے ارکان کا اندازہ عاجزانہ اور بڑی حد تک خوشامدہ تھا رابطہ کمیٹی کے ان ارکان اور یہ بھی اتنا ہی ناقابل فہم ہے جتنا ایکشن کمیٹی کے لوگوں کی نا سمجھ میں آنے والے ملت علی۔

دشوند و پریشد نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت یکم اگست سے اپنی غیر تحریک کا آغاز کر دیا ہے۔ اس تحریک کا مقصد وجودِ حاکمی متنازعہ عبادت گاہ پر رام مندر تعمیر کرنے کے لیے ہندو عوام کے ذہنوں کو تیار کرنا ہے تاکہ آئندہ اسی اکتوبر کو جب دشوند و پریشد بابر مسجد کے مقام پر رام مندر تعمیر کرنے کے لیے قدم آگے بڑھائے تو پورے ملک کے ہندو اس کے ساتھ ہوں۔ اس سلسلے میں جو حکمت عملی بنائی گئی ہے وہ رام شلا پوجن کے اس پروگرام سے زیادہ خطرناک اور زہریلی ہے اور گزشتہ برس ۱۹ نومبر کو وجودِ حاکمی ہونے شیلانیاس سے پہلے تیار کی گئی تھی اور اس کے نتیجے میں ملک میں مسلمانوں کے خلاف زبردست نفرت پھیلانی گئی تھی اور ہرگز نہاد سپوٹ پڑے تھے۔ اب ایک بار پھر دشوند و پریشد اور دیگر انتہا پسند ہندو تنظیمیں عوام کے ذہنوں کو پر آگندہ کرنے کے لیے پہلے سے زیادہ خطرناک اور زہریلے نعرے کے منصوبہ بند طور پر میدان میں نکلی ہیں لیکن مرکزی حکومت اس سلسلے میں بار بار توجہ دلانے کے باوجود خاموشی ناشائی بنی ہوئی ہے تاہم یہ ایک ناکند بات ہے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس جو رام مندر تحریک میں گمراہ ہو جانے کے بعد اقتدار سے گراہ ہوئی تھی اس نے دشوند و پریشد اور دیگر اموں کو کاؤنٹر کرنے کا اعلان کیا ہے اور تاریخ سے سبق سیکھنے کی کوشش نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ تلویپی میں وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کی قیادت میں جتا دل نے دشوند و پریشد کے اس پروگرام کو بے اثر بنانے کے لیے اپنے درکروں کو میدان لانے کے لیے کہا ہے یہ دونوں باتیں خوش آئند ہیں۔

تجویز پیش کی کہ تمام عبادت گاہوں کی ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء والی پوزیشن بحال رکھنے کے سلسلے میں ایک مرکزی قانون بنایا جائے جس پر وزیر اعظم نے کوئی یقین دہانی نہیں کرائی تاہم وزیر اعظم نے اتنا ضرور کہا کہ حکومت بابر مسجد کے معاملے میں کافی الرٹ ہے اور وہ اپنی ذمہ داری نبھائے گی۔ مولانا احمد علی قاسمی نے وزیر اعظم سے گفتگو کے نتائج پر متبرہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت گفتگو کا سلسلہ محض اس لیے جاری رکھے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنے حرکت و عمل کا احساس دلا سکے وگرنہ حکومت اس معاملے میں کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عدالتی عمل کو تیز کرنے پر بھی بظاہر آمادہ دکھائی نہیں دیتی۔ انہوں نے کہا کہ فی الحال اس بات کا کوئی امکان موجود نہیں ہے کہ حکومت ۳۰ اکتوبر تک عدالت یا گفتگو کے ذریعہ اس مسئلہ کا کوئی حل نکال پائے گی۔ انہوں نے کہا کہ معاملہ کو طول دیکر کانگریس نے جو غلطی کی تھی وی پی منگھ کی حکومت بھی ایسی غلطی کو دہرا رہی ہے تاہم سید شہاب الدین وزیر اعظم کی گفتگو سے پر امید نظر آتے ہیں وزیر اعظم نے بھی اپنی گفتگو میں رابطہ کمیٹی کے ارکان پر اس بات کے لیے زور دیا کہ اس مسئلہ کا گفتگو کے ذریعہ کوئی حل سوچا جائے بظاہر بابر مسجد تحریک کے لیڈروں سے وزیر اعظم اور وزیر مملکت بڑا داخلہ کی یہ گفتگو سمجھنا کامیاب رہی ہے اور دوسرا فروق اپنی ہر بات کو پتھر کی گیر سمجھتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ مندر تعمیر کرنے کے مقام اور اس کی تاریخ پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں مسلم لیڈروں پر یہ دباؤ ڈالا جاتا کہ وہ اس مسئلہ کا کوئی حل تجویز کریں محض بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ مسلمانوں کو دباؤ میں لینے کی سیاست ہے۔

اس کے علاوہ کل ہند بابر مسجد ایکشن کمیٹی نے حکومت کے تئیں جو رویہ اختیار کیا ہے وہ بھی ناقابل فہم ہے۔ ایکشن کمیٹی سے وابستہ بیشتر افراد حکومت کے خلاف قریب سمجھے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پی پیر ان کا خاصا اثر ہے لیکن بابر مسجد تنازعہ کے تصفیہ کے لیے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنا اثر استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں جبکہ دوسرا فروق بی جے پی کے ذریعہ حکومت پر مسلسل دباؤ بنائے ہوئے ہے اور حکومت اس دباؤ کے آگے بہت حد تک

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک طرف تو مرکزی حکومت اس تنازع کو بات چیت کے ذریعہ حل کرنے پر مسلسل زور دے رہی ہے اور خود وزیر اعظم دی پی سنگھ نے اس معاملہ میں ہندو اور مسلم لیڈروں سے تفصیلی گفتگو کی ہے اور دوسری طرف اس نے دشنہ پریشد کو زیر ہچھلائے کی پوری چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہی نہیں مرکزی حکومت اور دی پی سنگھ کی حکمت عملی ملاحظہ کیجئے کہ گذشتہ یکم اگست کو جب کہ وزیر اعظم نے ہندو لیڈروں کو گفتگو کے لیے مدعو کیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی کہ یکم اگست کو ورنداون میں ان کی ٹینگ ہے اس لیے وہ اس روز حاضر نہیں ہو سکیں گے لہذا وزیر اعظم نے ہندو لیڈروں کی اس بات پر تسلیم خم کیا اور ملاقات کی تاریخ تبدیل کر دی یکم اگست کو ورنداون میں ہندو لیڈروں نے جو شرانگیز ٹینگ کی اس کی تفصیلات رونگھے کھڑے کر دینے والی ہیں۔ یکم اگست کا دن اشتعال انگیز پروگراموں کی ابتداء کا دن تھا۔ سبائے اس کے کہ وزیر اعظم ان ہندو لیڈروں پر زور ڈالتے کہ وہ اپنے ان پروگراموں کو ملتوی کر دیں چونکہ معاملہ نہ صرف عدالت میں ہے بلکہ اسے گفتگو کے ذریعہ حل کرنے کی بھی کوشش ہو رہی ہے مگر وزیر اعظم نے ایسا نہ کر کے ہندو لیڈروں کو نہ صرف ٹینگ کرنے کی اجازت دی بلکہ اس کے لیے ملاقات کی تاریخ بھی تبدیل کر دی۔

ورنداون کی اس ٹینگ میں جہاں رام جتیم بھومی تحریک کے مختلف خطوط وضع کئے گئے وہیں وشو ہندو پریشد کے جنرل سیکرٹری سٹراشوگ سنگھل نے یہ خطرناک اعلان بھی کیا ہے کہ یوم آزادی ۱۵ اگست کا دن ملک کے کونے میں جیتادنی دیوس (یوم دارنگ) کے طور پر منایا جائے گا۔ اس سلسلے میں مزید کہا گیا ہے کہ آئندہ ۲۱ اگست سے ملک تمام اضلاع میں کارسیوکوں کی تیاری شروع ہو جائے گی اس کے علاوہ ایودھیا میں ۱۹ ستمبر کو آرنی متھن تقریبات کے بعد پورے ملک سے رام جیتیاں کا ششی اور متھرا بھی جائیں گی تاکہ اس سوال پر پورے ملک کو ایک ڈور میں پرویا جاسکے۔ ورنداون میں جمع ہونے والے تقریباً ۵ ہزار سادھو سنوں نے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ ۳۰ اکتوبر

بم اجمودھیا سے باری مسجد کا خنہ ڈھا خنچا ہٹا لے یا پھر تانچ بھگنے کے لیے تیار رہے وشو ہندو پریشد اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی نائب صدر سزوبے راجے سندھیا نے جو ورنداون سے جلسہ میں بنفس نفیس شریک تھیں کہا کہ ملائم سنگھ کو آخر کار عوام کی خواہشات کے آگے جھکا پڑے گا اور بھارتیہ جنتا پارٹی وشو ہندو پریشد کے ہر فیصلے کی حمایت کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہم عدالت کے فیصلے کے پابند نہیں ہیں ہندو کا فی قریبائیاں دے چکے ہیں اور اب ان کے لیے اپنی پہچان قائم کرنے کا وقت آ پہنچا ہے اور اب ہم عزت سے جئیں گے۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر وشو ہندو پریشد کے جنرل سیکرٹری اشوک سنگھل کا یہ بیان قابل غور ہے کہ وہ یوم آزادی ۱۵ اگست جیتادنی دیوس کے طور پر منائیں گے، آئندہ دن وہ یادگار دن جب ملک کو انگریزوں کے جبر و استبداد سے نجات ملی تھی اسے جیتادنی دیوس کے طور پر منانا ملک کی آزادی کی جیتادنی اور انتحاکام کو براہ راست چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ ان بے شمار مجاہدین آزادی کی بھی توہین ہے جنہوں نے وطن عزیز کے لیے قربانی دی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اشوک سنگھل کے اس انتہائی شرانگیز اور توہین انگیز بیان پر ابھی تک ملک میں کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا گیا ہے اور تمام محب وطن دانشور، لیڈران اور قومی پرپس خاموشی کی نیند سو رہے ہیں جب کہ اس سے قبل مسلمان

یہاں وقت پٹنہ ڈوئٹرن کے ڈوئٹرنل کسٹرن تھے۔ انہوں نے ریاستی حکومت کے سخت کامات کے باوجود ضلع روہتاس کی انتظامیہ کو مجبور کیا کہ وہ ضلع میں رام شلا پوجن کے جلوس نکالنے کی اجازت دے اور مقامی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایس پی نے ریاستی حکومت کے فیصلے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس جلوس میں حصہ لیا اور سہرام کے جلوس کو نکالنے کی اجازت دے ڈالی۔ یہی نہیں انہوں نے فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکنے سے روکنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جس کی وجہ سے سہرام میں نادھوٹ پڑا اور اقلیتی فرقے کے درجنوں لوگ ہلاک ہوئے اس فساد میں مسلمانوں کا تقریباً دس کروڑ کا نقصان ہوا، مسٹر ایم جے، اکبر کا کہنا ہے کہ یہ تعجب کی بات ہے کہ سنہا جیسے فرقہ پرست شخص کو وزیر اعظم کے دفتر میں نامزد کیا گیا جس کا ریکارڈ بت گندا ہے ایم جے اکبر نے مطالبہ کیا ہے کہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ جیسے حساس دفتر سے مسٹر سنہا یا ان جیسے دوسرے فرقہ پرست عناصر کو بلا تاخیر ہٹایا جائے اور ایسے عناصر کو عبرتناک سزا دی جائے۔

(نئی دہلی - دہلی)

جاکر دفن ہو گئی ہیں جو مسلمانوں کی ایک چھینک کو بھی حب الوطنی اور وفاداری کے پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ اگر اسی طرح جارح فرقہ پرستوں کی تمام باتوں کو لیں ہی بڑا کیا جاتا رہا تو ایک دن یہ ملک دشمن عناصر ملک کا بیڑہ غرق کر دیں گے یہ بات طے ہے۔

ملک کو ایک صاف ستھری اور پاک و شفاف حکومت دینے کا دعویٰ کرنے والے دی پی سنگھ آہستہ آہستہ خود اپنے ہی جال میں گرفتار ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور ان کی قلعی کھل رہی ہے۔ ایک جانب جہاں جنتا دل کے اندرونی انتشار نے ان کے اندرونی اتحاد کے تمام دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے وہیں دوسری طرف انہوں نے انتظامی اور سیاسی سطح پر بعض ایسے اقدامات کئے ہیں جو ان کی 'صاف ستھری' امیج پر سوالیہ نشان ثبت کرتے ہیں فرقہ پرستوں اور رجعت پسندوں کے لیے اچھے دل میں نرم گوشے کا احساس تو اسی دن ہو گیا تھا جس دن انہوں نے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر پی جے پی فاشسٹ جماعت سے ملتحہ ملا یا تھا اس کے بعد وٹوہندو پریشد کے لیے ہمدردی کا اظہار انہوں نے اس کے نام پر جاری کئے گئے انکم ٹیکس نوٹ کو انتہائی بھونڈے انداز میں واپس لے کر اور نوٹس دینے والے افسر کو معطل کر کے کیا تھا۔ سلسلہ یہیں تمام نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد وٹوہندو پریشد کے جنرل سیکرٹری اشوک سنگھ کے بھائی کو سینئر بورڈ کا چیرمین نامزد کیا گیا اور اب خود وزیر اعظم دی پی سنگھ نے اپنے دفتر میں ایک ایسے فرقہ پرست اور مسلم دشمن شخص کو جوائنٹ سیکرٹری نامزد کیا ہے جس نے گزشتہ سال بہار میں ہوئے مسلم کش فسادات میں ایک اعلیٰ پولیس افسر کی حیثیت میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ اس آئی اے ایس افسر کا نام ہے ششی کانت سنہا۔ مشہور صحافی اور کانگریس کے ترجمان مسٹر ایم جے اکبر ایم پی نے اس انتہائی عجیب و غریب تقرری پر گہری تشویش ظاہر کی ہے اور سیکولر عوام کو اس جانب متوجہ کیا ہے۔ مسٹر ایم جے اکبر کے مطابق گزشتہ برس نومبر میں بھاکپور فسادات کے بعد ریاستی حکومت نے رام شلا پوجن کے جلوسوں پر مکمل پابندی عائد کر دی تھی، مسٹر ششی کا

ایک کالج کے ہوٹل پر ہوتا ہے۔ ہوٹل کے ایک کمرے کے سامنے دیگن رکتی ہے اور اس نوجوان کو دھکے دیتے یہ لوگ کمرے میں لے جاتے ہیں۔ یہ ان کا ”انٹروگیشن سنٹر“ ہے۔ یہاں وہ اپنے ”شکاڑے“ کے جسم پر سگریٹ داغتے ہیں۔ اس کی ہڈیاں توڑ دیتے ہیں اور سہی دیگن بے ہوش نوجوان کو سڑک کے کسی کونے میں کوڑا کرکٹ کی طرح پھینک آتی ہے۔

ہنگامہ آرائی کا پس منظر

مطبوعہ: ۲۹ ستمبر ۱۹۸۹ء

شہر کے معروف چوک میں کسی کالج یا یونیورسٹی کی دوسلیں رکنی ہیں غیظ و غضب مبرے نوجوان طالب علموں کا گروہ باہر نکلتا ہے دو چار سیز وہ اپنے سامنے پھیلا کر لمبے لمبے کے نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں ان کے کچھ ساتھی پہلے سے اپنے پاس موجود ٹائروں کو سڑک کے درمیان رکھ کر آگ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ سڑک کے چاروں طرف ٹریفک جام ہو جاتی ہے نوجوان کچھ دیر تک نعرہ بازی کرتے ہیں اور جلتے ٹائر چوڑ کر جن بسوں میں آئے تھے ان میں میٹھ کر اپنی راہ لیتے ہیں۔ اپنے پیچھے وہ جلتے ٹائر دھواں اور دھشت چھوڑ جاتے ہیں کوئی اس آگ کو بجھانے کی ہمت نہیں کرتا جلتے ٹائروں کے دھواں بائیں سے راستہ بنا کر مارن بجاتے لوگ گاڑیاں کسی نہ کسی طرح نکال کر لے جاتے ہیں ٹائر آخری لمحے تک جلتے رہتے ہیں۔ انہیں بجھانے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ ہاتھوں میں پستول لہراتے گولیاں برساتے طلبا ہوسٹلوں میں مورچہ بند طلبا مختلف تنظیموں پر دشمنوں کے سے انداز میں جھپٹنے والے طلبا۔ درس گاہوں کو ہنگامہ آرائی کے بھینٹ چڑھانے والے طلبا کیا ہے ہمارا مستقبل۔

مستقبل کے ان معماروں کے ہاتھوں سے کتنا میں چھین کر یہ کس ظالم نے ان کو آتشیں اسلحہ متھادیا۔ ان سیدھے سادے نوجوانوں کو درندگی کا روپ دھارنے پر مجبور کرنے والے خفیہ ماخذ کس کے ہیں؟ کون سے ہیں؟ ان پتلیوں کو بچانے والے مشتاق ہاتھوں پر کس نے پردہ ڈال رکھا ہے؟ درگاہوں میں آکر علم کی پیاس بجھانے والے اپنے مستقبل کے لیے مکر مند غریب سفید پوش والدین کی اولاد ان نوجوانوں کو کس نے اس راہ پر ڈال دیا۔ کیا سیاسی جماعتیں اس کی ذمہ دار ہیں؟

پاکستان کے ایک بڑے شہر کی بھری پریسی شاہراہ کے ایک معروف چوک میں ایک دیگن رکتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور دیگن سے لاکیوں اور لوہے کے سرلوں سے مسلح چار نوجوان باہر نکلتے ہیں ان کا رخ دیگن کے نزدیک بس سٹاپ کے ایک کونے میں موٹر سائیکل پر موجود نوجوان کی طرف ہے جو اپنے ایک دوست سے محو گفتگو ہے۔ حملہ آور مغلطات بکتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے ہیں نوجوان کو گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھنے کا مہلت ہی مشکل مل پاتی ہے جب حملہ آور اس پر پل پڑتے ہیں اس کا ساتھی حملہ آوروں کو دیکھتے ہی جان بچانے کے لیے بھاگ اٹھتا ہے۔

حملہ آور موٹر سائیکل سوار کو مار کر ادھڑا کر دیتے ہیں جب وہ نیم بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے تو پہلے سے سٹارٹ دیگن میں سوار ہو کر بھاگ جاتے ہیں شہر کے اس معروف چوک میں عوام کا ٹھٹھاٹھیں مارنا سمندر دور سے یہ نظارہ دیکھتا رہتا ہے کوئی مداخلت نہیں کرتا کوئی مددگار نہیں آتا۔ ان تماشہ دیکھنے والوں میں پولیس کا نیبل بھی شامل ہیں جو اتفاقاً یہاں ڈیوٹی پر موجود ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا ہی منظر ہے شہر کے ایسے ہی بارون علاقے میں وہی دیگن رکتی ہے پستولوں سے مسلح نوجوان بسماء ہوتے ہیں سڑک کے ایک کونے میں کھڑے ایک نوجوان کو اس کی چیخ و پکار سے لا پرواہ ہو کر مغلطات بکتے ہوئے دیگن میں زیر دست سوار کرتے ہیں۔ مغلوب مدد کے لیے چلاتا ہے ہے کوئی مدد کو نہیں آتا اور علم آور سے اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ اس مرتبہ سفر کا مقام

بحث ہے لیکن ان کے والدین کے دلوں پر کیا قیامت ٹوٹی ہے؟ ان کی دنیا کی طرح اندھیر ہو کر رہ جاتی ہے اس اذیت ناک صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکتا۔ خدا جانے کون ان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

حال ہی میں لاہور شہر میں ایک طلبہ تنظیم کے دفتر پر مخالفین کی اندھا دھند فائرنگ سے ایک نوجوان شدید زخمی ہوا اور پھر موت و حیات کی کشمکش میں رہنے کے تین چار روز بعد جاں بحق ہو گا۔ دونوں اطراف سے الزامات کی بوچھاڑ ہوئی۔ ممکن ہے کہ کچھ گرفتار یا بھی عمل میں آجائیں پھر عدالت کی تھک دینے والی کارروائی شروع ہو جائے گی لیکن احتساب کے اس تھک دینے والے عمل کے باوجود کیا مجرم کیفر کر دار کو پہنچ سکیں گے!

کیا دنیا کی کوئی طاقت اس نوجوان کو واپس لاسکے گی جو اگر زندہ رہتا تو ممکن ہے ملک و قوم کے لیے گنج گمانیہ ثابت ہوتا۔ کچھ عرصے پہلے ملتان میں اس تنظیم کے ایک نوجوان کو اپنی جان سے ملے تھک دھونا پڑے جس ضمن میں اسلامی جمعیت طلبہ نے مرکزی وزیر صحت محتار اعوان کو ذمہ دار ٹھہرایا اور ان کی گرفتاری کا مطالبہ کیا گیا اب حکومت پنجاب اس کیس میں وفاقی وزیر کو گرفتار کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

طلبا کی مختلف تنظیموں کی طرف سے سرکاری حکام پر الزامات لگانے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس ضمن میں اسلامی جمعیت طلبہ نے لاہور کے واقعات میں ایک صوبائی میئر کو مورد الزام ٹھہرایا ہے جبکہ متعلقہ حلقہ تک رہے ہیں کہ ان کا یا ان کی تنظیم کا ایسے واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

صورت حال کچھ بھی رہی ہو سرکاری عامل کا ایسے واقعات میں ملوث ہونا ملک و قوم کے لیے اچھا شگون نہیں ہے۔ ہمارے ہاں الزامات لگانے کی روایت بھی عام ہے لیکن ایسے سنگین الزامات کو محض معمول کی کارروائی سمجھ کر ٹال دینا قرین انصاف نہیں۔ ان الزامات کی فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات ہونی چاہئے۔ ہمارے ہاں پچھلے کچھ عرصے سے ایک اور قباحت جڑ پکڑنے لگی ہے کہ ظالم و مظلوم کو ایک ہی پلٹے میں تو لاجائے لگا ہے۔ قاتل اور مقتول کے ساتھ یکساں سلوک انصاف کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے ایسے معاملات میں

پولیس ذمہ دار ہے؟ محکمہ تعلیم یا انتظامیہ ذمہ دار ہے؟

شاید یہ تینوں یا پھر شاید ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ آپ کسی بھی طلبہ تنظیم کے پس پردہ موجود سیاسی جماعت کے لیڈروں سے اس مسئلے پر بات کر لیجیے۔ وہ آپ کے سامنے دلائل کا انبار لگا کر پیش ثابت کر دیں گے کہ اول تو متعلقہ طلبہ تنظیم کا ان سے کوئی دوریار کا تعلق ہی نہیں۔ اگر ہے بھی تو وہ اپنے معاملات خود دیکھتے ہیں اور خود ہی اس کے ذمہ دار ہوں گے کم از کم کوئی سیاسی جماعت اپنی ذیلی طلبہ تنظیم کو یہ ہدایت نہیں کرتی کہ وہ شہر کے گلیوں بازاروں میں اپنے ہی ہم مکتبوں کے خون سے ہول سے کھیلنے لگیں۔

پولیس کے اعلیٰ افسران ہوں یا پھر اعلیٰ افسران وہ تو اس مسئلہ میں کسی بھی طرح ذمہ دار نہیں ٹھہرائے جاسکتے اگر مسلح طالب علموں کو ایک دوسرے پر گولیاں برساتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموش تماشا بن کر کھڑے رہتے ہیں تو اس کی بھی ان کے پاس بتانے کے لیے کئی وجوہات ہوں گی۔ محکمہ تعلیم کو تو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ ان کا مفاد تو تعلیم سے وابستہ ہے کسی تنظیم سے تو نہیں۔ حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے بھی اس سلسلے میں ایک بیان دیا کہ ان کا دفتر اولڈ ٹیمپس ہے بنصوہ میں نہیں۔ یہ سوال بہر حال اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر انتظامیہ سیاست دان پولیس میں سے کوئی اس ہنگامہ آرائی کا ذمہ دار نہیں تو آخر کون اس کا ذمہ دار ہے کیا والدین جن کے بڑے چلپے کی یہ نوجوان امید ہوتے ہیں جو اپنا پیٹ کاٹ کر اپنی تمناؤں کا خون کر کے دن رات محنت کرنے کے بعد اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرتے ہیں۔ ان کی روزمرہ ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے والدین کو کیا کیا پاڑ بیلنے پڑتے ہیں اس کا احساس کرنے کا شعور بھی ان نوجوانوں کے پاس موجود ہے اپنے والدین کی فی زمانہ مشکلات کا انہیں اندازہ ہے۔ کوئی باپ نہیں چاہے گا کہ وہ اپنے بیٹے کو ڈاکو یا قاتل بنا دے۔ وہ بدقسمت طالب علم جو پٹرول پمپوں کو لوٹنے یا کسی خالوں کا پرس چھینتے ہوئے گرفتار ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ قانون کیا سلوک کرتا ہے۔ یہ الگ

عورتیں مجرم کیوں بنتی ہیں

مطبوعہ: ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۹ء

پاکستان میں ایک نظریاتی اسلامی ملک ہونے کے ناطے خواتین کو معاشرے میں وائٹ منس کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آج بھی اگر آپ کو عام بس میں سفر کرنے کا اتفاق دلو آپ کے ساتھ رہے میں آیا ہو گا کہ کسی خاتون کے احترام میں عوام لوگ اٹھ کر بٹے ہو جاتے ہیں اور اپنی سیٹ اس کے لیے خالی کر دیتے ہیں۔ آپ کو اس بیت کی بے شمار مثالیں آج بھی معاشرے میں ملیں گی جو اس امر کا ثبوت ہے کہ ہمارے یہاں عورتوں کے لیے مرد کے دل میں احترام کا پیدائشی جذبہ موجود ہے۔ جب ایسے معاشرے میں یہ سننے کو ملتا ہے کہ فلاں جگہ پولیس نے یا کسی بااثر شخص نے کسی مظلوم اور بے گناہ عورت کے خلاف کوئی غلط حرکت کی ہے اس پر ہم کہیں تو جہاں اس خبر کا شدید رد عمل ہوتا ہے وہاں بنیادی سوال یہ بھی جنم لیتا ہے کہ ہمارے یہاں کیا واقعی عورت کی تزیین ہوتی ہے۔ لیکن یہ تو تصویر کا ایک رخ ہے، آئیے آپ کو تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھا دیں۔

آج دنیا سمٹ کر ایک شہر کی صورت اختیار کر گئی ہے اور ایک تہذیب دوسری تہذیب سے ایک معاشرے کا دوسرے معاشرے کی اچھائیوں اور برائیوں کو قبول کرنا کچھ ایسی عجیب بات بھی نظر نہیں آتی۔ دنیا میں جرائم جس نکتہ عروج پر پہنچے ہیں اور خصوصاً مغربی ممالک میں خواتین جرائم کی دنیا میں جس تیزی سے داخل رہی ہیں اس کا اثر کیا ہمارے معاشرے کی خواتین نے بھی قبول کیا ہے؟

فریقین کو انصاف ملنا چاہیے مسلمان کا خون اتنا ارزاں نہیں کہ اسے سیاسی مصالحت کی جینٹ جیٹھ دیا جائے۔ اس معاملے میں حکومت کی نرمی یا نرم پالیسی سے ممکن ہے سیاسی نتائج تو اچھے مرتب ہو جائیں لیکن سماجی طور پر یہ بڑا تباہ کن معاملہ ہے۔ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ اب پانی سر سے گزرنے لگا ہے اور حکومت کو اس معاملے کو سیریس لینا ہو گا۔

طالب علم وہ ہے جو علم کی طلب کے لیے گھر سے نکلتا ہے جس طالب علم کے پاس کلائٹ کو آجائے اور وہ اپنے ہم کتبوں کے خون سے ہونی کھیلنے لگے اسے طالب علم کہنا علم کی توہین کے مترادف ہے۔ یہ نوجوان ہمارا مستقبل ہیں اور کوئی حکومت یا قوم اپنے مستقبل سے لاتعلقی رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔

چ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کرنے کا حکم دیا۔

پندرہ منٹ کی تفتیش میں اس نے بتا دیا کہ وہ اپنے آشنا کی مدد سے اپنے خاوند اور تمام بچوں کو جنات کا ڈھونگ رہا کہ ختم کر چکی ہے اس نے مجھے بتایا کہ اس کا آشنا اسے چوہے مارنے کی دوا لاکر دیتا تھا جس کو وہ پس کر مقتولین کو پلا دیتی تھی۔

میں نے گاؤں والوں کے سامنے اسے سارے ڈرامے کو دہرانے کے لیے کہا۔ اس نے ڈھول بجانے والوں کو اکٹھا کیا اور وہ سارا منظر دہرایا گیا کہ یہ لوگ کس طرح یہ گناہ ڈونا کھیل رہا ہے تھے۔

آپ اندازہ کیجئے کہ اتنا خطرناک منصوبہ بھی براہ راست رانی نے نہیں بلکہ اس کے آشنا نے تیار کیا تھا۔

میرا تجربہ بتاتا ہے کہ عورت کا ذہن عموماً بناوت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی معمولی سادہ واقعہ اس بناوت کا سبب بن جاتا ہے۔ آپ نے کبھی یہ سوچا کہ ایک عام گھریلو عورت اپنا مکنا خشہ بن جاتی ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔

یاد رکھیے کہ جتنی بہترین سکیم عورت تیار کر سکتی ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کی قوت فیصلہ بے حد مضبوط بھی ہوتی ہے اور عورت جو قدم اٹھا سکتی ہے شاید کوئی مرد اس کی سے نہیں اٹھا سکتا۔ آپ مارگریٹ تھیچر کی مثال لیجئے۔ اس نے "ناک لینڈ" پر فتح کشتی کا جو فیصلہ کیا تھا شاید کوئی مرد برطانوی وزیراعظم نہ کر پاتا۔ اس طرح مسز اندرا گاندھی کی مثال لیجئے اس نے جتنے اہم فیصلے کئے ہیں وہ شاید اور کوئی مرد بھارتی وزیراعظم نہیں کر سکتا تھا۔

عورت کی ایک کمزوری جسے خاص طور پر مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ وہ انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے

انتقام لینے کی دھن میں وہ کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتی اور بہ صورت اپنی سی کر گزرتی ہے۔ ڈی آئی جی صاحب نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا کہ پاکستان کے ایک بڑے شہر میں ایک بڑے گھرانے کی لڑکی نے اپنے منگیت کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا جب وہ

ہمارے ہاں کس نوعیت کے جرائم میں خواتین ملوث ہوتی ہیں اور اس میں معاشرہ خصوصاً وہ حالات جن میں وہ سانس لے رہی ہوں کس حد تک مل دخل رکھتے ہیں۔ اس صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے کرائمز سچائے کے ڈی آئی جی چوہدری شام احمد کہتے ہیں۔

”ہمارے ہاں خواتین کا کردار جرائم میں ثانوی ہوتا ہے، یعنی وہ عموماً کسی کی آلہ کار بن کر کسی کے انگیزت پر ہی کسی جرم میں ملوث ہوتی ہیں۔ میری زندگی میں شاید ایک ایسی عورت آئی ہے جس نے اپنے آشنا کی خاطر اپنے پانچ بچوں اور ان کے باپ کو قتل کیا اور یہ سارا منصوبہ اس نے اپنے ذہن سے تیار کیا تھا۔

یہ ہماری بات ہے میں ان دونوں ملتان میں ایسی ایسی پی تھانہ ملتان سے ڈپا پیس میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں سے ایک عجیب بات سننے میں آئی کہ وہاں جنات رانی نامی ایک عورت کے بچوں کو ایک ایک کر کے مار رہے ہیں۔

واقعات کچھ اس طرح ہوتے تھے کہ رانی کے مکان کے ایک خاص کمرے میں جنات آتے تھے اور وہ اس کے کسی بچے کو مار ڈالتے تھے۔ جنات کا خوف ایسا تھا کہ عام آدمی تو کیا پولیس بھی ڈر کے مارے ادھر کا رنج نہیں کرتی تھی۔ جنات نے پہلے اس کے خاوند

کی جان لی پھر ایک ایک کر کے اس کے بچے مرتے گئے۔ جب جنات نے اس کے پانچویں بچے کو بھی مار ڈالا تو میں نے کہیں کی انگیزی کے پیش نظر براہ راست مداخلت کا فیصلہ کیا۔ میں خود اس گاؤں میں پہنچ گیا۔ میری آمد پر نزدیک و دور کے دیہات سے بھی خاصے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ جن کس جگہ رہتے ہیں۔ دیہاتوں نے

ایک بند کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر یہی بات آئی کہ عین ممکن ہے کہ مسلسل بند رہنے کی وجہ سے یہاں سے زہریلی گیس کا اخراج ہو رہا ہو اور مقتولین اس کا شکار ہو گئے ہوں۔ میں نے کمرے کا دروازہ ٹوڑنے کا حکم دیا۔ لوگوں

پر جنات کی ایسی دہشت طاری تھی کہ خوف کی وجہ سے کوئی وہاں ٹھہرنے پر بھی تیار نہیں تھا۔ ہر گیت دروازہ ٹوڑا گیا۔ اندر کچھ بھی نہیں تھا میں نے رانی کو گرفتار

عورت بنیادی طور پر نیک فطرت ہے وہ ماں ہوتی ہے بہن ہوتی ہے اور بیٹی اور بیوی ہوتی ہے لیکن حالات اگر اسے خراب کر دیں تو پھر وہ جرائم میں کسی بھی طرح مردوں سے پیچھے نہیں رہتی کیونکہ مجرمانہ ذہنیت کی حامل ہو جانے کے بعد وہ اصولی طور پر اپنے عورت پن کو چھوڑ دیتی ہے آپ اپنے معاشرے میں دیکھیں کیا یہاں ایسے واقعات نہیں ہوتے کہ ساس نے بہو کو تیل ڈال کر جلادیا اور وہ چولہا پھٹنے لگا کہیں بن جاتا ہے گو کہ ایسے کیس بہت کم ہوتے ہیں لیکن ایسا ہوتا ہے اور ہوتا ہے گا اب آپ کیا کہیں گے؟

کیا وہ عورت جو دوسری عورت کو اتنے ظالمانہ طریقے سے زہمہ آگ میں جلا ڈالے وہ مجرم نہیں؟ اس کے جرم کی نوعیت کا فیصلہ کن کرے گا؟
عموماً جو عورتیں یہ حرکت کرتی ہیں وہ جرائم کے معاملے میں ماضی کا صاف ریکارڈ رکھتی ہیں۔ لیکن اتنا گناؤں کا جرم وہ اچانک کر گزرتی ہیں کیا اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جرم کبیں نہ کیں ان کے لاشعور میں پل رہا ہوتا ہے۔

مجرم عورتوں سے پولیس کا سلوک

پاکستانی قوانین کے مطابق کسی بھی عورت کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس کو خصوصی اختیاط سے کام لینا ہوتا ہے۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔۔۔ کوشش کی جائے گی کہ عورت کو رات کے وقت گرفتار نہ کیا جائے۔ اگر ایسا ناگزیر ہو جائے تو بھی گرفتاری کی اس مہم کی قیادت اعلیٰ پولیس افسر کرے گا۔ عورتوں کو گرفتار کرنے کیلئے خواتین پولیس کو استعمال کیا جائے گا۔

۲..... اس صورت میں ملزم عورت کے ہمایہ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور ان کے سامنے گرفتاری عمل میں آئے گی تاکہ عورت کے تقدس کے خلاف کوئی بات رونے پائے۔

۳..... ملزم عورت کو مرد پولیس والے کو چھونے کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔
۴..... عورت کی گرفتاری سے جابمہ تلاشی تک کے مراحل میں خاتون پولیس اہل ہی تمام امور کی نگرانی کرے گی۔

۵۔۔۔۔۔ ملزم عورت کی تفتیش عام پولیس آفیسر نہیں بلکہ ایک خاص رینک کے اہلکار کا پولیس آفیسر ہی کر سکتا ہے۔

۶۔۔۔۔۔ محسوس کی اجازت کے بغیر تفتیش نہیں کی جاسکتی۔

..... دورانِ تفتیش کسی بھی وقت لواحقینِ عورت کا طبی معائنہ کرنا سکتے ہیں۔

۸..... کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے عورت کے تقدس اور احترام پر مجروح ہوتا ہو۔

پاکستانی قوانین کے مطابق پولیس کو اس بات کی سختی سے ہدایت کی جاتی ہے
 اسلامی روایات کے مطابق عورت کے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے خواہ وہ ملزم
 کی بہن ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہمارے ہاں صورتحال
 کے بالکل برعکس ہے اور پولیس اپنی من مانی کرتی ہے کسی قانون کو خاطر میں نہیں
 لاتا نیز ایک الگ معاملہ ہے۔ زندگی کے دیگر معاملات کی طرح پولیس کے معاملہ
 کا بے قاعدگی کی اصلاح ضروری ہے جہاں تک قوانین کا تعلق ہے وہاں عدالت کے
 اہلکے سلسلے میں تخصیص سے کام لیا گیا ہے۔

عورت کے جرائم کی نوعیت

عال ہی میں اخبارات میں یہ بات پڑھنے میں آئی ہے کہ کراچی جیسے ماڈرن شہر میں

خواتین کا الیگروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیشہ ور ڈاکوؤں کی طرح کام کرتا ہے۔ اس گروہ نے شہر میں وارداتیں بھی کیں اور بیگروہ خود کار سہیلوں سے مسلح ہے۔

ایسا پاکستان میں شاید پہلی مرتبہ سننے میں آیا ہے لیکن مغربی دنیا میں یہ روش عام ہے مین ممکن ہے یہ مغربی افکار کی پردہ بگڑی ہوئی حوازا دیوں کا کارنامہ ہو۔

لیکن یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان میں عورتوں میں جرائم نے زیادہ زور نہیں پکڑا اور اس کا واحد سبب ہماری اسلامی اور مشرقی اقدار روایات ہیں پاکستان جیلوں اور پولیس سٹیشنوں کا سروے کیا جائے تو یہاں زیادہ تر عورتیں دھوکے کے الزامات کے تحت گرفتار ہوتی ہیں۔ جن میں سرفہرست چوریاں اور جسم فروشی کے الزامات ہیں۔ پولیس کے پاس عموماً تھیر گری کرنے والی عورتوں کا ریکارڈ درہلے ہے۔ یہ عورتیں دھوکے کے تحت گرفتار ہوتی رہتی ہیں۔

ان میں زیادہ تعداد ان عورتوں کی ہے جن کا آنا جانا اکثر تھانوں اور جیلوں میں لگا رہتا ہے اور انہیں پیشہ ور عورتیں کہا جاسکتا ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ عورتوں کی تعداد میں اضافہ اس شرح سے نہیں ہو رہا جس کو تشویش کا کہا جاسکے۔

ضمن میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ایسی خواتین کو معاشرے میں خاصے مضبوط ہاتھوں کی پشت پناہی میسر آ جاتی ہے اور عموماً وہی خواتین پولیس کی گرفت میں آتی ہیں جن کا تعلق چھوٹے طبقے سے ہوتا ہے یا پھر جو کسی باقاعدہ گروہ کی رکن نہیں ہوتیں۔

یہ بات بحث طلب ہے کہ پاکستان میں اس نوعیت کے جرائم میں ملوث کتنے فیصد خواتین اپنی مرضی سے یہ دہندہ کرتی ہیں کتنے فیصد مجبوری سے اور کتنے فیصد کسی دباؤ یا جبر کے تحت۔ اس بات میں بہر حال کوئی شک نہیں کہ جسم فروشی کے الزامات میں گرفتار خواتین کا تعلق تینوں قسم کے طبقات سے ہوتا ہے۔

خواتین کی نلاح و صہود کی دعوں پر انجمنوں اور خواتین لیگل ایڈ کیٹی کی رہنمائی کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جو خواتین اس الزام کے تحت گرفتار ہوتی ہیں ان کا اور کمزوری کے سبب قابو آ جانے والی خواتین کو گمراہ کرتی ہیں اور انہیں جسم فروشی کی زیادہ تعداد بے گناہ ہوتی ہے اور انہیں محض دشمنی کے تحت اس الزام میں پھنسا دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اس الزام کے تحت گرفتار ہونے والی عورتوں کی اکثریت کمزور اور کمزور طبقے کی ہے۔ ان میں سے کچھ ایسی ملزم عورتیں بھی ہیں جو گھروں سے بھاگنے والی ہیں اور انہیں جسم فروشی کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کے جرائم کی انہماک کے بعد سب سے خطرناک قسم ہے۔

اس کے علاوہ اس الزام کے تحت گرفتار ہونے والی عورتوں کی اکثریت کمزور اور کمزور طبقے کی ہے۔ ان میں سے کچھ ایسی ملزم عورتیں بھی ہیں جو گھروں سے بھاگنے والی ہیں اور انہیں جسم فروشی کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کے جرائم کی انہماک کے بعد سب سے خطرناک قسم ہے۔

متعلق ہو صرف یکٹ لینا ہی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ دیکھتے بغیر کہ اس کے معاشرتی اثرات کیا ہوں گے۔ اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ کوئی ایک خاتون جس کو پولیس کسی جرم میں ملوث جان کر گرفتار کرتی ہے یہ الگ بحث ہے کہ اس کی گرفتاری صحیح ہے یا غلط اور اس کے ساتھ ناروا سلوک کی شکایت ملتی ہے خواتین کے متعلقہ انجمن اس خاتون تک رسائی حاصل کرتی ہیں اور اسے پولیس کی حراست سے چھڑا کر عوام کی عدالت میں لایا جاتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر معاشرے کی اپنی اقدار ہوتی ہیں، فرض کیجئے۔ جس عورت کی مدد کی جارہی ہے وہ عام گھریلو عورت ہے اور پولیس کے سامنے آنے سے اس کی گھریلو مشکلات میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے لیکن اس بابت کی پروا نہیں کی جاتی اور مدد سے زیادہ تشہیر پزور دیا جاتا ہے۔ پولیس رپورٹرز کے سامنے مختلف سوالات کے ذریعے اس خاتون کی زبانی پولیس کے ناروا سلوک کی تفصیلات بیان کروائی جاتی ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کہ پولیس کا یہ جرم ناقابل معافی ہے اور متعلقہ پولیس اہلکاروں کو جو اس میں ملوث رہے ہوں سخت سے سخت ترین سزا ملنا چاہیے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بے کس اور بے بس عورت جو پہلے ہی پولیس کے مظالم کا دکھ اٹھائے ہوئے ہے اسے تماشہ بنا دیا جائے۔

اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ متاثرہ خاتون کو قانونی امداد مہیا کی جائے اور قانونی طریق کار اپناتے ہوئے مجرموں کو کیفر کی دارت تک پہنچا جائے۔

پاکستان میں عورتوں میں خصوصاً تعلیم کا نہ ہونا بھی ان کے مجرم ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ پاکستانی جلیوں اور خواتون میں کئی ایسی خواتین موجود ہیں جنہیں اس بات کا بھی علم نہیں کہ اگر ان کے مرد انہیں طلاق دے دیں تو عورت کے مخصوص ایام گزرنے کے بعد ہی وہ دوبارہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عدت کی شرط صرف بیوہ کے لیے ہی ہے حالانکہ ”مطلقہ“ کے لیے بھی یہ شرط ضروری ہے۔ جب کوئی مطلقہ خاتون اس قانون سے لاعلم ہونے کے سبب ایام عدت کے دوران

کیونکہ اس قماش کی مجرم عورتیں معصوم اور سیدھی سادھی عورتوں کو بلیک میل کر کے یا دھکی کے ذریعے بھی اپنے ڈھب پر لے آتی ہیں۔

بچوں کے اغوا کی وارداتوں میں بھی عورتیں ملوث پائی گئی ہیں لیکن اس جرم میں ملوث عورتوں کو بھی ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خواتین کا کوئی ایسا مکمل گروہ موجود ہے جو براہ راست اس جرم میں ملوث ہو اور بچوں کو اغوا کر کے خورد فروخت بھی کر دیا ہو۔ مشاہدے میں یہی بات آتی ہے کہ عموماً بچوں کو اغوا کرنے والی خواتین اغوا شدہ بچے کو خاص مقام یا مخصوص گروہ کے ہاتھوں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتی ہیں۔ انہیں مخصوص کمیشن دے دیا جاتا ہے۔

ہیروئن کی سمگلنگ میں ملوث پاکستانی خواتین کی تعداد بہت کم ہے لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہر حال خواتین اس جرم کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ اس میں حیرت کی بات یہ ہے کہ ایسی خواتین کو پاکستان میں کم اور غیر مسالک میں زیادہ گرفتار کیا جاتا ہے یا شاید پاکستان میں اس جرم میں گرفتار خواتین کے معاملات کو دبا دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی پشت پناہی بڑے بڑے گروہ کر رہے ہوتے ہیں۔ شاید یہ وادہ بین الاقوامی معیار کا جرم ہے جس میں پاکستانی خواتین ملوث ہوتی ہیں۔

پاکستان میں ہونے والے جرائم کا مجموعی جائزہ لینے کے بعد بہر حال یہ حوصلہ افزا بات ہے کہ پاکستانی عورتوں کا رجحان اس طرف بہت کم ہے اور زیادہ تر خواتین جو مختلف الزامات کے تحت گرفتار ہوتی ہیں انہیں یا تو دشمنی اور یا پھر غلط فہمی کی پر گرفتار کیا جاتا ہے۔ عورتوں کے حقوق اور مسائل کے حوالے سے کام کرنے والی تنظیموں خصوصاً عورت فاؤنڈیشن لیگل ایڈیوکیٹری وغیرہ کو اس معاملے کے دوسرے سپلوٹ کا جائزہ بھی لینا ہوگا۔ صرف عورت کو مظلوم کہہ دینا کافی نہیں بلکہ اس مظلومیت کا پس منظر بھی ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔

ہمارے یہاں خواتین کے مسائل سے عہدہ براہونے کے لیے مختلف ایجنٹوں کا کام کر رہے ہیں لیکن ان کا مسئلہ بڑا عجیب ہے یہاں ہر بات پر جو کسی بھی خاتون سے

اسلامی قانون کو ختم کرنے کی اجازت نہیں دیں گی کیونکہ یہ اسلام کا نظام فطرت ہے اس
تشکیش میں خود پاکستانی عورت کا کیا نقصان ہو رہا ہے اس کا اندازہ شاید کسی کو نہ ہو۔
پولیس کی طرف سے مختلف الزامات کے تحت خواتین کو گرفتار کرنا ان کے
ساتھ ناروا سلوک اور پولیس تھانوں میں عورتوں کی بے عزتی اور بے حرمتی کے
بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش کا جتنا بھی اظہار کیا جائے کم ہے گزشتہ دنوں پولیس
تھانوں میں خواتین ملزموں کے ساتھ ہونے والی پے در پے زیادتیوں کے خلاف
سراپا احتجاج ہونے کے بعد خواتین نے ایک جلوس نکالا تھا اور پنجاب پولیس کے
اٹی جی سے اس مسئلے پر زبردست احتجاج بھی کیا تھا۔

اس صورتحال پر تب پنجاب پولیس کے آئی جی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ
پنجاب پولیس اس بات کا سنجیدگی سے جائزہ لے رہی ہے کہ خواتین کے ساتھ مردانہ
پولیس کی زیادتیوں کی بڑھتی ہوئی شکایات کے پیش نظر خواتین کے لیے الگ تھانے
اور حوالات قائم کی جائیں یہاں کا تمام عملہ زنانہ پولیس پر مشتمل ہوگا۔ اگر آئی جی پنجاب
کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا جائے تو بہت سے مسائل کا خاتمہ ممکن ہوگا کیونکہ مردانہ
پولیس کی طرف سے خواتین ملزموں کے خلاف شکایات بہت عام ہیں۔

یہی طریق کار جیلوں میں بھی اپنا ناضوری ہے اور خواتین کے لیے جیلیں بھی الگ
ہونی چاہئیں جہاں بیئرٹنڈنٹ سے لے کر عام گارڈ تک قانون کو ہونا چاہیے کیونکہ
ام جیلوں میں چند خواتین قیدیوں کے متعلق بھی بہت سی داستانیں اخبارات میں
نائج ہوتی رہتی ہیں۔

عورت جرم کیوں کرتی ہے؟ اس کے پس پردہ محرکات کیا ہیں؟ اس کا
نہ لینا بھی ضروری ہے ہمارے معاشرے میں بدقسمتی سے گزشتہ چند سالوں میں
یون کاز ہر بڑی تیزی سے پھیلا ہے جس نے ہماری معاشرتی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ
دیا ہے۔ بدقسمتی سے اس لعنت کا شکار نوجوان زیادہ ہوئے ہیں ان میں وہ عیال دار
بھی شامل ہیں جو اپنی خراب زندگی بسر کر رہے تھے لیکن کسی نہ کسی طرح اس لعنت

نکاح کر لیتی ہے تو مخالفین اس کے خلاف پوچھ درچ کر دیتے ہیں اور وہ قانونی طور
پر سزا کی گرفت میں آ جاتی ہے۔

چاہئے تو یہ کہ ایسے معاملات کا مثبت حل نکالا جائے اور خواتین کی باقاعدہ
ایجوکیشن کی جائے کم از کم دیہات کی سطح پر انہیں ان کے اسلامی حقوق اور فرائض
سے ضرور آگاہ کیا جائے لیکن ہمارے مل میں بدقسمتی سے زندگی کے بیشتر معاملات میں
انتہا پسندی کا رویہ رواج پا چکا ہے اور خواتین کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار انجمنیں بھی
لا شعور ہی طور اس راہ پر چل نکلی ہیں۔

بجائے صورتحال کی اصلاح کے اسلامی قوانین کو ہدف تنقید بنا یا جاتا ہے۔ اس
ضمن میں حال ہی میں مرکزی وزیر برائے امور خواتین مسر سچانہ سرور کا یہ بیان بھی غل
نظر ہے کہ ہیلپ لائن کی حکومت حدود آرڈیننس کو ختم کروانے کی کوشش اس آرڈیننس
سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں اور بیشتر خواتین کو اسی قانون کے تحت گرفتار کروا
دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں بہت سی خواتین رہنماؤں کی طرف سے بھی یہ کہا گیا ہے کہ
حدود آرڈیننس کی اڑے کر کسی بھی عورت کو اس کے مخالفین گرفتار کر دیتے ہیں اور
پھر ایک طویل مدت تک اس کی ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔

وزیر موصوفہ نے اس ضمن میں ”اسلامی قانون“ کو ”امتیازی قانون“ قرار دیا اور یہ
بھی فرمایا کہ وہ خواتین کے خلاف اس امتیازی قانون کو ختم کر کے ہی دم لیں گی۔
کیا یہ صورتحال کا صحیح جائزہ ہے۔

کوئی بھی اسلامی ذہن رکھنے والی قانون شاید محترمہ سرور کی اس بات سے
اتفاق نہ کرے کیونکہ اسلامی نظام کے اصول انسانوں کے لیے باعث رحمت ہی ہو سکتے
ہیں خدا نخواستہ باعث زحمت نہیں ہو سکتے۔

اگر کسی قانون کا غلط استعمال شروع ہو جائے تو وہ الگ بات ہے لیکن یہ کہنا
ہرگز ٹھیک نہیں کہ اسلامی قانون تعزیر کا نظام ہی چیلنج ہو نیلے لائق ہے۔ اسلام اپنے
خواتین کی انجمنوں نے اس بیان پر سخت احتجاج کیا تھا اور کہہ ہے کہ وہ کسی ”مدد“ کے

میں پھنس گئے۔ ان کے میوی بچے بھی ہیں۔

جب کراچی خون میں نہایا

ایک عورت جس نے اپنے بچوں کا پیٹ بھرنا ہے، انہیں تعلیم دلانی ہے اور بدقسمتی سے خاوند کے ناکارہ ہونے کے بعد سمانترے نے بھی جس سے منہ موڑ لیا اور اپنے گھر کا خرشع بھی اسی کو چلانا ہوا تو عین ممکن ہے کہ اس پر حالات کی گرفت اتنی سخت ہو جائے کہ اسے مجبور ہو کر چوری کرنا پڑے یا خدا نخواستہ مجبور ہو کر غلط پیشہ اختیار کرنا پڑے۔ اس عورت کو یوں تو مجرم ہی کہا جائے گا لیکن اس کے پس پردہ حقائق پر شاید بہت کم لوگوں کی نظر جاتی ہے۔

بدقسمتی سے ہماری معاشرتی اقدار کچھ ایسی قابل فخر نہیں رہ گئیں۔ خصوصاً ہمارے دیہاتوں میں جاوید کے حصول کے لیے عورت کو نہ صرف مرد کی طرح قتل کر دیا جاتا ہے بلکہ ساری زندگی اس کو شادی کرنے کی اجازت بھی اس خوف سے نہیں دی جاتی کہ کہیں اس سے پیدا ہونے والی اولاد جاوید میں اپنا حصہ نہ طلب کر لے۔ ان حالات کا فائدہ عورت کچھ بھی کر سکتی ہے۔

واقعات کو دیکھنے کا، اندازہ لگانے کا اور فیصلہ کرنے کا ہمارا اپنا ایک انداز ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک شہناز قتل کیس سے پاکستان کے درہام گونج رہے تھے لیکن شہناز بیگم کو ملک کی معزز عدالت نے بے گناہ جان کر بری کیا ہے اور آج وہ اتنی ہی معزز عورت ہے جتنی اس الزام سے پہلے تھی۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس ضمن میں حالات کا مکمل جائزہ لئے بغیر کوئی حتمی رائے دینا بھی غلط ہوگا۔

کراچی آتش و دھن اور بے گناہوں کے خون میں ڈوب رہا ہے انسانی زندگی جتنی ازال آج کراچی میں ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال ایسی بگڑی ہے کہ اب سنبھالے نہیں سنبھلتی ہر طرف ایک طوفان بدتمیزی اٹھ آیا ہے۔

پہلے کاروں اور سیول کو چلایا جاتا تھا اب سواروں کو موت کا انیہن بنایا جا رہا ہے۔ بسوں کو روک کر اس میں موجود سواروں کو گولیوں کا نشانہ بنانے کی خبریں اخبارات میں آرہی ہیں کبھی پنجابی اور پٹیان مظلوم تھے اب مہاجر اور سندھی بھی مظلومیت کی تصویر بنے پھرتے ہیں جو جہاں ہے غیر محفوظ ہے۔ اپنے گھر سے نکل کر رزق کھودنے والے کے گروالوں کے پاس اس بات کی ضمانت نہیں کہ وہ اب کبھی واپس بھی آئے گا یا نہیں۔

جانے کتنے بد نصیب ایسے ہوں گے کہ جو گھروں سے زندگی کمانے نکلے اور موت آبادہ اوڑھ کر واپس لوٹ آئے۔ ان کے لاشوں پر ان کے پیاروں نے ماتم کیا۔ اخبارات نے سرخیاں جمائیں۔ سیاست دانوں نے بیانات دیئے سمیرن نے تبرے کئے حکام

نہ حسب روایت یقین دھانیوں کے دریا بہائے اور معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک خدا اور رسول کا واسطہ دینے والوں کو بگڑیاں برسا رہے ہیں وہ کون ہیں؟ چونکہ یہ سیاسی قسم کا سوال ہے اور اس کا جواب نامہ کوئی اپنے نقطہ نظر کے مطابق دے گا لیکن ایک بات سے سب اتفاق کریں گے کہ وہ گمان نہیں؟

پاکستان میں بھی نہ رہے ہوں۔

پاکستان کی کون سی ایسی یونیورسٹی ہے جہاں تمام صوبوں کے نوجوان تعلیم حاصل کرنے نہیں آتے۔ کوئی یونیورسٹی ایسی نہیں جہاں سرانجامی پنجابی بلوچ پنجتون مہاجر اور سندھی کے نام پر طلباء نے اپنی الگ الگ تنظیمیں بنا رکھی ہوں لیکن کراچی میں ایسا ہوا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ کسی بھی سیاسی جماعت نے اس رجحان کی کھل کر حوصلہ شکنی نہیں کی بلکہ اس کے بجائے ہر سیاسی جماعت کی کوشش یہی رہی ہے اسے کسی نہ کسی پریشگر وپ کی ہمدردی ضرور حاصل ہو جائے اور اس کے حصول کے لیے ہر غیر سیاسی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈہ استعمال کیا گیا سبائے اس کے کہ اصلاح و احوال کی صورت پیدا کی جاتی ایک دوسرے پر الزام تراشی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے آج بھی جب کہ کراچی خون میں نہا چکا ہے کوئی بھی جماعت اپنی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں اور مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے ایک دوسرے پر الزامات کا سلسلہ چل رہا ہے۔

آل پارٹیز کانفرنس جو آج بلائی گئی ہے اس کی ضرورت آج سے پہلے کیوں محسوس نہ کی گئی؟ کیا ہم ہمیشہ پانی کے سرے گور جلنے کے بعد اس کے سامنے بند باندھنے کی فکر کیا کریں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم ایسی کانفرنس طوفان کی آمد کا اندازہ کرتے ہی بلا لیا کریں اس طرح ایک تو ہر ایک کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جائے اور دوسرے ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے آگاہ ہو جائے۔ خدا کرے کہ آل پارٹیز کانفرنس جس مقصد کے لیے بلائی گئی تھی اس میں کامیابی مل جائے لیکن بظاہر ایسے آثار نظر نہیں آتے کیوں کہ کراچی کی ایک بڑی جماعت نے اس میں شرکت نہیں کی اور ایک فریق کی اس صورت حال میں بے بہرہ حال ایک اہم فریق کی حیثیت حاصل ہے کانفرنس میں شرکت نہ کرنا اس کے مقاصد کے کامیابی کو شکوک بناتا ہے اور عملاً بھی دکھائی دیتا ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس کامیاب رہے یہاں ایک اور اہم بات جس کی طرف حکومت کی بار بار توجہ مختلف حلقوں کی طرف سے دلائی جاتی رہی ہے کہ آخر کراچی میں موجود انٹیلی جنس ایجنسیوں کا مصروف کیا ہے۔

اگر کبھی مسلمان نفع تو اب مرتد ہو چکے ہیں کیوں کہ قرآن خدا اور رسول کو ماننے والا کتنا ہی بے غیرت اور ظالم ہو جائے اس کے دل میں کہیں نہ کہیں اچھائیاں اور سچائیاں زندہ رہتی ہیں اور اس کے لحاظ ان واسطوں پر مثل ہو سکتے ہیں پھر یہ درندے کون ہیں جنہوں نے کراچی کو شہر نگاراں کو لوہاں کر دیا ہے جنہوں نے انسانوں کی بستیوں کو وحشت نگہ بنا ڈالا ہے۔ ایک مسلمان اور پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی درندگی پھیلانے والے اپنوں میں سے نہیں ہو سکتے یہ الگ بات ہے کہ وہ بیگانے اپنوں کا بھیس دھا کر ہم میں آئے ہیں اور اپنے مذموم مقاصد کی بجائے آدمی کے لیے کبھی مہاجر کبھی سندھی کبھی پنجابی اور کبھی پٹھان اور بلوچ کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔

کراچی شہر میں جب اس درندگی کی ابتداء ہوئی تو ہنگامہ آرائی عموماً ٹریفک حادثات پر ہوا کرتی تھی جب کسی لاپرواہ ڈرائیور کی غلطی سے کسی بے گناہ کی جان چلی جاتی تو لوگ طیش میں آکر اس بس کار یا دیگر کو نڈر تلاش کر دیا کرتے تھے اور اس نوعیت کی ہنگامہ آرائی عموماً کچھ علاقوں تک ہی محدود رہتی تھی۔

فرماندہ فرمائیے کہ کس انداز سے اس تخریب کاری نے رواج پایا ہے اس کے بعد معمولی توڑ پھوڑ کا سلسلہ جاری ہوا اور سانسیت اور علاقائیت کے حوالے سے ہونے والے جھگڑوں نے رواج پایا۔ اس سے پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جس کی بس و بیگن یا ٹیکسی چلی اس کی قومیت کیا ہے لوگ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیوں اور بعض عاقبت نااندریش ٹرانسپورٹوں کی کاروائیوں سے اتنے تنگ آچکے تھے کہ احتجاج کے لیے انتہائی اقدام پر مجبور تھے لیکن اس دور میں ہی اندازہ کیا جا رہا تھا کہ تخریب پسندانہ ناراض لوگوں میں داخل ہو چکے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔

تخریب کاروں کو کراچی جیسی زرخیز زمین اپنی مذموم سرگرمیوں کے لیے اور کہاں میسر آ سکتی تھی جہاں ہر دھڑیل پر زبان اور صوبے کے نام پر ایک نئی جماعت کا بورڈ لکھتا نظر آ جاتا تھا۔ ایک مختاطہ اندازے کے مطابق سانسیت کے حوالے سے جتنے گروپ سیاسی لحاظ سے کراچی کے مختلف اداروں میں سرگرم عمل رہے ہیں اتنے شاید سارے

اور ہندو ازم کا پرچار وغیرہ وغیرہ ان بیانات اور انٹرویو دینے والوں میں ہر طرح کے سیاسی لیڈر شامل ہیں۔ مذہبی سماجی غرض ہر طبقہ زندگی کے لوگوں کی طرف سے ان باتوں کی تکرار جاری ہے پھر حکومت آخر کیا چاہتی ہے۔

اگر ملک کی وزیراعظم سے عام شہری تک اس بات پر متفق ہیں کہ بھارتی حکومت نے کشمیر کی جدوجہد آزادی کو سبوتاژ کرنے اور پاکستان پر اپنا دباؤ بڑھا کر اسے بلیک میل کرنے کے لیے سندھ میں تخریب کاری کر رہی ہے تو ظاہر ہے ان خبروں کا ذریعہ معمولی نہیں ہوگا۔ پاکستان میں امریکہ سے زیادہ سیکورٹی ایجنسیاں موجود ہیں یہ خبریں بھی ان کے ذریعے ہی ارباب اقتدار تک پہنچتی ہوں گی لیکن آج تک ایسی کوئی خبر نہیں آئی کہ ہمارے ہونہار انٹیلی جنس افسران نے کسی بھارتی تخریب کار کو روک کر گرفتار بھی کر لیا ہے یا بھارتی کرنل کی کاٹھن عام کاروبار کرنے والوں کو کیفر دہانہ تک پہنچا دیا ہے جس شدت سے سندھ کی موجودہ گڑبڑ میں بھارت کے ملوث ہونے کے دعوے کئے جا رہے ہیں اور بھارتی حکمرانوں نے جو زبان اختیار کر رکھی ہے اس کے بعد اس بات کے امکانات تو نہ ہونے کے برابر ہیں کہ اس شورش میں بھارت کا ملحد نہیں ہے البتہ اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ پھر سیکورٹی فورسز کی اس فوج ظفر مونیج کا مصروف کیا ہے جب سیاسی زعماء کی طرف سے ایسے بیانات پڑھنے کو ملتے ہیں تو ہر پاکستانی اپنے زخموں پر رنگ گرتا محسوس کرتا ہے وہ یہ سوچ کر لرز جاتا ہے کہ جب حکومت کو واقعات کا علم ہے اور وہ صاحب اختیار بھی ہے تو آخر قباحت کیا ہے؟ اس کے باوجود آٹھ روزانہ واقعات میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے



آٹھ روز پر اسرار کارسواروں کی طرف سے نائنگ کی خبریں مل رہی ہیں۔ یہ لوگ بڑی دیدہ دلیری سے حملہ آور ہوتے ہیں اور اپنے گناہوں کے مقابلہ پورے کرنے کے بعد پھر بڑی آسانی سے فرار بھی ہو جاتے ہیں کراچی شہر کے تقریباً ہر چوک میں سیکورٹی فورسز نے مورچہ بندیاں کر رکھی ہیں۔ انٹیلی جنس کے لوگ بھی میاں موجود ہیں اور مقامی پولیس بھی لیکن مقام حیرت ہے کہ آج تک انتظامیہ نے کسی ایسی کار کو گرفت میں نہیں لیا جبکہ ان واقعات کا سلسلہ جاری ہے کبھی کبھی عوام کی تنگ شوقی کے لیے یہ ضرور کہہ دیا جاتا ہے کہ پولیس نے ایسی فلاں کار کا سراغ لگایا ہے لیکن بعد میں علم ہوتا ہے کہ میراغ بیانات کی حد تک ہی لگایا گیا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آئے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟ آج تک ایسے بڑے توہم کار کی طرف سے سنے گئے ہیں کہ کارسوار گرفتار ہو گئے لیکن وہ کہاں گئے؟ کون تھے؟ ان پر مقدمہ چلایا گیا! سزا کہاں اور کب ہوئی۔

جب ایسی کسی بات کا جواب نہ مل رہا ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ عوام کو مطمئن کرنے والی بات ہے ممکن ہے سرکاری طور پر یہ مندر پیش کیا جائے کہ فی الوقت ناموں کا اشتقاق ممکن نہیں لیکن اسی فی الوقت سماؤقف کتنا طویل ہے بعض ملزمان جن کی گرفتاری کا وعدہ آج سے ایک دو سال پہلے کیا گیا تھا کم از کم ان کے ناموں کا اعلان کر دینے یا واقعات کی اہمیت سے آگاہ کر دینے میں تو کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر اس طرح کی غلط بیانی سے حکومت کس کو مطمئن کرنا چاہتی ہے گزشتہ تین چار سال کے دوران ملک کے ممتاز اخبارات میں سینکڑوں انٹرویو اور خبریں مستند لیڈروں کی ایسی ملیں گی۔ دان میں برسرِ اقتدار اور اپوزیشن دونوں کے لوگ شامل ہیں کہ سندھ میں مداخلت کا بھارت کی طرف سے داخل کئے جا رہے ہیں یا سندھ میں ”را“ تخریب کاری کروا رہی ہے۔ سندھ کے سرحدی اضلاع میں بھارتی کرنل کی کھلے عام گردش ہر حدوں کے دونوں اطراف آباد ہندو دیہاتیوں کا ادھر ادھر عام آگاہانہ خدشہ کے سکولوں میں ہندو اساتذہ کی خلافِ پاکستان سرگرمیاں اور سکولوں میں بھارت ازم

بھوک کے مارے رو رہے ہیں۔ اس لیے ہم تالاؤں کی چکی میں سے دو بوری لے کر جا رہے ہیں۔ لیکن یہ آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اس آٹے کی رقم ہم چکی والے کو ادا کر دیں گے جس پر کہا جاتا ہے کہ وہ افسرانہیت کے ناطے اتنا متاثر ہوا کہ وہ اس وقت اپنے اعلیٰ افسران اور مقامی انتظامیہ سے ملا اور ان کو مجبور کیا کہ قوری طور پر وقفہ دیا جائے۔ ورنہ حالات مزید بگڑ جائیں گے جس کے نتیجے میں ایک گھنٹے کے بعد اچانک ریڈیو پر اعلان کر کے کہ فریو میں ایک گھنٹے کا ہنگامی وقفہ دیا گیا۔

۲۲ مئی کو اطلاع ملی کہ سندھی جو کہ گاڑی کھانہ، رشیم بازار ہنٹنم، فیئر کاپر اور چھوٹی گھٹی کے علاقوں میں رہائش پذیر ہیں کہ فریو کے دوران پولیس کی گاڑیوں میں محفوظ مقامات پر منتقل ہو رہے ہیں۔ یہ صورتحال ۲۵ مئی تک جاری رہی اور سندھی اور مہاجر خوف کے مارے محفوظ مقامات پر منتقل ہوتے رہے۔ النیتہ لطیف آباد میں بعض علاقے لیے ہیں۔ جہاں سندھی خاندان اپنے آپ کو مہاجروں کے درمیان زیادہ محفوظ تصور کر رہے ہیں اور وہ بھی تک لطیف آباد کے ان علاقوں میں، مہاجروں سانقرہ رہے ہیں جہاں ان کے سانقرہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ جبکہ ایک واقعہ لطیف آباد میں سامنے آیا ہے جہاں ایک بچے کو لوٹا گیا اور آگ لگائی گئی ہے جبکہ دیگر سندھی خاندانوں کو مہاجروں نے تحفظ دیا ہوا ہے۔ ایسے واقعات بھی موجود ہیں کہ لطیف آباد سے بعض سندھی خاندان نقل مکانی کر کے تاسم آباد چلے گئے تھے۔ بعد میں دہلی کی صورتحال بہتر ہونے پر واپس لطیف آباد آگئے۔ جہاں انہوں نے اپنے آپ کو محفوظ تصور کیا۔

۲۶ مئی کو قلعہ، گاڑی کھانہ، رشیم گلی، شاہی بازار اور چھوٹی گھٹی پر دن کے بارہ بجے اچانک پولیس اور ایگل سکواڈ فورس جو کہ چار روز قبل کراچی سے منگوائی گئی تھی۔ دو دن ہزار فرادہ پرتل پولیس اور ایگل فورس نے ان علاقوں کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے گلی کوچوں اور متصلہ گراؤں جہاں پر ۲۰ ہزار سے زائد پھلے طے کے افراد رہائش پذیر ہیں۔ اپناک فائرنگ شروع کر دی جس سے گلیوں اور بازاروں میں بیٹھے ہوئے افراد اور چھوٹے چھوٹے بچے جو کہ گلیوں میں کرکٹ اور کیرم وغیرہ کھیل رہے تھے اس اچانک صورتحال سے پریشان

حیدرآباد میں قیامت ۲، گھنٹے

مئی ۱۹۹۰ء

۲۶ مئی کو حیدرآباد میں پولیس اور ایگل سکواڈ پولیس فورس نے اندھا دھند فائرنگ اور لوٹ مار کی اور ۲ گھنٹے تک شہر لوہوں کو محصور کر کے پانی اور بجلی کی لائیں کاٹ دیں۔ اس سفاکانہ کارروائی کے دو دنوں میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۰۰ افراد ہلاک اور ۳۵۰ سے زائد افراد زخمی ہوئے ہیں۔ ہلاک ہونے والے ۱۰۰ افراد میں سے تقریباً ۵۰ افراد کی تو تصدیق ہو رہی ہے۔ لیکن بقیہ لاشوں کے بارے میں غیر منسلکہ اطلاعات ملی ہیں کہ انہیں رات کی تاریکی میں دفن کر دیا گیا۔ جسکی حکومت نے یا انتظامیہ نے اب تک کوئی تردید جاری نہیں کی۔

حیدرآباد میں ۱۴ مئی سے کہ فریو نافذ تھا اور ۲۱ مئی کو دن کے ۳ بجے لطیف آباد کے علاقوں میں بھی ناگزیر صورتحال کی بنا پر کہ فریو نافذ کر دیا گیا۔ شہر میں اتنی کثیدگی پائی جا رہی تھی کہ مسلسل ۱۴ گھنٹے تک کہ فریو میں وقفہ بھی نہیں دیا گیا۔ جس کی وجہ سے شہر کی گلی پینے کی اشیاؤں ملنے کے سبب فاقہ کشی پر مجبور ہو گئے اور صورتحال اس حد تک پہنچ گئی کہ لوگ گھروں میں آٹا ختم ہونے کے سبب فلوئد ملوں اور چکیوں کے تالے توڑ کر آٹے کی بوریاں اٹھا کر لے گئے۔ بعض مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ کہ فریو کے دوران یہ کارروائی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ آٹا کے ایک علاقہ میں جب ایک چکی کا تالا توڑ کر بعض افراد آٹے کی دو بوریاں لے کر جا رہے تھے۔

تو ریختر کے ایک افسر نے انہیں پوچھا جس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے بچے

بتایا کہ پولیس کے اعلیٰ افسران سے بات ہوئی ہے ان کا کہنا ہے کہ چند دہشت گردوں کو گرفتار کرنا ہے اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ ریجنل راور فوج کے ذرائع نے بتایا کہ پولیس نے یہ کارروائی اپنے طور پر کی ہے نہ تو ہم سے اس سلسلہ میں کوئی شورہ کیا گیا اور نہ ہی ہمیں اعتماد میں لیا گیا۔ اور نہ ہی اس آپریشن میں ہماری فورس شامل ہے۔

۲۰ مئی کو پولیس کی اندھا دھند فائرنگ کے خلاف احتجاج کے لیے سینکڑوں افراد کرفیو کی پابندیاں توڑ کر گھروں سے باہر نکل آئے اور انہوں نے سڑکوں پر جلوس نکالا ان میں خواتین کی بھی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی پولیس نے ان پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس سے اس دن پچاس سے زائد افراد ہلاک اور ۲۵ کے قریب زخمی ہوئے۔ دن ۲ بجے تک شہر میں موت کا کھیل جاری رہا۔ ۲ گھنٹے سے بجلی بند تھی پانی اور بجلی بند ہونے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچے چیخ و پکار کر رہے تھے۔

جلوس میں شامل خواتین نے سٹی تھانے کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ جہاں پولیس نے ان پر ہتھیاروں کے گولے پھینکے اور فائرنگ کی۔ ان دونوں میں پولیس کی فائرنگ سے ۲۵ خواتین بھی ہلاک ہوئی تھیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر دن کے تین بجے فوج طلب کر لی گئی اور پولیس اور ایگلی سکواڈ کو ہٹایا گیا۔ ۳ بجے جب فوجی قلعہ گراونڈ اور شہر کے دیگر علاقوں میں پہنچے تو لوگوں نے پاک فوج زندہ باد کے نعروں لگانے شروع کر دیئے اور ۳ بجے دن سے ایک دم شہر میں فائرنگ کی آواز بند ہو گئی اور شہر میں مجموعی طور پر صورتحال بہتر ہو گئی۔ ۷ بجے شام ۱۰ ڈپٹی سینما کے قریب فوجیوں نے پولیس کی ایک گاڑی کو پکڑ لیا جو فائرنگ کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ سٹی پولیس نے ایک کانسٹیبل کو بھی پکڑ کر تھانے میں بند کر دیا۔ جو دوکانوں کے تالے توڑ کر لوٹ مار کر رہا تھا ایسی ہی سینٹر کے ذرائع نے بتایا ہے کہ ہماری گاڑیوں کو شام ۵ بجے تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی انہوں نے بتایا کہ ایگلی سکواڈ کے ایک اہلکار نے قلعہ کی نمبر ۲ سے فون کیا کہ زخمی کو لے جائیں۔ جب ہماری گاڑی گلی نمبر ۲ پر گئی تو پولیس کے اہلکار نے ہمارے ڈرائیور کو زور و کوب کیا۔ ہتھم گلی میں ہماری ایک گاڑی پر پولیس نے برسٹ مارا جس سے ایک شخص موقع پر

ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ لیکن ایگلی سکواڈ فورس شہرہاؤس پر فائرنگ کرتی رہی اس دوران قلعہ گراونڈ میں ریلش پذیر خواتین اپنے سروں پر قرآن لے کر گھروں سے باہر نکل آئیں اور پولیس کو قرآن کا واسطہ دیتی رہیں۔ پولیس قلعہ گراونڈ میں پانی کی ٹینکی پر اپنے مورچے قائم کر کے فائرنگ کرتی رہی۔ خواتین اپنے گھروں سے نکل کر قریبی مسابد میں گھس گئی اور لاوڈ سپیکر سے پولیس والوں کو خدا کا واسطہ اور قرآن کا واسطہ دیتی رہیں کہ یہاں پر کوئی دہشت گرد نہیں ہے۔ اگر تہیں تلاشی لینی ہے تو پہلے فائرنگ بند کر دو۔ ہم تلاشی دیے کے لیے تیار ہیں مگر پولیس نے پہلے بجلی کے ٹرانسفارمر کو گولی مار کر بجلی بند کر دی پانی کی سپلائی بند کر دی اور علاقے میں ٹیلی فون کے تار بھی کاٹ دیئے ہر طرف چیخ و پکار اور خرافات کی کا عالم تھا۔ پہلے تو خواتین یہ سمجھیں کہ پولیس ہماری مدد کے لیے آئی ہے مگر جب اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی گئی تو خواتین نے لاوڈ سپیکر پر یہ اعلان کر دیا کہ پولیس کی وردی میں ڈاکو آگئے ہیں جو کہ لال ٹوپی پہنے ہوئے ہیں پولیس فائرنگ سے جاں بحق اور زخمی ہونے والے سڑک پر پڑے ہوئے تھے۔ لیکن پولیس نے یہی سیٹیئر کی ایمبولینسیوں کو لاشوں اور زخمیوں کو اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔

مینجر حیدر آباد آفتاب احمد شیخ اور ڈپٹی میئر رشید احمد خان راجپوت اور اس کے ساتھی اراکین صوبائی اسمبلی اپنے طور پر زخمیوں کو ہسپتال پہنچاتے، اور لاشوں کو اٹھانے کی کوشش کرتے رہے مگر انہیں انتظامیہ کا تعاون حاصل نہ ہو سکا۔ اخبار نویسوں نے جب صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے فوٹو گرافروں کے ساتھ قلعہ کی طرف جانے کی کوشش کی تو گاڑی کھاتر پر ہی پولیس نے انہیں آگے جانے سے روک دیا۔

اخبار نویس بھی انتظامیہ کے افسران سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتے رہے لیکن ۲ گھنٹے تک کسی بھی آفیسر سے رابطہ قائم نہیں ہو گا۔ فائرنگ والے علاقے کا ماحولہ جردن کو ۱۲ بجے سے شروع ہوا تھا دوسرے دن رات تک جاری رہا اس دوران ان علاقوں میں متعدد دوکانیں لوٹ لی گئیں جن میں جویہ لڑکی دوکانیں بھی شامل ہیں اخبار نویسوں نے اس صورتحال پر ریجنل راور فوج کے ذرائع سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے

روس کا مستقبل؟

مطبوعہ: ۱۲ اگست ۱۹۹۰ء

سوویت یونین میں پندرہ آئینی جمہوریت شامل ہیں جہاں سو سے زیادہ لسانی گروہ آباد ہیں۔ دنیا کی آخری استعماری طاقت ہے جو روئے زمین پر باقی رہ گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کتنی دیر تک باہم متحد رہ سکتی ہے؟ لاس اینجلس ٹائمز نے چھ ماہرین سے جو روسی معاملات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں یہ سوال کیا کہ وہ اپنی مدبرانہ رائے کا اظہار کریں کہ روسی استعمار ۵ سال میں ختم ہو جائے گا یا اسے منتشر ہونے میں دس برس لگیں گے۔ ایکس ایکسرو سنیر تجزیہ نگار برائے روسی معاملات اینڈ کراپ کہتا ہے آخری یورپن ایمپائر کے اختتام کے بارے میں جو کچھ شاہدہ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی ایمپائر سے فوائد کا حصول ممکن نہ رہے تو پھر اسے ختم ہو جانا چاہیے اور یہ تاریخ کا فیصلہ ہے جبکہ روسیوں نے دوسری شہنشاہیت سے بہت زیادہ اقتصادی اور معاشی نقصانات برداشت کئے ہیں اور تہذیبی طور پر انہیں اور زیادہ نقصانات سے سلبقہ پڑا ہے بہت سے روسی اب یہ سوچنے لگے ہیں کہ وہ دوسری قومیتوں سے علیحدہ ہو کر زیادہ فائدہ میں رہیں گے اور یہ کہ وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے جب تک وہ دوسروں کی آزادی کی مخالفت کرتے رہیں گے۔ اس صدی کے اختتام تک روس جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں اپنی موجودہ صورت میں باقی نہیں رہے گا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے یہاں پر ایک کنفیڈریشن وجود میں آجائے اور اس میں روس کے کچھ حصے مثلاً سوویت ری پبلک بالکھر شا اور یوکرین شامل ہو جائیں گی۔ مگر حقیقت کچھ یوں ہے کہ موجودہ

ہلاک ہو گیا جو کہ ہماری گاڑی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ جبکہ ہمارا ڈرائیور شدید زخمی ہوا ہے جس کو ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔

صوبائی سیکرٹری اطلاعات حکومت سندھ نبی بخش کھوسو کراچی سے ۲۰ مئی کو صحافیوں کی ایک پارٹی کے کچھ رآباد آئے تھے ان صحافیوں کو صرف لیاقت میڈیکل ہسپتال مٹی بلانچ پر لے جایا گیا۔ جہاں صرف ایک پولیس کانسٹیبل کی لاش لائی گئی تھی لیکن انہیں اصرار کے باوجود دھمائی ہسپتال نہیں لے جایا گیا جہاں ۵۰ سے زیادہ لاشیں اور ۱۵ سو کے قریب زخمی لائے گئے تھے۔ ۲۱ مئی کو وزیراعظم کے پریس سیکرٹری اور وفاقی سیکرٹری اطلاعات جناب شاہ جہاں کریم صاحب بھی فوج کے ایک خصوصی ہیلی کاپٹر کے ذریعہ حیدر آباد تشریف لائے تھے ان کے ہمراہ ائی ایس پی آر کے آفیسر اطلاعات میجر مولت رضا بھی تھے دن کے ۲ بجے کراچی کے صحافیوں کو ٹیلی ویژن کی ٹیم کے ہمراہ بھٹائی ہسپتال لطیف آباد لے جایا گیا۔ صحافیوں کی ٹیم کے ساتھ جناب شاہ جہاں کریم اور صوبائی سیکرٹری اطلاعات سندھ نبی بخش کھوسو بھی موجود تھے۔ جب یہ ٹیم بھٹائی ہسپتال پہنچی تو ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہسپتال میں موجود افراد ٹیلی ویژن کے کیمروں کو دیکھ کر شتعل ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ قیامت دور روز سے مچی ہوئی ہے۔ تم لوگ آج آئے ہو جب تمام لاشیں جاچکی ہیں چلے جاؤ یہاں سے۔ اس آئنا میں بعض افراد نے ان پر پتھر اڑاؤ شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں ٹی وی وائے اور صحافیوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ انہیں ایک مقامی ہسپتال لے جایا گیا۔ جہاں کراچی کے صحافیوں کے اعزاز میں ٹھہرانے کا اہتمام تھا۔ ٹھہرانے میں حیدر آباد کے صحافیوں کو بھی بلایا گیا تھا۔ حیدر آباد کے صحافی ہوٹل میں آتے گئے لیکن انہوں نے بے گناہ افراد کی ہلاکت کے سوگ میں کھانا نہیں کھایا۔ ٹھہرانے کے دوران سیکرٹری اطلاعات شاہ جہاں کریم اور نبی بخش کھوسو سے صورتحال پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ وفاقی وزیر اطلاعات جناب شاہ جہاں کریم نے وعدہ کیا کہ وہ ساری صورتحال سے وزیراعظم کو بھی آگاہ کریں گے۔ وفاقی یہ بڑا سنگین واقعہ ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

دنیکے برابر ان کے اشیاء صرف اور اشیاء خوراک کو قابل استعمال بنا سکیں؟ سیاسی طور پر کیا روسی اپنی سیاست میں اتنی لچک پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ بات چیت پر آمادہ ہو جائیں۔ اقلیتوں سے گفت و شنید پر تیار ہو جائیں۔ تاکہ اقلیتیں ان کے ساتھ گفت و شنید بنانے کے لیے تیار ہو جائیں اور ان کو اتنی خود مختاری دینے پر تیار ہو جائیں کہ اقلیتیں اطمینان حاصل کر سکیں۔

اسخہ میں سوال یہ ہے کہ کمونزم کا اور کمیونسٹ پارٹی کا کیا ہوگا؟ کیا یہ باقی رہے گی؟ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کمزور ہو جائے گی؟ اور کیا ایک تنظیم کی حیثیت سے یہ گوارا کرے گی کہ دوسری سیاسی تنظیموں اور اداروں کو تسلیم کرے۔ اوپر کے تینوں سوالوں کا جواب مستقبل قریب میں ملنا مشکل ہے۔ تینوں بانٹک ریاستیں علیحدگی سے کم پر تیار نہیں ہیں۔ جارجیا، تھورینیا، آذربائیجان اور قفقاز کی وائے وہ ریاستیں ہیں جو آزادی کے راستے پر قدم اٹھائیں گی اگر حالات ایسے ہی رہے تو امکان ہے کہ روس اپنے پرانے تاریخی حدود کے اندر محدود ہو جائے اور اس میں روسی ری پبلک، آلتو زٹا اور یوکرین شامل ہو جائیں گی اور اگر ایسا نہ ہو تو جو جمہوریت باقی رہ جائے گی وہی روس کہلائے گی۔ بعض روسیوں کا خیال بھی یہی ہے کہ پرانے روس کا زندہ کرنے کا خیال بیکا ہے۔ ایک اور امکان یہ ہے کہ علیحدگی کا سلسلہ ایک مد پر پہنچ کر رک جائے اور بانٹک کی ریاستیں بھی کسی قسم کا کنفیڈرل نظام قبول کرنے پر تیار ہو جائیں اور باقی جمہوریتوں کو بڑی حد تک آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے اور یونین کے لیے ایک نیا معاہدہ تیار کیا جائے کہ مرکزی حکومت کے آزاد جمہوریوں کے ساتھ کیا اور کیسے تعلقات ہوں گے۔

بعض روسی قوم پرست جو روس میں آباد دوسری اقوام سے متنازع ہیں ان کا خیال ہے کہ پرانے روس کا تشخص خطرے میں پڑ گیا ہے۔ موجودہ جدیدیت اور دوسری تہذیبوں کا آمیزش سے نیکو کمونزم نے روسی قومیت پر بڑے اثرات مرتب کئے ہیں اور اس نظریے سے روسی تہذیب کی روحانی افکار متاثر ہوئی ہیں اور خطرہ ہے کہ مستقبل میں

سوویت یونین میں باقی نہیں رہے گی اور اس کی جگہ ایک آزاد روس لے لے گا اور ماضی کی سرحدوں میں جو اسے تاریخی طور پر حاصل تھیں قائم ہو جائے گا۔ روسی جمہوریہ کو بہت سے قدرتی ذرائع میسر ہیں اس کے پاس معدنی ذخائر ہوں گے۔ جھوٹی سی تعلیم یافتہ آبادی ہوگی جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ کروڑ ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ روس کی یہ ٹوٹ پھوٹ پر امن طور پر ممکن ہوگی؟ یا پھر خون خرابہ ہوگا۔ کیا روس پھٹ پڑے گا یا پر امن رہے گا اور یہی وہ سوالات ہیں جو ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔ ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ انتشار کا آغاز ہو چکا ہے اور اب اسے روکا نہیں جاسکتا۔ روس میں موجود عناصر جیسے کہ فوج اور پارٹی کے طاقتور عناصر کیا اس کوشش میں ہیں کہ اس انقلاب کو روکا جائے؟ اور یہی سوال اس امکان کو تقویت دیتا ہے کہ یہ انقلاب پر امن نہیں ہوگا بلکہ خون خرابہ ہوگا جیسا کہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ لیتھونیا اور دوسری بانٹک ریاستوں میں کیا ہو رہا ہے کیا یہ کوشش نہیں ہے کہ علیحدگی کو روکا جائے خواہ اس کے لیے طاقت کیوں نہ استعمال کرنی پڑے۔ اور یہ چیز بہت خطرناک ہے اور ہمیں اسے ہر قیمت پر روکنا چاہیے۔ امریکی صدر ریلش کی انتظامیہ صرف مفروضوں پر عمل پیرا ہے کہ جو کچھ میٹائل گورباچوف کر رہے ہیں وہ درست ہے۔ کیونکہ وہ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش میں مصروف ہے ہیں گورباچوف کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیے کہ وہ یہ سوچے کہ وہ سوویت ایمپائر کو بچا سکتا ہے اور اس کے لیے طاقت استعمال کر سکتا ہے یا دوسرے لوگوں کو بلیک میل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ان لوگوں کی ہمت افزائی کریں گے جو یہ سوچتے ہیں کہ طاقت کے ذریعہ ایمپائر کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔

مارشل ڈی ٹلمان سینئر کچھ ارہین الاقوامی سیاست ہری مین انسٹی ٹیوٹ برائے اعلیٰ مطالعہ روسی معاملات کو لیبیا یونیورسٹی اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ تین سوال ایسے ہیں جو روس کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ معاشی طور پر کیا موجودہ روسی حکمران اس قابل ہیں کہ روس کی تباہ شدہ معیشت کو بحال کر سکیں اور اسے اس معیار پر لاسکیں کہ وہ ترقی

اقتصادی تعلقات قائم رکھے جائیں اس طرح ممکن ہے کہ موجودہ سوویت یونین کا وجود باقی رہ جائے بشرطیکہ اس وفاق میں شامل تمام جمہوریوں کو پورے طور پر اقتصادی آزادی حاصل ہو۔ میرے خیال میں آزاد خود مختار حکومتوں کی جگہ ایک کنفیڈریشن زیادہ مناسب رہے گا۔ یوں روسی جمہوریت بھی باقی رہ جائے گی بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو مرکز سے حیثیت نہ دے اور دوسری جمہوریوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہ کرے۔ اس طرح ایک نیا کنفیڈریشن ممکن ہے۔ بہتر اقتصادی حالات پیدا کرنے کا سبب بنے مگر مسئلہ یہ ہے کہ بہت سی جمہوریوں میں عوامی، قومی اور سیاسی امیدیں کنفیڈریشن جیسی یکجہ سے بہت بلند ہیں اور ان کو ہوا کرانے کے لیے منہایت اعلیٰ درجہ کی سیاسی بصیرت کی ضرورت ہے۔

مارک کارسز لیسزچ فیلو براؤن یونیورسٹی سینٹ فارن پالیسی ڈیولپمنٹ سینٹر ہارورڈ یونیورسٹی تحقیقاتی مرکز کا خیال ہے کہ سوویت یونین چھوٹا ہو جائے گا مگر اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس وقت روس کے زیر اہتمام تمام جمہوریوں کو اپنے قبضے میں رکھ سکے گا؟ کیا یوکرین اس کی بالادستی قبول کرے گا اگر بالک باجیا، آذربائیجان، مالدیویا وغیرہ روس سے علیحدہ ہو جاتی ہیں تو پھر دوسری جمہوریتیں بھی یہی راہ اپنائیں گی۔ ان کی آبادیاں ان کی معدنی دولت ان کی زراعت ان کے صنعتیں روس سے بہت زیادہ ہوں گی اور روس پس منظر میں چلا جائے گا۔ نیز یوکرین کے بغیر ایک آزاد روس کا تصور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت میں یہ کوشش کی جائے کہ ایک بہت ڈھیلے ڈھالے پڑائش بنایا جائے جیسا کہ برطانوی نظام میں ہے۔ مگر وہ آزاد ریاستیں نہ ہوں یہ نظام ممکن ہے بعض جمہوریوں کو قابل قبول ہو کہ اس طرح انہیں مرکز سے اقتصادی اور ملے کی امید ہو مگر میرا خیال ہے کہ بہت سی جمہوریتیں اس تصور کو سرے سے رد کر دیں گی۔ اور روس کے لیے یہ ممکن نہ ہو گا کہ ان جمہوریوں کو فوجی طاقت مانجے قبضے میں رکھ سکے یا نئے قوانین بنا کر انہیں علیحدہ ہونے سے روک سکے۔

یہ اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہی گی جبکہ دوسرے رہنماؤں کا خیال ہے کہ روس کی موجودہ شہنشاہیت قائم رہی جائے۔

روس کے ان دونوں طبقات میں مضبوط قیادت موجود ہے، ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو روس میں شہنشاہیت کا احیا چاہتا ہے اور قدیم چرچ کی بالادستی کا خواہاں مگر اس طبقے کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ اور نہ یہ طبقہ متفق و متحد ہے۔ اگر روس میں ایک مرکزی روسی جمہوریت کا قیام عمل میں آجاتا ہے تو روس کے لیے یہ بہتر ہوگا۔ اور اس سے روس میں استحکام پیدا ہوگا۔ اگر روس میں یہ مرکزی جمہوری حکومت قائم ہو جائے تو یہ روس میں قائم دوسری جمہوریوں سے بہتر تعلقات استوار کر سکے گی اور یہ صورت اقتصادی اعتبار سے بھی بہتر ہوگی۔ سائبریا میں تیل کے ذخائر وسیع پیمانہ پر موجود ہیں مگر ان تک رسائی ایک دشوار مرحلہ ہے۔

آرچی براؤن سیاسی استاد۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کہتے ہیں کہ سوویت یونین ایک ایسی ریاست بن چکی ہے جس کے متعلق بیچ پیشین گوئی کو نا دشوار ہے۔ گورباچوف کا خیال ہے کہ ایک نئے انداز کے وفاق میں روس کی ساری جمہوریوں کو متحد رکھا جائے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان جمہوریوں میں سے بعض ضرور علیحدہ ہو جائیں گی اور یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ روس میں کس قدر استحکام رہے گا۔ اس کا زیادہ تر دار و مدار اس پر ہے کہ موجودہ روس میں اقتصادی نظام کی شکل اختیار کرتا ہے اگرچہ روس معدنیات کے اعتبار سے ایک بہت بڑا مال ملک ہے اگر روس اقتصادی میدان میں اقدامات کرے اور اپنی معیشت کو استوار کرنے کی کوشش کرے تو روس ایک خوشحال ملک بن سکتا ہے اگرچہ چند برسوں میں خوش حالی اور فساد کا امکان نہیں۔

گورباچوف کا مسئلہ یہی ہے کہ مشکلات اور مسائل بے انتہا ہیں اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ تمام مسائل کو طے کر سکے روس میں ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور یہ بھی کہ موجود جمہوریوں کا ایک کنفیڈریشن بنایا جائے جن میں بالک کی ریاستیں شامل نہ ہوں۔ اگرچہ بالک کی ریاستوں کے ساتھ قریبی

اس وقت بشیر صنعتیں ایسی ہیں جو ایسی جمہوریتوں میں ہیں جو روسی نہیں جیسے آذربائیجان جس میں تیل کی صنعت اگر آذربائیجان روسی کنفیڈریشن سے الگ ہو جائے تو سوویت یونین کو بہت نقصان ہوگا اور سوویت یونین کی آدمی آمدنی ختم ہو جائے گی۔ ان جمہوریتوں میں جنہیں روس نے جنگ عظیم اول اور دوم سے پہلے اور بعد میں اپنے اندر ضم کر لیا تھا اسے ہر حالت میں بالٹک کی ریاستوں سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ بلقان بلوچانا آسٹریا نہیں ہے۔ یہ حالات کافی عرصہ تک اسی طرح جاری رہیں گے۔

کے لیے رومانیہ عذاب بن جائے گا۔ اور المیدیہ روس کے لیے جلد ہی دوسرا بڑا مسئلہ بنے والا ہے۔

ڈیکھو ٹی شالین، ڈیننگ اسکالر ریشن ریسرچ سینٹر مارڈوئیو نیورسٹی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں روس کی موجودہ سرحدیں اب سے دس سال بعد وہ نہیں ہوں گی۔ بالٹک کی ریاستیں آزاد ہو چکی ہوں گی میرا خیال ہے کہ المیدیہ یا آذربائیجان نوآبادی کی سی ہوگی اور روس کی دوسری جمہوریتوں کو بھی جلد یہ مرتبہ حاصل ہو جائے اور جارجیا بھی آزاد ہو چکی ہوں گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر حالت کیا ہوگی؟ پھر بھی روس کا موجودہ روسی یونین کے لیے متبادل صورت یہ ہوگی کہ یہ ایک معقول حد تک ڈیلا کے پاس صنعت اور معدنیات کا بڑا ذخیرہ باقی رہے گا ان حالات میں گورباچوف (حال کنفیڈریشن تیار کرے) اس طرح بالٹک اور دوسری جمہوریتیں روس کے نظام میں کیا کریں گے کیا وہ یہ کہہ سکیں گے کہ ہماری یونین نے اپنی بنیاد لوگوں کی آزادی رائے آزاد ریاستوں کی طرح شامل ہونے کو رضامند ہو جائیگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح امور برقرار نہیں کیں۔ ان کو باہم متحد رکھنے کے لیے طاقت استعمال کی گئی تھی۔ لہذا ضروری یہ مارجہ اور دفاع مشترکہ شعبہ فرار پاجائی ہو سکتا ہے کہ اس طریقہ کار کے باعث خانہ جنگی ہوگا کہ ان لوگوں سے ان کی رائے معلوم کی جائے کہ وہ یونین میں شامل رہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اگر ستر گورباچوف کوئی معقول منصوبہ پیش کر سکے تو امید ہے کہ یا علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح گورباچوف اخلاقی بلندی کو ضرور حاصل کر لیں گے اور بہت زیادہ قوی نہیں تو بھی وہ سوویت یونین کو کسی نہ کسی شکل میں متحد رکھ سکیں گے۔ جمہوریت پسند افراد کو یہ موقع فراہم کریں گے کہ وہ اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کریں اور یہی بن اگر بالٹک کی ریاستیں الگ ہو گئیں تو یہ خطرہ اپنی جگہ موجود کہ دوسری ریاستیں بھی ایک بہتر طریقہ ہے بجائے اس کے کہ وہ ایسے اقدامات کریں جو خود ان کے لیے تباہی راستہ اختیار کریں گی اور اس کے نتیجے میں مرکزی روس میں بڑا سخت رد عمل ہوگا۔

(ترجمہ بشکیرہ دعوت نئی دہلی)

کن ثابت ہوں۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ روس ایک بڑے ملک کی بجائے ایک چھوٹا ملک ہو اور اپنے معاملات کو خوش اسلوبی سے چلا سکے۔ بہر حال کمیونسٹ پارٹی اور اس کی تربیت کا زمانہ اور دور ختم ہو چکا ہے اور اس زلزلے کو واپس نہیں لایا جاسکتا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روس کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ دھماکہ ہونے والا ہے بعض کا خیال ہے کہ عوام ہزار ہو چکے

بیسویں صدی کا زندہ جگ موہن

اس کے باوجود کہ جگ موہن کے جانے سے کشمیری عوام خوش ہیں عوام نے گورنر بی۔ سی سکسینہ کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں بڑے محتاط نظر آ رہے ہیں تاہم عوام بنور سمجھ رہے ہیں کہ جگ موہن کے جانے کے بعد پالیسی میں نمایاں تبدیلی ضرور پیدا ہوگی کشمیریوں کے ایک گروپ نے اخباری نمائندوں سے گفت و شنید کے دوران کہا کہ جگ موہن بی جے پی کی پالیسیوں پر عمل کر رہے تھے جبکہ مسٹر سکسینہ وی بی سنگھ نا پسند ہیں۔ ایک کشمیری پنڈت ایچ این وائچو نے ایک تحریری بیان میں جگ موہن

مطبوعہ: ۸ جون ۱۹۹۰ء

گورنر جنوں کشمیر کے عہدے سے جگ موہن کے استعفیٰ پر کشمیری عوام اطمینان و مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ عام تاثر یہ ہے کہ جگ موہن بی جے پی کے پسندیدہ آدمی تھے۔ بی جے پی کے اعلیٰ ترین لوگ بھی جگ موہن کی پالیسیوں سے ناخوش تھے۔ کہا جاتا ہے گورنری کے تقریباً ۳۴ مہینوں کے دوران بی جے پی کا حتیٰ نمک پوری طرح ادا کر دیا وہ اعلیٰ کے ایسے افسران میں دوسرے لوگوں کے علاوہ چیف سیکرٹری مسٹر ٹھکرجی تھے زور زبانی اور جبر و تشدد کی پالیسی اختیار کر کے جنگجو نوجوان کے لیے اپنا تمام غم و غصہ جگ موہن کی پالیسیوں سے اختلاف رکھنے والے سرکاری عملے کے لوگوں کی ایک ٹینک پر اسن کشمیری عوام پر اتارتے رہے۔ کشمیری عوام کا مزید تلخ تاثر یہ ہے کہ جگ موہن نے ہاسولی سیکرٹریٹ میں ہونی منجی جیسے جگ موہن کی پالیسیوں پر شدید بکھڑکھائی کی گئی وادی میں مسلسل کرفیو نافذ رکھا جس کے نتیجے میں ہم کھانے پینے اور دواؤں سے محروم بن گئے جگ موہن کے ہٹنے کے بعد کشمیری عوام توقع کر رہے ہیں کہ سیکورٹی فورسز کے ذریعے رکھے ہی گئے میاں تک کہ ہم اپنے شہیدوں کے لیے کفن تک نہیں خرید سکے۔ کرفیو کے عاوض قتل کا سلسلہ ختم ہو جائے گا عوام یہ دیکھنے کے منتظر ہیں کہ پراسن جگ موہن پر دوران غیر حاضری خانہ تلاشیوں اور جگ موہن کی فورسز کی جانب سے پراسن عوام پر رنگ نہ ہوگی اور کرفیو اور دیگر سختیوں میں کب ڈھیل دی جائے گی عوام کو یہ بھی فائدہ ہے کہ جگ موہن کی ایک طویل درزناک کہانی ہے جو وقتاً فوقتاً ہمارے اخباروں کی آزادی کب بحال کی جائے گی۔ جہاں تک جنگجو نوجوانوں کا متعلق اخبارات میں آتی رہی ہے۔ جگ موہن کے متعلق کشمیری عوام کا سب سے زیادہ تلخ تاثر انہوں نے ابھی تک گورنر کی تبدیلی پر کوئی اظہار خیال نہیں کیا۔

یہ ہے گورنر کی انتظامیہ نے کشمیری پنڈتوں کو ترغیب دے کر وادی چھوڑ کر جنوں جانے اسی اثناء میں میر واعظ مولوی فاروق کا فائدہ جو ۲۵ مئی کو ہونے والا انتخابات پر آمادہ کیا اور جنوں میں ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے ان کے لیے سہولتیں فراہم کی گئیں۔ اسی اثناء میں میر واعظ مولوی فاروق کا فائدہ جو ۲۵ مئی کو ہونے والا انتخابات قائم کر کے اور اس طرح بی جے پی کا حتیٰ نمک ادا کرتے ہوئے جگ موہن نے وادی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

سے جنوں تک فرقہ پرستی کے بیج بویے حالانکہ کشمیریوں کا اب بھی یہ عزم ہے کہ وہ فرقہ پرستی کے اس پودے کو پھینک دیں گے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

ناجیہ سبھا کے کن کی حیثیت میں جگ موہن کی نامزدگی کے خلاف بطور احتجاج ریکس کے سبھی ممبروں نے گذشتہ منگل کے روز راجیہ سبھا سے واک آؤٹ کر دیا

مکتوب بھیج رہے جس کی نقول اخباروں کو بھی دی گئی ہیں۔ اس مکتوب میں کہا گیا ہے کہ نوزد جگ موہن نے کشمیر کے معاملے میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس کے بارے میں اگر تم سے کم کہا جائے تو بھی یہ کہنا پڑے گا کہ ان کا رویہ اخلاقی تھا۔ میر واعظ مولوی فاروق نے بخارہ میں شریک لوگوں پر فائزنگ جگ موہن کے دورِ حکومت میں ہی ہوئی اور ان کو عوامی دباؤ کے تحت گورنر کے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا اور اب راجیہ سبھا کی رکنیت کے لیے جگ موہن کی نامزدگی سے ان کے جذبات اتنے مجروح ہوئے ہیں کہ وہ خاموش نہیں رہ سکے۔ وزیر اعظم کو بھیجے گئے اس مکتوب پر درج ذیل ممبروں نے دستخط کیے۔ جنٹل منسٹر سہاگل مرار کا اور ستیہ پرکاش مالویہ۔ سی پی کے کے گرو داس داس گپتا۔ آرائیس پی کے سریندر بھٹا پاریر اور فاروڈ بلاک دیا برنابا سوس۔

ہو سکتا ہے کہ جگ موہن کی گورنری کے دوران ان کی سخت گیر پالیسیوں نے راجیہ سبھا میں کچھ استحکام پیدا کیا ہو لیکن قومی سطح پر جگ موہن کی پالیسیوں کو جو قیمت ادا کرنی پڑی اس کے نتیجے میں کشمیر دوسرا پنجاب بن کر رہ گیا ہے۔ جگ موہن ہی کے دورِ حکومت میں دیواروں پر ایسے لکھے ہوئے دیبھے گئے کہ ہندوستانی کتوالیں ضرورت نغی کہ جگ موہن کو بہت پہلے ہٹایا جا چکا ہوتا۔ جگ موہن کی پالیسیوں نے اسلامی بلاک میں ہندوستان کے روایتی دوستوں تک کو بدظن کر دیا اور حد تو یہ کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کشمیر میں نیم فوجی فورسز کے اقدامات کی مذمت کی۔ جگ موہن کی پالیسیوں سے صرف بی جے پی کو فائدہ پہنچا ہے اور سری نگر سے کشمیریوں کے ہٹنے سے بی جے پی کے ہندو راشٹر پٹیٹ فارم کو استحکام پہنچا ہے ان باتوں کے باوجود بھی جگ موہن کو گورنری سے شاید ابھی نہ ہٹایا جاتا اگر میر واعظ فاروق کے مجلس جنازہ پر نیم فوجی فورسز نے فائرنگ کر کے ۲۷ افراد کو مار دیا ہوتا۔

گورنر کی تبدیلی کے باوجود کشمیر کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ آسمان سے گرا

اور اس کے بعد جگ موہن نے رکنیت کا حلف لیا۔ راجیہ سبھا کے چیئر مین ڈاکٹر شکر دیال شرما نے جیسے ہی جگ موہن سے حلف لینے کے لیے کہا ویسے ہی الیوان میں کانگریس آئی کے لیڈر پی شینوٹکر نے کہا کہ جگ موہن کی نامزدگی تمام سیاسی اصولوں اور اقدار کے منافی ہے۔ اور یہ نامزدگی صرف بی جے پی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ اس کے بعد کانگریس آئی کے ممبران جگ موہن کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے واک آؤٹ کر گئے۔ جب جگ موہن انگریز ہی میں حلف لے چکے تو بی جے پی کے اہل بہاری باجپی نے کانگریس کے ممبروں کے رویہ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں نے درمیان میں ہماری پارٹی کا نام بالکل غیر ضروری طور پر لیا۔

اس سے ایک روز قبل دو شنبہ کے روز جگ موہن کے استعفیٰ کے معاملے میں راجیہ سبھا میں بی جے پی اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے ممبروں کے درمیان جھڑپیں ہوئی تھیں۔ دفعہ سوالات کے فوراً بعد بی جے پی کے جے پی ماتھرنے کہا کہ وزیر اعظم وی پی سنگھ نے اخباروں سے یہ کہہ کر کہ جگ موہن نے خود استعفیٰ دیا ہے جھوٹ بولا ہے اور ان کے اس کہنے پر بی جے پی اور بائیں بازو کے ممبروں میں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ بائیں بازو کے ممبروں کا کہنا تھا کہ بی جے پی کے ممبر کو وزیر اعظم پر ایذا پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جھڑپ میں مداخلت کرتے ہوئے ڈپٹی چیئر مین نجمہ بیٹ الہ نے کہا کہ بی جے پی کے ممبر کو صرف جگ موہن کے استعفیٰ پر لوٹنے کی اجازت دی گئی تھی اس لیے ان کو وزیر اعظم پر زیادہ کر کے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بی جے پی کے ممبر مہا بن نے بائیں بازو کے ممبروں کو گتا کہ اس زیادہ پر احتجاج کیا کہ انہوں نے مبینہ طور پر جگ موہن کو آدم خور کہا ہے۔ ماتھرنے حکومت سے سوال کیا کہ کیا انہوں نے مطالبہ پر ادھر وہ بھی غلط مطالبہ پر جگ موہن کو ہٹانا مناسب تھا آخر حکومت نے کس کے دباؤ میں اگر جگ موہن کو برطرف کیا۔ امریکہ کے پاکستان کے دباؤ سے۔

حد تو یہ ہے کہ جگ موہن کو راجیہ سبھا کا ممبر نامزد کرنے کی مخالفت خود برسرِ اقتدار جنٹل منسٹر کے تین ممبروں نے بھی کی ہے ان ممبروں نے وزیر اعظم مٹھرنے کی منگھ کو ایک

کا واقعہ پیش آتا تو سنیر حکام موقع پر دوڑ بھاگ کرتے نظر آتے لیکن اس معاملے میں پتہ نہیں کس مصلحت کے پیش نظر انہوں نے اپنے آپ کو دوڑ رکھا۔ یہ واضح رہے کہ میر واعظ مولوی فاروق صرف ایک سیاسی لیڈر ہی نہیں تھے بلکہ ایک مذہبی پیشوا بھی تھے لیکن حکام محض آپس میں مشورہ ہی کرتے رہ گئے یہاں تک کہ کسی نے سرکاری طور پر موقع پر جا کر تعزیت کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ انہیں شاید اس بات کا خدشہ رہا ہو کہ لوگوں کا ایک بڑا انجم جس میں جنگجو بھی شامل ہو سکتے ہیں انہیں جہانی گزند نہ پہنچائے۔ اس سلسلے میں ہندوستان ٹائمز کے نمائندے برج جہا دو واج نے جو رپورٹ تیار کی اس سے انتظامیہ کے کچھ پن کا احساس ہوتا ہے۔

مولوی فاروق کے قتل کی خبر جیسے ہی پھیلی لوگوں نے ہسپتال میں جمع ہونا شروع کر دیا جبکہ سرکاری اسپتال ایک دوسرے سے صلاح مشورے کرتی رہیں اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائیں۔ جہوم نے آپریشن تھپڑ میں داخل ہو کر لاش اپنے قبضے میں کر لی اور وہ ایک جلوس کی شکل میں مولوی فاروق کے آبائی مکان میر واعظ منزل کی طرف بڑھا۔ اس وقت تک حکام اسی بات پر غور و خوض کرتے رہے کہ کرفیو نافذ کر دیا جائے یا جانے کے جلوس کو جانے کی اجازت دے دی جائے لیکن وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکے یہی نہیں احتیاطی تدابیر کے طور پر جلوس کے آگے اور پیچھے حفاظتی فورس بھی تعینات کر پائے اور نہ ہی میر واعظ منزل تک راستے میں قائم حفاظتی چوکیوں کو ہی ہدایات جاری کیں۔ جلوس دو چوکیوں سے پُر امن طور پر گزر گیا لیکن جب اسلام آباد کالج کی طرف بڑھا جہاں سی آر پی ایف کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر قائم ہے تب ہی شرمناک واقعہ پیش آگیا۔

سی آر پی ایف کے ہیڈ کوارٹر میں اس وقت کوئی افسر موجود نہیں تھا۔ سی آر پی ایف کے لوگوں کو دائر لیس پر جو تنہا بھرا پیغام دیا گیا اس سے بھی وہ مذہب کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک بہت بڑا ہجوم ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے تو ان میں خوف و ہراس پھیل گیا انہیں یہ ڈر پیدا ہوا کہ یہ ہجوم ہیڈ کوارٹر میں موجود اسلحہ لوٹنے آ رہا ہے کیونکہ وہاں جدید اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ ایک نامہ کیشٹ

کھجور میں اٹکا یعنی جگ موہن کے مستعفی ہونے کے بعد جموں و کشمیر کا نیا گورنر راج کے سابق چیف گریش چندر سکسینہ کو مقرر کیا گیا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کشمیر سے متعلق نیشنل فرنٹ حکومت کی پالیسی میں تبدیلی نہ ہوگی۔ مگر سکسینہ انڈین پولیس سروس کے سابق آفیسر ہیں اور ایمر جنسی کے دوران اندرا گاندھی سے جڑے رہے ہیں اور اس دوران سنیر لیڈر ایڈرنالیس ونگ آفیسر کی حیثیت میں انہوں نے بنگلہ دیش کی جنگ میں اور کم کے الحاق کے معاملے میں نمایاں کردار انجام دیا تھا۔ ابتداء میں ایسی باوقوف اطلاعات تھیں کہ جگ موہن کا جانشین ایک اور سابق آئی۔ پی ایس آفیسر کے ایف سٹیم جی کو مقرر کیا جائے گا جو کشمیر کے متعلق بالکل مختلف پالیسی کے حامی ہیں۔ گذشتہ مہینہ سٹیم جی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے وادی کشمیر میں حکومت کے اقدامات پر کئی سوالات اٹھائے تھے۔ سٹیم جی کا ایک سوال تھا کہ جو سخت رویہ مسلح باغیوں کے ساتھ اختیار کرنا چاہیے کیا وہی رویہ ان شہریوں کے ساتھ جن میں عورتیں بچے بوڑھے سبھی شامل ہیں اختیار کیا جانا چاہیے جو صرف ان کے نعروں سے متاثر ہیں۔ اور کیا کشمیر کو ان کے خیال کی سرطانی چاہیے کہ ہندوستان نے ان کے معاملے میں غلط اقدامات کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون میں اس بات پر بھی توجہ دلائی تھی کہ غریب عوام پر مسلسل کڑوے کے مصائب خیر اثرات کا اندازہ نہیں لگا جا رہا۔ جو رسی کے مہینے میں بھی جموں و کشمیر کی گورنری کے لیے سٹیم جی کا نام لیا گیا تھا لیکن جگ موہن کے مقابلے میں ان کو مسترد کر دیا گیا تھا اس رائے کے باوجود کہ گورنر کی تبدیلی سے کشمیر سے متعلق حکومت کی پالیسی بدلتی رہے گی۔ سیاسی ماہرین اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب نئے گورنر کی پالیسی کھل کر سامنے آئے اور اس سلسلے میں سیاسی ماہرین کا کہنا ہے کہ نئے گورنر کی آزمائش اس وقت شروع ہوگی جبکہ جنگجو نوجوان اپنی سرگرمیوں میں تیزی پیدا کریں گے۔

جن حالات میں میر واعظ مولوی فاروق کا قتل ہوا اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر کی انتظامیہ نے وہاں کے مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی کوئی واضح حکمت عملی سرے سے طے ہی نہیں کی تھی۔ عام حالات میں اگر اس قسم

عورتوں کو چلے جانے کی اجازت دیدی گئی۔ اقلیتی طبقے کے لوگوں کی نقل مکانی کے باعث بینک بند پڑے ہیں۔ کیونکہ بینکوں میں ان لوگوں کی تعداد نوے فیصد ہے اور کوئی کام پر آنے کو تیار نہیں کم و بیش یہی صورتحال محکمہ ڈاک و تار اور دوسرے مرکزی حکومت کے اداروں کی ہے۔ تعلیمی اداروں اور طبی اداروں کا بھی یہی حال ہے حالات کا تقاضا ہے کہ پرانے ملازمین جلد از جلد اپنی ملازمتوں پر لوٹ آئیں یا نئی آسامیوں کی بھرتی کی جائے۔ کسی بھی صورت میں مسئلہ ماحل آسان نہیں ہوگا۔

سابقہ گورنر گلگوہن نے جو پالیسی اختیار کی اس سے نہ صرف چھوٹے ملازمین بلکہ اعلیٰ انسلر بھی خوش نہیں ہیں۔ کئی نئے عہدے قائم کئے گئے اور تمام قاعدے قانون کو بالائے طاق رکھ کر جو ترقیاں دی گئیں اس سے پورے نظام میں ایک بیزاری سی ہے اور سینئر حکام اپنے کام کرنے کے طریقہ کار میں ایک دوسرے سے صلاح و مشورہ بھی لیتے۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گلگوہن نے جو کارروائیاں کیں اس میں ان کی اپنی پسند اور ناپسند کو ہی دخل رہا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انتظامیہ کے افسران میں اعتماد پیدا کیا جائے تاکہ وہ ریاست میں صورتحال کو معمول پر لانے کے لیے پرمعوم طور پر کام کر سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ کشمیر میں جو ایک خوف اور دہشت کے بادل گھمراہے ہیں اسے دور کیا جائے اور جن کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے اس انصاف دلا جائے اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔

(نئی دہلی - دہلی)

افسر نے سب مشین گن سے لیس ایک محترسی تعینات کر دی اور وہ کڑا لالہ جسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ اس محترسی نے ہجوم پر اندھا دھند فائرنگ کر دی اور فائرنگ اس وقت تک جاری رکھی جب تک کہ ان کے پاس گولیاں ختم نہ ہو گئیں۔ سیکٹر ۱۰ کی تعداد میں چلائی جانے والی گولیوں کا وہ لوگ بھی شکار ہوئے جو میر و اعظم مولوی فاروق کا جائزہ لگاتے ہوئے تھے کچھ گولیاں جنارے کو بھی لگیں۔ جس کے نتیجے میں یہ واقعہ تشدد قتل و غارت گری کی ایک تلخ یادگار چھوڑ گیا۔

۲۱ مئی کو میر و اعظم مولوی فاروق کے سوگواروں پر فائرنگ کا جو افسوسناک واقعہ پیش آیا وہ اس نظام کی علامت ہے جہاں تمام حکام صرف انتظامیہ کے سربراہ کے حکم پر بندھے تھے انداز میں کام کر رہے تھے۔ اس بات کی تائید گورنر گلگوہن کے ان الفاظ سے بھی ہوئی ہے جو انہوں نے سینئر حکام سے کہے ہیں "میں واحد شخص ہوں جسے تمام اطلاعات حاصل ہوئی ہیں اور تمام فیصلے میرے ہوں گے۔" ظاہر ہے کہ جب کہ فیو نائڈ کرنے، تلاشیاں لینے، جنگجوؤں کو گرفتار کرنے اور اسلحوں کی تلاشی اور دوسری کارگزاریوں کا سہرا جب وہ اکیلے اپنے سر لینا چاہتے تھے تو وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے تمام الزامات دوسروں کے سر نہیں ڈال سکتے۔

وادی سے کشمیری پنڈتوں کی نقل مکانی کے سلسلے میں انتظامیہ کا جو رویہ رہا وہ پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا۔ تعجب اس بات پر ہے کہ انتظامیہ نے ولیم اقلیتیوں کو محفوظ قرار دینے کے بجائے انہیں ٹرانسپورٹ اور دوسری سہولیات فراہم کر کے ان کی نقل مکانی کی حوصلہ افزائی کی۔ ایک طرف انتظامیہ نے مقامی مسلمان ملازمین کو یہ کہہ کر ڈیوٹی کھسے رہو پڑے دینے کو کہا کہ وہ لازمی سروسز کا حصہ ہیں تو دوسری طرف اقلیتی فرقے سے تعلق رکھنے والے ایسے ملازمین کو جوں اور دہلی چلے جانے کی اجازت دے دی کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جن مسلم ملازمین کو کشمیر کے عوام کی حفاظت کا کام سونپا گیا ہو وہ جنگجوؤں سے خود اپنی ہی حفاظت نہ کر پائیں۔ ایئر پورٹ پر ایک افسر نے نامہ نگار برجن جلدراج کو بتایا کہ سینٹرل فورسز کی ملازمین لڑکیاں تو سری نگر میں کام کر رہی تھیں لیکن مقامی پولیس کی

مہاجر بیا مجاہد؟

مطبوعہ: ۷ اگست ۱۹۹۰ء

فروری ۹۰ء کا ایک دن تھاجب سرنگھ انرپورٹ کے نزدیک چھانہ پورہ نامی قصبے پر پولیس نے اچانک دھاوا بول دیا۔ اس علاقے میں دختران ملت نامی مسلمان عورتوں کی تنظیم خاصی سرگرم تھی اور دختران ملت کے مسلسل احتجاجی جلوسوں نے بھارتی سامراج کا ناظمہ بند کر رکھا تھا۔ کرفیو کے دوران بی ایس ایف اور بھارتی فوج چھانہ پورہ میں داخل ہوئی اور انہوں نے یہاں موجود تمام مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر لیا۔ جس گھر سے مافعت ہوئی اس کے کمینوں کو بوت کے گھاٹ اتارنا پڑا۔ یہ مسلمان بچیاں تین روز کے بعد جب فوجی ٹرکوں کے ذریعے چھانہ پورہ میں بھیجی گئیں تو ان کے جسم زندہ لاشوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان کے ساتھ بھارتی وزندوں نے ایسا وحشیانہ سلوک کیا تھا کہ کئی مسلمان بچیوں کے گالوں سے گوشت نوچا گیا تھا۔

ان کے جسمانی اعضا کاٹ دیئے گئے تھے جب ان بچیوں کو سوودہ میڈیکل انسٹیٹیوٹ میں داخل کیا گیا تو ان کی جسمانی حالت دیکھ کر ڈاکٹروں کے دل پھٹ گئے اور ڈاکٹر عبدالاحد گورونے جو اس ہسپتال کے امپارچ ہیں احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ صورت حال اتنی سنگین تھی کہ پھر اس واقعے پر مقبوضہ جموں کشمیر کے تقریباً گیارہ سو مسلمان سرکاری ملازمین نے اخبارات میں اعلان کر کے استعفیٰ دے دیا اور اس منہ میں دختران ملت نے قریباً دو سو میوزیم لیا این او کے مقامی دفاتر میں پیش کئے۔ سرنگھ کے معاملہ زنیہ کدل میں کرفیو کے دوران مہ گئے کی ڈھیل دی گئی۔ دکانیں

کھلیں تاکہ لوگ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے کم از کم راشن تو اپنے گھر میں ڈال لیں۔ صوفی نان بانی کی دکان پر گاہکوں کا رش تھا اور ان کی دونوں جوان بیٹیاں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھیں کہ بی ایس ایف کی ایک پارٹی ادھر سے گزری۔ بد قسمت بوڑھے صوفی نان بانی نے ٹوٹ کیا کہ ان بد معاشوں کی نیت لڑکیوں کو دیکھ کر خراب ہو رہی ہے اس وقت توفہ کچھ نہ کر سکے اور لڑکیوں کو گھورتے ہوئے واپس چلے گئے صوفی نان بانی کو تنگ گزرا کہ فیو لگنے پر یہ لوگ ضرور آئیں گے کیونکہ مسلمان بچیوں کو عموماً دوران کرفیو ہی اغوا کیا جاتا تھا۔

رات بارہ بجے صوفی نان بانی کے گھر کا دروازہ کھٹکٹا گیا تو اس کا ماتھا ٹھنکا اس نے اپنی دونوں بچیوں کو تندر میں بٹھا کر اس پر ڈھکن رکھ دیا۔ تندو را بھی گرم تھا بھارتی وزندے گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے مکان میں لڑکیوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا جب لڑکیاں نہ ملیں تو صوفی سے ان کے متعلق دریافت کیا۔ بوڑھے کشمیری مسلمان نے کہا وہ کسی دوسرے شہر سے آئی تھیں اب واپس چلی گئی ہیں۔ بھارتی وزندوں نے ان کی یہ بات تسلیم نہ کی اور وحشیانہ طریقے سے انہیں پھینٹے گئے۔ مسلمان زادیوں نے اپنے والدین کی چیخ و پکار سنیں لیکن غیرت اجمانی نے انہیں کسی کمزوری کے مظاہرے سے منع رکھا جب موزی نامراد واپس لوٹے اور زخموں سے چور باپ نے تندو کا ڈھکن اٹھایا تو دیکھا اسکی دونوں بیٹیاں آپس میں بغلیں ہیں اور جام شہادت نوش کر چکی ہیں۔ انہیں کتنی اذیت ناک موت نصیب ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کوئی بھی ذمی شعور کر سکتا ہے لیکن سلام ہوان عظیمہ بیٹیوں پر جنہوں نے مرنے تک اُف نہ کی کہ کہیں کسی موزی کے کانوں تک ان کی آواز پہنچے اور وہ انہیں اغوا کر کے لے جائیں۔

۲۲ جنوری ۹۰ء کو بھارتی فوج نے گورنر جگ موہن کی آمد کا جشن مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیل کر منایا تھا۔ ایک عینی شاہد نے مجھے بتایا کہ وہ دہلی سے جہاز کے ذریعے سرنگھ آئے تھے۔ اس پرواز سے سید علی شاہ گیلانی بھی سرنگھ پہنچے تھے۔ ہوائی اڈے کو فوج نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ جب یہ لوگ انرپورٹ پر اتارے تو وہاں صرف ایک پرائیویٹ

گاڑی تھی جس کے ذریعے کسی نہ کسی طرح وہ مگرمل باغ سرنگھڑ پہنچے ہیں کامیاب ہو گئے جہاں شہیدوں کی لاشیں لائی جا رہی تھیں۔

یعنی شہید نے بتایا اس محلے میں ۹ لاشیں لائی گئیں جن میں ایک ۹ سالہ پرویز احمد کی لاش تھی۔ معصوم شہید نے اپنے ہاتھ میں پاکستانی پرچم تمام رکھ تھا جو شہادت کے بعد بھی اس کے ہاتھ سے الگ نہیں ہوا۔ علمائے کرام نے اس پاکستانی شہید کو جھنڈے سمیت دفن کیا۔

۳۰ اسماء تیری لمحہ پہ شبنم افشانی کرے
اس روز جگ موہن کے حضور پانچ سو بے گناہ تھے اور مظلوم کشمیریوں کے خون کا نذرانہ پیش کیا گیا۔

۱۸ جون ۹۰ء کو حزب المجاہدین کے مقامی کمانڈر محمد عبداللہ بنگو نے اپنے مجاہدین کے ساتھ سرنگھڑ کے آفسرزیس پر حملہ کیا اور پہلے ہی ہلے میں چھ آفسرز کو مار ڈالا۔ بھارتی کمانڈوز نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے علاقے کو گھیرے ہیں۔ لیاجب عبداللہ بنگو نے دیکھا کہ اب معاملہ بس سے باہر ہے تو انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے ساتھیوں کو فرار کروا دیا اور خود بھارتی کمانڈوز کے سامنے ڈٹے رہے بھائیوں کی ہر ممکن کوشش تھی کہ انہیں زندہ گرفتار کر لیں لیکن اس اللہ کے پراسرار ہندے نے جب دیکھا کہ اسلحہ ختم ہے اور دشمن سر پر چڑھا آتا ہے تو دشمن کے زندہ ہاتھ لے کر شہادت کو ترجیح دی اور خود کو گولی مار کر شہید کر لیا۔

زینہ کدل ہی کے دو اور واقعات سن لیجئے کہ رمضان المبارک میں جب بھارتی حکام نے ۲۲ دن کا مسلسل کرفیو نافذ کیا تو مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ انہوں نے راشن ختم ہونے پر پانی سے روزہ رکھا اور افطار کیا۔ ایک روز کی بات ہے کہ ایک محلے کی مسجد سے دوران کرفیو ایبل نشتر لگئی کہ وہاں کے مسلمانوں کے پاس پینے کے لیے پانی بھی نہیں بچا کچھ مسلمانوں نے کوشش کی کہ کسی طرح اپنے بچوں کو بھوکا پیاسا مرنے سے بچایا جائے تو راشن پانی لے کر چند مسلمان جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اس محلے کے لوگوں کی امداد کو پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے کہ موزیوں کی نظریں آگئے۔ جنہوں نے ان پر فائرنگ شروع

کر دی۔ اس طرح یہ مسلمان اپنے بھوکے پیاسے مسلمان بھائیوں کی مدد تو کیا کرتے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

زینہ کدل ہی کا واقعہ ہے کہ بھارتی فوج نے مجاہدین کے ٹھکانے پر چھاپہ مارا زبردست مقابلے کے بعد تین مجاہدین کو گرفتار کر لیا۔ چوتھے مجاہد کمانڈر نے چوتھی منزل سے چھلانگ لگائی تو نیچے موجود کشمیری مسلمان اسے اٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ فوج نے چالاکم اس کی شناخت کرے لیکن مقامی پولیس نے جو مسلمانوں کی ساتھی ہے اس مجاہد کی غلط شناخت کی اور اسے عا کشمیری بتایا۔ اس اثنا میں یہ مجاہد ہسپتال پہنچا یا جا چکا تھا۔ فوج کی انٹیلی جنس ہسپتال پہنچی کہ اپنے ذرائع کی اطلاع کے مطابق کہ زخمی واصل کمانڈر لین ملک ہے اسے گرفتار کرے لیکن ڈاکٹروں نے فوجی انٹیلی جنس کی آمد سے پہلے ہی زخمی مجاہد کا بستر تبدیل کر دیا اس کو کسی دوسری وارڈ کے کسی اور بستر پر منتقل کر دیا جب متعلقہ وارڈ کے متعلقہ بستر تک انٹیلی جنس کے لوگ پہنچے تو ان کے خجری اطلاعات کے برعکس وہاں کوئی عا کشمیری موجود تھا۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ زینہ کدل والا زخمی ہی ہے اس طرح لین ملک فوج کی گرفت سے بچ نکلا۔ اگلے روز ڈاکٹروں نے اسے ہسپتال سے بھی فرار کر دیا۔

قارئین کرام یہ واقعات جو آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے براعظم افریقیا اٹریلیا کے نہیں بلکہ مقبوضہ جموں کشمیر کے ہیں جہاں مسلمان بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا ہے جہاں علاؤ فوج کی مکرانی ہے۔ اس وادی جنت نظیر میں ہندو سراج کی شیطانی حکومت بہمیت کا سنگا ناچ ناچ رہی ہے۔

ساری وادی میں علما کفریو نافذ ہے۔ کشمیر کے مغرار کوہسار، وادیاں مسلمانوں کے خون میں نہا گئی ہیں۔ ہر روز نشتے بے بس اور بے کس مسلمان سراپا احتجاج اپنے سینے تلے دشمن کے سامنے آتے ہیں اور پلک جھپکنے میں زندگی موت کا روپ دکھا لیتی ہے۔ مسلمان بچیوں کو گھروں سے اغوا کر کے ان کی اجتماعی عصمت دری کی جاتی ہے دختران ملت کو ٹرکوں پر لٹا کر ان کے سینوں پر ٹرک گزار دیئے جاتے ہیں۔

جموں کشمیر آرٹ پولیس جس کے بیشتر ملازمین کشمیری مسلمان ہیں کی بھارتی فوج

ایک کشمیری مسلمان کا نام دیکھا گیا تو پولیس والے زنداناتے ہوٹل میں گھس آئے ان صاحب نے اس ہندو بیوپاری کا نام لیا کہ جس سے انہوں نے لاکھوں روپے لیے تھے اور جو اس کشمیری مسلمان کی مدد کے لیے ہوٹل میں پہنچ گیا تھا لیکن ایٹلی منس نے اس کشمیری مسلمان کو اتنا رنج کر دیا کہ اس بے چارے کو راتوں رات سر ینگرو واپس لوٹنا پڑا۔

مجھے بتایا گیا کہ جو مسلمان ویزے پر پاکستانی کشمیر میں آتے ہیں وہ ایسی پرانہیں بنی جنس والے خصوصی تحقیق و تفتیش کے لئے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں ان کے بدن کے سارے پٹے اتروا کر ان کا جسمانی معائنہ کیا جاتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں انہوں نے پاکستان میں تربیت تو حاصل نہیں کی۔ ان کی کہنیاں اور گھٹنے خاص طور سے چیک کئے جاتے ہیں کہ دوران تربیت ان پر نشانات پڑ جاتے ہیں۔

مسلمانوں سے ہندوؤں کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ حال ہی میں آنے والے ایک اور صاحب نے بتایا کہ جب سکھوں نے دلی میں مینارِ اندرا گاندھی کو قتل کیا اور جواب میں ہندوؤں نے سکھوں کے خون کی ہوئی کھیلی ان دنوں کشمیری مسلمانوں کے فروٹ کے بے شمار ٹرک بمبلی آئے ہوئے تھے۔ ہندو بلوائیوں نے ”گھاڑی خالصتان کی“، ”مال پاکستان کا“، ”بنادو..... منادو“ کے نعرے لگاتے ہوئے ان کے ٹرکوں پر حملہ کر دیا اور لاکھوں روپے کا فروٹ لوٹ کر لے گئے۔

میں جب مہاجرین کے کیپ دیکھنے کشمیر گیا تو وہاں موجود مقبوضہ کشمیر کے ہر شہر ہی نے اس بات پر زبردست احتجاج کیا کہ ہم انہیں مہاجر کیوں کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم مجاہد ہیں مہاجر نہیں۔ ہم پاکستان میں دال چا دل کھلنے نہیں آئے۔ ہمیں آپ کے عنایت کردہ کپڑوں اور جوتوں کی ضرورت بھی نہیں۔ جن حالات میں آپ نے ہمیں رکھا ہوا ہے یہیں اس پر بھی شکوہ نہیں ہم اس سے بدتر حالات میں زندہ رہ سکتے ہیں لیکن خدا را ہمارے مسلمان پاکستانی بھائیوں تک ہماری آوار پہنچا دیکھئے کہ ہمیں جہاد کے لیے اسلحہ و کار بے ہم پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہمارا جینا مرنا پاکستان کے لیے ہے۔ ہماری ماؤں، بہنوں، بیویوں اور سیٹیوں کی عصمت دہری اس لیے کی جارہی ہے کہ ہم پاکستانی ہیں ہم

کے ساتھ باقاعدہ جنگ ہو رہی ہے۔ کشمیری مسلمانوں کو بھوکا پیاسا رکھنے کے لیے مسلسل کریفر کا نفاذ جاری ہے۔ سرنگمٹا رپورٹ کے نزدیک ٹارچر کمپ قائم ہیں جہاں مسلمان فوجیوں کو گروپوں کی شکل میں لایا جاتا ہے۔ ان کے جسمانی اعضاء ایک ایک کر کے اکٹھے جاتے ہیں اور آخر میں انہیں گولی مار کر دریائے نلیم میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی لاشیں جب پاکستانی آسراں حوں کشمیر میں داخل ہوں تو ان کے لیے دیدہ عبرت نگاہ ہو۔

حالت یہ ہے کہ بھارتی گورنروں کو مقبوضہ کشمیر میں کوئی قابل اعتماد سیکرٹری میسر نہیں آتے انہیں اپنے پی اے بھی دہلی سے منگوانے پڑتے ہیں جس شدت سے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی حکومت کو زحمت کا سامنا ہے اس کے بعد سے بھارتی فوج نے کتنی ہی مجبورول پر اعتماد کرنا بھی چھوڑ دیا ہے جو کشمیری مسلمان دہلی وغیرہ میں بزنس کے لیے جاتے تھے انہیں دہلی کے مسلم ہوٹلوں میں جگہ نہیں ملتی مقبوضہ کشمیر سے آنے والے کچھ کاروباری لوگوں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بتایا کہ وہ لوگ جو مدتوں سے فروٹ کے بزنس سے منسلک ہیں اور گزشتہ دس پندرہ سال سے مخصوص ہوٹلوں میں قیام کرتے آرہے ہیں انہیں اب ان ہوٹلوں میں جگہ نہیں ملتی۔ اگر کوئی خطرہ مول لے کر کسی کشمیری مسلمان کو اپنے ہوٹل میں رکھ بھی لے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے کہ بے چارے کو لینے کے دیئے پڑ جاتے ہیں۔

ایک مسلمان تاجر نے بتایا کہ وہ فروٹ کا کاروبار کرتے ہیں اور دہلی کے اکرم ہوٹل میں ان کا قیام رہتا ہے۔ انہوں نے ایک ہندو بیوپاری سے لاکھوں روپے قرض لینے تھے جب وہ دہلی پہنچے تو معمول کے مطابق اکرم ہوٹل گئے اس ہوٹل کے مالک سے ان کے ذاتی تعلقات بھی ہیں لیکن ہوٹل کے مالک نے انہیں کمرہ دینے سے انکار کر دیا اور بتایا کہ انہیں جنس والے اس کی جان کو آجائیں گے۔ انہوں نے ہوٹل کے مالک کو گزشتہ ۸ سالہ تعلقات کا حوالہ دیا اور زبردستی ہوٹل میں مقیم ہو گئے۔

مسلمان ہوٹل مالکان کو روزانہ شام ساڑھے سات بجے تک آنے والے مہانوں کی مکمل تفصیلات کا رجسٹر مقامی سی آئی بی آفس بھیجنا ہوتا ہے۔ جب رجسٹر یہاں گیا اور

جواب..... پشاور والے حالات کا قیاس یہاں ممکن نہیں کیونکہ کشمیر کی سرحدیں اتنی آسان نہیں جتنی افغانستان کی ہیں۔ یہ مسئلہ بھی بالکل الگ نوعیت کا ہے۔ آزاد کشمیر مقبوضہ کشمیر سے الگ نہیں اور پاکستانی اسے اپنا جہاد سمجھتے ہیں۔ جبکہ پشاور افغانستان کا حصہ نہیں ہے۔ ہمارے ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی مذہبی تہذیبی اور عرونی رشتے ہیں آپ کو علم ہے کہ ۴۸ء میں جب جہاد کشمیر جاری تھا ایسے موقع پر سینئر فائر ہو واجب کسی کو یقین ہی نہیں تھا کسی کا باپ ادھر تھا تو ماں اس طرف۔ بھائی ادھر تو بہن اس طرف اور بیوی ادھر تو خاوند ادھر۔ یہ بالکل غیر قدرتی تقسیم تھی جس نے بظاہر خونریز رشتے بھی کاٹ ڈالے۔ اس لیے ہمارا اور یہاں کے مسلمان کا اتحاد فطری ہے اگر کسی تیسری ایجنسی نے یہاں تقسیم یا تفریق پیدا کی تو یہاں کے لوگ ہی اسے ختم کر ڈالیں گے۔

سوال..... عالمی سطح پر معاہدہ شملہ کی تکرار عام ہے اور جب بھی پاکستان کی طرف سے بھارت کو مسئلہ کشمیر کا احساس دلایا جائے۔ بھارت اور دنیا کے دیگر ممالک اسے معاہدہ ماتقند، شملہ وغیرہ کے ذریعے حل کرنے پر زور دیتے ہیں ان حالات میں عالمی سطح پر کیا ہمارا استقواب رائے کے لیے یو این او کو رجوع کرنے کا معاملہ کمزور تو نہیں پڑ گیا۔

جواب..... اقوام عالم سیاسی تغیرات کی پلیٹ میں آتی رہتی ہیں۔ بالٹک ریاستیں یورپ وغیرہ میں حالات کی تبدیلی آپ کے سامنے ہے۔ کشمیر میں ایسی کسی تبدیلی کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دیکھئے کشمیری نسل و نسل آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آزادی ہمارا حق ہے۔ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہم نے اس غیر قدرتی تقسیم کو کبھی قبول نہیں کیا۔ کوئی باغیرت قوم اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوا کرتی۔ یہ تمام معاہدے جو وقتاً فوقتاً ہوتے انہوں نے ہماری غیرت کا امتحان لیا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ایسے معاہدے کرنے والوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گا اور ہمارے رائے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ آج نہیں تو کل کامیابی ہمارا مقدر ہے اور ہم استقواب رائے کا طے شدہ حق حاصل کر کے رہیں گے۔

مفتی ضیاء الحق کشمیر فریڈم فرنٹ کے سربراہ ہیں اور کشمیر کے ایک بڑے مذہبی

پیر زندگی کے تمام دروازے اس لیے بند ہیں کہ ہم پاکستان اور اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن پاکستان کی حکومت نے یہیں یہاں کینوس کے خیموں میں رکھ کر ہمارے سامنے راشن پینک دیا ہے کیا ہم اس لیے پاکستان آئے ہیں۔

کپواڑہ کے ایک مجاہد نے جس کے پاؤں زخمی ہیں برف نے جس کے پاؤں کی انگلیاں کھالی ہیں مجھے بتایا کہ اس کی ماں اور بہن نے مکان سے کود کر جان دے دی۔ اس کے باپ کو بھارتی درندوں نے بندوقوں کے بٹ مار مار کر مار ڈالا۔ وہ پاکستان آیا ہے تاکہ واپس جا کر دشمن کو بتا سکے کہ ابھی مسلمان زندہ ہیں ان کی غیرت زندہ ہے لیکن یہاں اسے کیمپ میں ڈال دیا گیا ہے۔

میں نے آزاد جموں کشمیر میں سینکڑوں کشمیری مجاہدین سے ملاقات کی ہے۔ وہ لوگ ایک ہی بات کہہ رہے ہیں کہ انہیں راشن نہیں اسلحہ چاہیے۔ یہ وہ جیائے سفروں ہیں جنہوں نے ہماری شہرہ رگ پر رکھے دشمن کے پاؤں کاٹ ڈالے ہیں۔ انہوں نے ہمارے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھا ہے لیکن ہم نے پلٹ کر ان کی غبر نہیں لی۔

سرنگم سے آنے والے مجاہد نوجوان ہیں تعلیم یافتہ ہیں اور اسلامی الذہن ہیں۔ وہ حالات سے مایوس نہیں بد دل ضرور ہو گئے ہیں لیکن انہیں امید ہے کہ اگر پاکستانی حکومت نے ان کی آواز پر کان دھرے تو پاکستانی قوم ضرور ان کی قربانیوں کا مول چکائے گی اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہم سب کندھے سے کندھا ملا کر سیہ پلائی دیوار بن کر دشمن کے خلاف نیرو آڑا مہول گے اور کشمیر آزاد ہو گا۔

نعمت یوسف صراف جموں کشمیر کی ۱۲ جماعتی انقلابی کونسل کے صدر ہیں ان کے ساتھ اس مسئلے پر جو گفتگو ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

سوال..... پشاور کے شہریوں کا کہنا ہے کہ ۱۲ لاکھ کی آبادی والے شہر سپہ لاکھ افغان کے دباؤ نے اس شہر کے لیے لاجیل مسائل پیدا کر دیئے ہیں جس نیزی سے مقبوضہ کشمیر سے مسلمانوں کے قافلے آرہے ہیں کیا کل آزاد کشمیر کے لوگوں میں بھی یہی سوچ جڑ نہیں پکڑے گی۔

میں تھے کہ انہوں نے حکومت پاکستان اور مسلم کانفرنس میں غلط فہمی دور کرائی اور ۱۹۵۲ء میں آزاد کشمیر کی ایک نئی گورنمنٹ کرنل بشیر احمد کی سربراہی میں تشکیل دی گئی۔ جس میں مسلم کانفرنس کی طرف سے تین نمائندے لیے گئے۔ پیر سید منیر الدین اندرابی مرحوم، چودھری حمید اللہ مرحوم اور عبدالقیوم خان جبکہ آزاد میر نور حسین چوہدری تھے۔

مسلم کانفرنس کے ساتھ ۱۹۵۴ء میں ان کا اس بات پر اختلاف ہوا کہ چودھری غلام علی مسلم کانفرنسی ممبران کو کہتے تھے کہ وزارت سے استعفیٰ دیں جبکہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح، قدرت اللہ شہاب اور انور شیخ کہتے تھے کہ یہ نامناسب ہے مفتی صاحب محترمہ فاطمہ جناح کی رائے سے متفق تھے۔ جب اختلاف رائے بڑھ گیا اور مسلم کانفرنس کے صدر چودھری غلام علی اس پر پابند رہے تو مفتی صاحب نے استعفیٰ دیا اور ۱۹۵۴ء میں کشمیر فریم فرسٹ نامی جماعت قائم کی جس کے وہ بدستور صدر ہیں اور اس وقت یہ جماعت اور اس کے سرفروش تحریک آزادی کشمیر میں کارہائے نمایاں سر انجام دے رہے ہیں۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں انقلابی کونسل کے ممبر تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو آزاد کشمیر ریڈیو سے پیغام نشر کرتے تھے کہ مجاہدین کشمیر کا بھرپور ساتھ دین۔ ۱۹۶۰ء میں ۲۲ سال کے بعد کشمیر گئے اور وہاں ایک تنظیم قائم کی جس کے مجاہد موجودہ تحریک آزادی میں سرگرم عمل ہیں۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اور دیگر سربراہ مملکت سے کشمیر کے بارے میں خط و کتابت کی اور ان کو مسئلہ کشمیر سے آگاہ کیا۔ چین کے وزیر اعظم چو این لائی اور اس کے وزیر خارجہ کو کشمیر کے معاملہ میں آگاہ کیا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ جب بھی ان ایام میں چو این لائی پاکستان آتے تھے اور انور پورٹ پر ان کی نظر مفتی صاحب پر پڑتی تھی تو وہ کہتے تھے کشمیر کشمیر اس طرح چو این لائی کے ذہن پر مسئلہ کشمیر نقش ہو گیا۔ فرانس کے وزیر اعظم پامپیدو سے کشمیر کے مسئلہ پر میوزیئم پیش کیا اور دنیا کے اکثر سربراہان مملکت کو میوزیئم ارسال کئے۔ آج کل مفتی ضیاء الحق قرآن حکیم کے کشمیری ترجمے کی تفسیر لکھ رہے ہیں جو زیر اشاعت ہے۔ انہی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے کسی بھی طرح مقبوضہ کشمیر کو آزاد اور پاکستان میں شامل دیکھ لیں

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی جماعت کے لوگ بھی کشمیر کے جہاد میں سرگرم عمل ہیں۔ مفتی ضیاء الحق نے ۱۹۴۱ء سے ہی علی سیاست میں زمانہ طالب علمی میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۴۲ء میں جبکہ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا مسلم کانفرنس کی شاخیں کشمیر میں قائم کیں۔ ۱۹۴۷ء کے لاہور کے مسلم لیگ کے اجلاس میں بحیثیت ڈیپٹی سٹوڈنٹ کی، کشمیر میں تحریک الحاق پاکستان کے لیے بہت کام کیا۔ جون ۱۹۴۷ء میں کشمیر کے الحاق پاکستان کی قرارداد میں شمولیت کی اور قرارداد کے پاس کرانے میں سرگرم حصہ لیا۔ مہاراجہ کشمیر کو اپنے عقیدت مندوں کی طرف سے تار دیا کہ کشمیر کا الحاق فوراً پاکستان کے ساتھ کریں۔ مہاراجہ تمام کشمیری لیڈروں میں سے مفتی ضیاء الحق کے ساتھ ملا۔ کشمیر کے الحاق کے بارے میں بات چیت کی۔ مفتی صاحب نے مہاراجہ اور اس کے پرائم منسٹر جسٹس دینا ناتھ مہاجن کو کہا کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنے میں ہی آپ کی اور ریاست کی بہتری ہے۔ اس پر مہاجن نے کہا کہ کیا آپ سرکار کو جناح کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں مفتی صاحب نے کہا جناح نہ کہیں قائم اعظم کہیں۔ وہ دس کروڑ مسلمانان ہند کے لیڈر ہیں۔ اس پر مہاجن نے کہا مجھے خوس ہے وہ قائم اعظم نہیں مفتی صاحب نے کہا جس طرح سرکار برٹش گورنمنٹ کے ماتحت تھے اسی طرح ہم پاکستان گورنمنٹ کے ماتحت ہیں جسٹس مہاجن نے کہا کہ ان کے آباؤ اجداد بادشاہ تھے مفتی صاحب نے کہا تہو راجی اور گاندھی جی کے کون سے آباؤ اجداد بادشاہ تھے جس پر وہ لاجواب ہو گیا۔

۱۹۴۷ء میں مجاہدین آزادی کی امداد کی اور ان کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ حکومت ہندوستان نے گرفتاری کے لیے انعام رکھا جس کی وجہ سے مجاہدین آزادی کے ساتھ ہی مفتی صاحب پاکستان آئے اور یہاں راولپنڈی مری میں رہائش رکھی۔ مہاجرین جوں و کشمیر کی آباد کاری میں بہت کام کیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب آزاد کشمیر کے سپریم کورٹ کی حیثیت سے چودھری غلام عباس متعفی ہوئے سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور آزاد کشمیر کی گورنمنٹ کو خواجہ ناظم الدین نے برطرف کیا۔ حکومت پاکستان اور مسلم کانفرنس میں زبردست کشیدگی پیدا ہوئی تو کشمیری رہائشوں میں سے مفتی صاحب ہی اس پوزیشن

اپنی قوت کے بل بوتے پر ہمیں غلام بنایا اور اپنی مرضی کی حکومت جموں و کشمیر میں دیکھنا چاہتا ہے وہ ہر طرح اپنے نظریات ہم پر ٹھونسنا چاہتا ہے مقبوضہ جموں و کشمیر میں جب نوڈیٹنگ بھی ہوتی تھی ان دنوں بھی راکٹ اور مہا بھارت ٹی وی سے دکھائے گئے اور ان ڈراموں کے درمیان پاور سپلائی بحال رہتی۔

سوال جلسے جلوس کے علاوہ آپ نے احتجاج کا اور کیا طریقہ اپنایا؟

جواب ہم نے جلسے جلوس ہی نہیں کئے ہم کے دھماکے بھی کئے ہیں ہم نے کرکٹ میچ کے دوران اپنے جذبات کا اظہار بھی کیا ہے ویسٹ انڈیز کی طرف واری اسی طرح کی کہ عمران خان کا فوٹو گر کر اوٹڈ میں داخل ہو گئے یہ میچ بھارت اور ویسٹ انڈیز کے درمیان تھا جب ہمیں تنگ ہوا کہ بھارت جیت جائے گا تو ہم نے پیج پی خراب کر دی کلا میو لائیو یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ اسے ہوم گراؤنڈ میں اتنی مدد نہیں مل سکتی تھی اس نے کہا میں حیران ہوں کہ یہاں لوگ اپنی ٹیم کے اتنے مخالف ہیں تو عرض یہ کہ وہ لگا کر یہ ۲۰ سال کی تحریک کا تسلسل ہے۔ ہنگامی واقعہ نہیں۔

سوال لیکن گزشتہ چند ماہ میں جو چانک زور اس تحریک نے پکڑا ہے اس سے دنیا بھر کی بات کر رہی ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی اور شخصیت بھی تھی۔

جواب کچھ لوگوں کو کہہ کر بیڑ حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے اور کچھ لوگ کام کرنا پسند کرتے ہیں یہی واقعہ یہاں پیش آیا جن لوگوں نے ۸۲ میں اس کا آغاز کیا ان سے ذمہ دار واقف ہیں۔ لوگ خائف سے آگاہ ہیں لیکن یہ ہم نے مناسب نہ سمجھا کہ دنیا کو بتاتے پھر یہ کہ ہمارا ایک اہم لیڈر ۸۲ میں پاکستان آیا اس نے یہاں کے ایک بڑے ذمہ دار کے ساتھ بات کی اور ان کے فوٹو گراف بھی یہاں کے اخبارات نے شائع کئے ایک پلان کے تحت ہم نے اس طرح کام کرنا تھا کہ شہادت بھی کم ہوا و مختصر سے وقت میں ہم زیادہ بہتر نتائج بھی حاصل کر سکیں اب ہوا یہ کہ جذباتی لوگوں نے زیادہ ہوشیاری دکھائی اور وقت سے پہلے کچھ پٹاخہ چلا دیا جس کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ سرحدوں میں سختی بہت بڑھ گئی ہے اور ابھی اتنی زیادہ تیاری نہیں ہے جتنی ہونی چاہیے تھی اس کے باوجود جن لوگوں نے

خدا کرے ان کی یہ خواہش پوری ہو جائے کیونکہ آج ہر پاکستانی یہی خواہش کر رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موجودہ تحریک آزادی کا مزاج ۲۸ اور ۶۵ء والی تحریک سے بالکل مختلف ہے اور اس تحریک کو دنیا کی کوئی طاقت نہ دبا سکتی ہے نہ جھکا سکتی ہے۔
جناب غلام محمد صفی زادہ حزب المجاہدین کے امیر ہیں ان کے ساتھ جو گفتگو ہوئی وہ مندرتار میں ہے

سوال صفی صاحب مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں سے متعلق یہ تاثر جڑ پکڑ چکا تھا کہ یہ کبھی اپنی آزادی کے لیے ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن مجاہدین نے بہت کم عرصے میں ساری دنیا کے پریس کو چونکا کر رکھ دیا اور اپنی دلیرانہ کارروائیوں کے ذریعے ساری دنیا کو اپنے حق خود اختیاری کا بھولا سبق یاد کروا دیا ہے آپ کے خیال میں یہ انقلابی تبدیلی کیسے آئی؟

جواب جہاد کشمیر کوئی اپانک اٹھنے والی تحریک نہیں بلکہ گزشتہ ۲۲ سال سے مقبوضہ کشمیر کے مسلمان مسلسل اپنے حق کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ اس حق کے حصول کے لیے مقبوضہ کشمیر کا ہر فرد اس موقع کی تلاش میں تھا کہ کب وہ اپنے اس حق کو دنیا کے کانوں تک پہنچائے کہ کشمیر کے لوگوں نے اپنا حق خود اختیاری بھلایا نہیں ہیں وٹوق سے کہتا ہوں کہ ۲۲ سال میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب کشمیریوں نے کسی نہ کسی صورت اپنے حق کے لیے آواز بلند نہ کی ہو جس کے نتیجے میں انہیں پر غیر انسانی سلوک کا سامنا کرنا پڑا ہزاروں کشمیریوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے کئی تعینات میں معذور ہو گئے۔ اور آج بھی آپ کو کشمیر میں سینکڑوں والدین ملیں گے جو سوچ رہے ہیں نہ جانے ان کے بچے کب واپس آئیں گے لیکن انہیں معلوم نہیں کہ ان کے بیٹے جانے کب کے کسی تھانے عقوبت خانے میں موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں کشمیری عوام کو امید تھی کہ جلسے جلوس کے ذریعے آئین طریقے سے وہ اپنا حق حاصل کر لیں گے لیکن جب ہمیں یقین ہو گیا کہ بھارتی حکومت کسی بھی طرح ہمیں حق دینے کو تیار نہیں تو ہم نے پھر جہاد کا علم بلند کر دیا کیونکہ بھارت

سوال بھارتی حکومت کا یہ بھی کہنا ہے کہ موجودہ تحریک مقبوضہ کشمیر میں ماضی کی حکومتوں کی نااہلی کی وجہ سے زور پکڑ رہی ہے وہاں چونکہ ہر روز گاری کا مسئلہ بہت زیادہ ہے ابھی لیے نوجوان فریڈیشن کا شکار ہیں۔

جواب یہ بھارتی حکومت کا معمول کا پراپگنڈہ ہے ہماری تحریک میں زیادہ تعداد ان مجاہدین کی ہے جو ہر روز گارامر پڑھے لکھے ہیں اور انہیں معاشی طور پر بھی کوئی سہولیت نہیں تھی پھر انہیں کیا ضرورت تھی جہاد کرنے کی؟ دراصل دشمن بوکھلا گیا ہے اور وہ اب اوجھے تنگنڈوں پر اندر آیا ہے یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ۲۱ سال تک شیخ عبداللہ نے محاذ ازمے شمار کی تحریک حکومت سے استعوا اب رائے کا مطالعہ کیا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا اسے بھی ہر روز گاری کا سامنا تھا ایسی بات نہیں۔ سوال کیا مسلح جدوجہد کے علاوہ بھی آپ نے تحریک کے کسی پہلو کو سامنے رکھا ہے؟

جواب ہم نے وہاں جو تحریک برپا کی ہے اسی کے بالکل ساتھ ایک سیاسی تحریک بھی چلا رکھی ہے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم بھارت پر اپنی جدوجہد کے ذریعے اتنا دباؤ ڈالیں کہ وہ میز پر بیٹھ کر ہمارے ساتھ مذاکرات کے لیے مجبور ہو جائے اور ہمیں ہمارا حق مل جائے ہماری مسلح جدوجہد دراصل ہماری سیاسی تحریک ہی کا حصہ ہے۔

کام کا آغاز کیا انہیں پس پشت ڈال کر مخصوص مفادات کے تحت ان لوگوں کو سامنے لایا جا رہا ہے جو مستقبل میں غیر ملکی مفادات کے لیے کام کر سکیں اور صحیح لوگوں کو پولیس کے ذریعے پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔

سوال جس مرحلے میں یہ تحریک داخل ہو چکی ہے وہاں اب دیکھنے میں آتا ہے کہ خصوصاً مسلمان خواتین پر دشمن کا ظلم و ستم بہت بڑھ چکا ہے مقصد تو یہی ہے کہ اس طرح مجاہدین کو دبا یا جا سکے انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنی غیرت کے معاملے میں بلیک میلنگ کے سامنے جھک جاتا ہے اور جس دشمن سے آپ کا سامنا ہے اس کے متعلق آپ جانتے ہیں وہ یہ ہتھیار کتنی غولی سے استعمال کر سکتا ہے مسلمان خواتین کو بے حرمتی کے سلسل واقعات سے کیا البیان نظر نہیں آتا کہ مجاہدین کا مورال گر جائے گا۔

جواب دشمن نے ہم پر ظلم و ستم کے سارے تیر آزمائے ہیں یہ سلوک وہ ۲۲ سال سے کرتا چلا آ رہا ہے۔ یہ عزتوں اور عصمتوں سے کینا آج کی بات میں ایسے واقعات ماضی میں بے شمار پیش آئے کہ جن کو سن کر نوجوانوں کا خون کھول اٹھتا تھا سینکڑوں نوجوان ان حرکتوں کے خلاف احتجاج کرتے شہید ہو چکے ہیں۔ لیکن اب یہ تحریک عوامی بن چکی ہے اس میں کشمیر کے بچے بوڑھے عورتیں مردب شامل ہیں۔ اور ہم نے یہ تہہ کبڑ کھا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے اس جہاد کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے اب ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس ظلم سے ہمارا مورال گرنا نہیں بڑھتا ہے ہم میں جدوجہد کا جذبہ اور تیز ہوتا ہے سوال یہ تاثر آیا جاتا ہے کہ موجودہ تحریک صرف شہروں تک محدود ہے اور دوسری بات کہ جہاد صرف وادی میں ہو رہا ہے جموں میں نہیں۔

جواب البیان نہیں ہے دراصل ریڈیو اور اخبارات کا تعلق چونکہ شہروں سے زیادہ رہتا ہے اس لیے عام لوگ یہی سمجھتے ہیں آپ لسٹ دیکھ لیں یہ کل ہی ہمارے پاس پہنچی ہے جس میں دیہاتی علاقے کی کارروائیاں درج ہیں اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا جہاں تک جموں کا تعلق ہے وہاں بھی جہاد کا آغاز ہو چکا ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وادی میں اس کی شدت زیادہ ہے لیکن جموں میں بھی ہمارے مجاہدین ہمت کر رہے ہیں۔

پاک بھارت جنگ کب ہوگی؟

اس مرتبہ جنگ بھارت کے اندازے سے زیادہ بھارت اور پاکستان کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔ خیال رہے ایسا مشورہ دینے والوں میں بھارت کا نزدیکی دوست روس بھی شامل ہے لیکن بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ بھارت کسی دوست کے مشورے پر کان نہ مرنے کو تیار نہیں۔

بھارت کی طرف سے پاکستان پر دو بڑے الزامات عائد کئے جاتے ہیں پہلا الزام تو یہی کہ پاکستان سکھوں کی علیحدگی پسند تحریک خالفتان کی پشت پناہی کر رہا ہے اور سکھوں کو اسلحہ اور تربیت فراہم کر رہا ہے۔ دوسرا بڑا الزام جس کی آج کل بھارتی مقلوں کی طرف سے تحکار ہو رہی ہے وہ کشمیر میں موجودہ تحریک آزادی میں پاکستان کا ملوث ہونا ہے۔ بھارت کی طرف سے پاکستان سے یہ الزامات کوئی نئی بات نہیں لیکن اس مرتبہ جس شدت سے ان الزامات کی تحکار کی جا رہی ہے اور جو موڈ بھارتی حکمرانوں نے بنا رکھا ہے اس سے بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ بھارت اپنے داخلی مسائل سے عوام کو توجہ ہٹانے کے لیے جنگ کا خطرہ مول لے گا۔

ابھی تک گو کہ بھارتی فوج نے کوئی ریڈ لائن جاری نہیں کیا نہ ہی فوجیوں کے بیٹیاں منسوخ کی گئی ہیں نہ ہی ریٹائرڈ فوجیوں کو واپس بلا یا گیا ہے اس کے باوجود پریکٹکس میں ہندو کی تہ میں طوفان مچل رہے ہیں پاکستان اور بھارت کی فوجیں ذہنی طور پر ایک دوسرے کی تیاری میں لگی ہوئی ہیں۔ دونوں طرف سرحدوں پر فوجوں کی نقل و حرکت بڑھ رہی ہے چھائیوںوں سے رات کی تاریکی میں فوجی کنوئے ان دیکھی منزلوں کی طرف رواں دواں ہیں، دراصل ابھی تک پاکستان اور بھارت دونوں میں سے کسی جی ایچ کیو ایچ اینیٹیوٹر شپ کی طرف جنگ شروع کرنے کا کوئی واضح سگنل نہیں مل سکا۔ بھارتی فوج کے ایک سینئر جرنیل نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ان حالات میں دونوں نہیں دفاعی اقدامات پر توجہ دے رہی ہیں۔

بھارتی ذرائع اطلاعات کے مطابق پاکستانی افواج راجستھان پنجاب اور گجرات کے سرحدی علاقوں پر بھارتی فوج بھی دفاعی پوزیشن

گزشتہ چند سالوں سے عموماً ہر سال کے دسویں یا گیارہویں مہینے میں پاکستان اور بھارت کے عوام دونوں ممالک کے درمیان متوقع جنگ کی نشیں گویاں شروع کرتے ہیں۔ نجومی حضرات کی طرف سے خصوصاً اس مرحلے پر عجیب عجیب انکشافات سننے میں آتے ہیں اور جب سال کا آخری مہینہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور چند ماہ بعد پھر یہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے لیکن اس مرتبہ واقعی یوں لگتا ہے کہ کشمیر یا کشمیر کی بات کہیں حقیقت کا روپ نہ دھارے اور اصلی شیر آہی نہ جائے۔ شاید یہی وہ دھڑکے جس کی بنیاد پر استدلال کی عمارت استوار کی جا رہی ہے۔ اس بات کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ بھارت پاکستان پر حملہ نہ کر دے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر بھارت پاکستان پر حملہ کیوں کرے گا؟ جب کہ بھارت میں فتادل کی حکومت ہے جس کے متعلق ہمارے سیاسی دانشوروں نے بڑھ چڑھ کر پیشین گوئیاں کی تھیں کہ اس حکومت کا رویہ پاکستان کے ساتھ گزشتہ حکومت کے برعکس جنگجو یا نہ نہیں بلکہ صلح پسندانہ ہوگا۔ اس ضمن میں بھارت میں سابقہ فتادل کی حکومت جس کے سربراہ مظہر راجی ڈلیاٹی تھے کی مثال بھی دی جاتی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ابھی آخر سڑوی پی نگھ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نہ صرف پاکستان کو جنگ کی دھمکیاں دے رہے ہیں بلکہ بھارتی فوج نے بھی عملاً جنگ کی کسی حالت اختیار کر لی ہے اور دنیا کے بہت سے مہذب ممالک نے بھی بھارت کو باور کروانا شروع کر دیا ہے کہ اگر اس نے کسی ایڈیوچر وغیرہ کا پروگرام بنا رکھا ہے تو اسے ختم کر دے کیوں کہ

میں چلی گئی ہے۔ بھارتی فوج کو اس مرتبہ ماضی کے مقابلے میں زیادہ سہولت حاصل ہے اور اسے اپنی فوجیں دور دراز سے لاکر ان سرحدوں پر نہیں رکھنی پڑتیں بلکہ بھارت نے اپنی چھاؤنیاں ہر سرحدی شہر میں قائم کر رکھی ہیں۔ مثلاً امرتسر، فیروزپور، ٹھٹھان کوٹ اور فاضلہ کا کی حفاظت کے لیے فوجیں ان شہروں کی سرحد کے بالکل نزدیک چھاؤنیوں میں یا پھر دیگر حفاظتی اقدامات میں پہلے سے موجود ہیں۔

بھارتی اُرفورس کو درپیش اہم خطرات

- ۱۔ اگر سعودی عرب نے دو "ہائی ہاک" (فضائی نگران) طیارے طیارے پاکستان کو مستعار دے دیئے۔
- ۲۔ اگر سعودی عرب نے ہاک میزائل کی ۶ بیڑیاں پاکستان کے حوالے کر دیں۔

ان حالات میں بھارتی اُرفورس کی مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا۔

اخباری بیانات یا افواہوں کے برعکس ابھی تک دونوں میں سے کسی ملک نے اپنی سڑ ایک فورسز کو آگے نہیں بڑھایا۔ اگر کوئی خاص نقل و حرکت فوجی لحاظ سے ہو رہی ہے تو وہ صرف کشمیر سرحد پر دیکھنے میں آتی ہے۔ پاکستانی فضائیہ نے اس علاقے میں اپنی معمول کی نگران پروازیں بڑھادی ہیں۔ اور صرف قبضہ کشمیر میں بھارتی فوج نے دو محاذوں پر تیاری شروع کی ہے ایک تو پاکستان کی طرف سے حملے کی پیش بندی اور دوسرا ان کن کارروائی "کی پلائنگ اور دوسری طرف پاکستان کی طرف سے (بھارت کے کہنے کے مطابق) داخل ہونے والے حریت پسندوں کی روک تھام کا بندوبست کیا ہے۔

بھارتی افواج کو ایمنیشن ذخیرہ کرنے اور فوجی گاڑیوں کے فاضل پرزہ جات جمع رکھنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔ بھارتی فوج کی ورکشاپوں میں اوقات کار بڑھا دیئے گئے ہیں اور دہاں دن رات قابل استعمال گاڑیوں کی مرمت کا سلسلہ زور پڑا ہے۔

جاری ہے۔ اُرفورس اور نیوی نے بھی اپنی سرگرمیاں بڑھادی ہیں۔ بھارتی اُرفورس ایکٹو ونک وارفیئر کی خصوصی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اُرفورس کو ایک بڑا خطرہ یہ بھی لاحق ہے کہ اگر اسلامی دنیا نے پاکستان کی مدد کا ارادہ کر لیا تو پاکستان کی پوزیشن مضبوط رہ جائے گی۔ اگر سعودی عرب نے اپنے دو "ہائی ہاک" نگران طیارے پاکستان کو مستعار دے دیئے یا الیف... ہ کے تین سکواڈرن یا ہاک میزائل کی چھ بیڑیاں پاکستان منتقل کر دیں تو بھارتی اُرفورس کی مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا۔

بھارتی اعلیٰ فوجی قیادت کو جس بڑے خطرے کا سامنا ہے وہ یہ کہ بھارتی فوج نئی سیاسی قیادت سے کسی بھی ہدایت کے بغیر روبہ عمل ہے یہ صورتحال بھارت میں ابھی بھی وقت سیاسی مشکلات پیدا کر سکتی ہے اس کے برعکس بھارتی فوجی قیادت کے خیال میں پاکستانی فوج کو کوئی ایسی شکل کا سامنا نہیں ہے کیونکہ پاکستانی فوج اپنے امن کی روشنی میں اہم فیصلوں کے لیے سیاسی قیادت کی اتنی محتاج نہیں رہی۔ فوجی ممبرین ان خیال ہے کہ بھارتی فوجی قیادت صرف اخباری رپورٹوں یا پھر ٹیلی ویژن رپورٹوں کی بنیاد پر یہی نیاریاں کر رہی ہے ابھی تک ان کی سیاسی قیادت نے انہیں کوئی خاص نکتہ نہیں دیا۔

جہاں تک بھارتی وزیراعظم مٹروپی ٹی سنگھ کے حالیہ بیانات کا تعلق ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی حیثیت بیان برائے بیان سے زیادہ کچھ نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ بھارت کی فوجی قیادت پاکستان کے ساتھ ماضی میں لڑائیوں کا طویل تجربہ رکھنے کی بنا پر ان بیانات کا نوٹس لیتی ہے اور بھارتی فوج کی تیاریوں کی حد تک یہ کہا جاسکتا ہے کہ فوج کو کہ ابھی تک جنگ کی واضح ہدایات نہیں ہیں لیکن اپنے طور پر وہ "حالت جنگ" میں آچکی ہیں۔

ممبرین کے اندازوں کے مطابق اگر پاکستان اور بھارت میں جنگ چھڑ جاتی ہے تو امریکہ اس میں کوئی خاص رول ادا نہیں کرے گا۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امریکی ڈیپو بی یورپ میں بہت کامیاب ہے اور یورپ پر اس کی گرفت مضبوط ہے دوسری

چین کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے غیر ملکی مبصرین کہتے ہیں کہ کیا نگ میں
احیائے اسلام کی تحریک نے چین کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ تربت میں حالات پر
اس کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ اسلامی دنیا کیا نگ میں احیائے
اسلام کی تحریک پر توجہ دے چین کی یہ خواہش ہو گی کہ ”جہاں کا سارا زور شور کشمیر
کی طرف منتقل ہو جائے۔“

اسلامی بلاک کے متعلق بھارتی اور غیر ملکی مبصرین کی دو ٹوک رائے یہ ہے کہ
اگر پاکستان اور بھارت میں جنگ چھڑ جائے تو اسلامی بلاک انتہائی متاثر اندازے
کے مطابق دو حصوں میں بٹ جائے گا۔ ایک حصہ تو وہ ہو گا جو عملاً پاکستان کی مدد کرے
گا اور کسی مصلحت کو خاطر میں لائے بغیر پاکستان کا ساتھ دے گا اور ان ممالک کی تعداد
بہت زیادہ ہو گی۔

دوسرے بلاک میں شاید ہی کوئی ایسا ملک شامل ہو جو اس جنگ میں غیر جانبدار
رہے گا۔ گویا کسی بلاک کی مدد بھارت کو حاصل نہیں ہو گی۔ کچھ ماہرین اس بلاک کو بھی
نظر انداز کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی اسلامی مملکت کے ساتھ بھارت کو دوستی
کا دعویٰ بھی ہے تو وہ بلا در اسلام ممالک کے دباؤ کے تحت ایسا نہیں کرے گا اور
عملاً نہیں تو زبان ہی سے پاکستان کی حمایت کرنا پڑے گی۔

ان حالات سے بظاہر تو یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جنگ کی صورت میں
پاکستان کی اخلاقی اور بین الاقوامی پوزیشن بھی خاصی مضبوط ہے۔ اس کے باوجود آخر پاکستان
بھارت پر حملہ کیوں نہیں کر دیتا؟ یہی ہے وہ سوال جو بھارتی حلقوں کے لیے پریشانی
کا باعث بنا ہوا ہے۔ جب کہ پاکستان کی انتہائی کوشش یہی ہے کہ جس طرح بھی ممکن
ہو اس معاملہ کا کوئی پرامن حل تلاش کیا جائے اور اس مقصد کے لیے پاکستانی وزیراعظم
ہنگامی غیر ملکی دورے پر بھی نکلی ہوئی ہیں۔ ماہرین سیاسیات اس امر پر حیرانگی کا اظہار
کرتے ہیں کہ پاکستان کی موجودہ حکومت کشمیر کے مسئلے پر دو علی کاٹکار کیوں ہے پاکستانی
وزیراعظم نے اپنے حالیہ دورے میں بھی دنیا کو یہی باور دلانے کی کوشش کی ہے کہ

طرف اسلامی دنیا سے بھی اس کے تعلقات جتنے اچھے آج ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں رہے
ان حالات میں امریکہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ جنوبی ایشیا میں ایک ”دروازہ“
مول لیتا پھرے۔ اس خطے میں اب اسے روس کیونرم کی طرف سے بھی کوئی ایسا
خطرہ لاحق نہیں رہا۔ افغانستان کی جنگ سے وہ ممکنہ مفادات حاصل کر چکا ہے اور
امریکی پالیسی اب یہ بن گئی ہے کہ افغانستان میں روس سے تعاون کر کے کسی بھی اسلامی
حکومت کے قیام کو عمل میں آنے سے روک دے۔

امریکہ کی یہ پالیسی بہت کامیاب ہے اور اب تک نجیب کی حکومت کا
افغانستان میں قائم رہنا روس کی آشر باد سے زیادہ امریکہ کی مجاہدین سے بے اعتنائی
کا شاہانہ ہے۔ یہ خدشات بہت عرصے سے ظاہر کئے جاتے ہیں کہ امریکہ اور روس
دونوں ایک سطح پر اس بات پر بھی متفق ہو چکے ہیں کہ وہ ظاہر شاہ کے لیے راستہ ہموار
ہونے تک کم از کم نجیب اللہ کی حکومت کو ہی برسر اقتدار رہنے دیں۔ اس صورتحال سے
نتیجہ یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ابھی امریکہ بغیر امریکی تارہ ایلوینچر کے موڈ میں نہیں ہے۔
جہاں تک روس کا تعلق ہے وہ اپنے گھریلو مسائل میں اس بری طرح الجھا ہوا ہے
کہ ابھی کم از کم بھارت اور پاکستان کی ممکنہ جنگ میں کوئی رول ادا کرنے کی استعداد نہیں
رکھتا۔ ایک کے بعد دوسری ریاست کی طرف سے آزادی کا مطالبہ ہو رہا ہے اور بعد
کیونسلٹ اقتدار کو روس میں خطرات لاحق ہیں۔ یکم مئی کی پریڈ کے بعد کوئی بھی فتنہ
بحوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ روس کے لیے اپنے گھریلو مسائل بیرونی مداخلت سے
زیادہ اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ روس انڈیا کی حمایت جاری رکھے گا لیکن ماضی کے
برعکس اس کی انتہائی کوشش ہو گی کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ ٹلے
رہے کیونکہ اس صورت میں روس پر اتنا دباؤ بڑھ جائے گا کہ اسے کھل کر کسی ایک
فریق کی حمایت کا اعلان کرنا پڑے گا جس کا کافی وقت وہ تعیل نہیں ہو سکتا۔ روس یہ
نہیں چاہے گا کہ بھارت روس دوستی کسی کڑے امتحان سے گزرے۔

تو دنیا میں امن کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ آج اگر بین الاقوامی سطح پر ہونے والے ایک معاہدے سے بھارت انحراف کر رہا ہے تو کل دنیا کے دوسرے ممالک بھی یہی طرز عمل اختیار کریں گے ضرورت اس امر کی ہے کہ اب مصلحت کو کوشی کو نظر انداز کر کے پاکستان دو ٹوک پالیسی اختیار کرے۔

بھارت پاکستان سے جنگ کرنا چاہتا ہے جب کہ ہم البیان نہیں چاہتے۔ اس کے برعکس اگر پاکستان اپنی سفارتی جدوجہد کا رخ موڑتے ہوئے بیرونی دنیا خصوصاً عالم اسلام کو اس مسئلے کی سنگینی کا احساس دلا کر بھارت پر اخلاقی دباؤ ڈولائے اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ کشمیر پر کوئی خود ارادیت دے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان نے ایک مثبت خارجہ پالیسی اختیار کی ہے۔ محض اپنی صفائی پیش کرتے رہنا مسائل کا حل کیسے ہو سکتا ہے۔

ہماری ماضی کی تاریخ شاہد ہے کہ بھارت نے جب بھی پاکستان پر جارحیت کا ارادہ کیا۔ اس نے عالمی سطح پر پاکستان پر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کی بوجھا کر دی اور ہم الزامات کے جوابات میں اپنی صفائیاں پیش کرنے میں اتنے مصروف ہو گئے کہ اصل مسائل سے ہماری توجہ ہٹ گئی۔ اب بھی بھارت نے یہی پالیسی اختیار کی ہے اور کبھی پاکستان پر سکھوں کی حمایت کا الزام لگاتا ہے تو کبھی کشمیریوں کو مسلح کرنے کے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ ان اقدامات کا مقصد یہی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ایک مرتبہ پھر پاکستان کو اپنی صفائی دینے میں الجھائے رکھے اس طرح پاکستان پر عوام خواہ مخواہ سے ایک دباؤ ڈال کر اسے یہ بھی باور کروایا جا رہا ہے کہ وہ یہ مسئلہ کسی بین الاقوامی فورم میں نہ لے کر جائے۔

دیکھا جائے تو بھارت کی یہی پالیسی ہمیشہ کی طرح بہت کامیاب ہے۔ پاکستان کی سطح پر کشمیر کی حمایت کے لیے بیانات، جلسے، جلوسوں کا سلسلہ ایک دوسرے پر سیاسی دباؤ کے لیے تو ممکن ہے کوئی اہمیت رکھتا ہو لیکن بین الاقوامی سطح پر اس کو تب تک پذیرائی نہیں مل سکتی جب تک ہم دنیا کو یہ باور کروانے کی کوشش نہ کریں کہ بھارت نے دنیا کو دھوکے میں رکھا اور بین الاقوامی سطح پر ایک معاہدے کا اقرار کر کے اس سے منحرف بھی ہو گیا۔ کشمیر میں اتھواب رائے کی ضمانت دینا بھر کے ممالک کی نمائندہ تنظیم نے دی تھی لیکن بھارت اب بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس معاہدے کی اہمیت ہی سے منحرف ہے اور بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ وہ تو وقتی بات تھی جس کی اب ضرورت نہیں رہی۔

ہم بین الاقوامی دنیا کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر لیو این او میں ہونے والے چالیس سال پر لے دوسرے معاہدوں کے ساتھ دنیا کے دیگر ممالک نے بھی یہی سلوک کر دیا

بھارتی دانشوروں کے خیال میں

ان وجوہات کی بنا پر پاکستان پر حملہ نہیں کرنا چاہیے

کوئی بھی ذی شعور جو جنوبی ایشیاء کی گذشتہ ۲۰ سالہ جنگی تاریخ پر نظر رکھتا ہو اگر اس سے یہ کہا جائے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ ہونی چاہیے یا نہیں تو اس کا جواب نہیں میں ہو گا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان میں موجود تخریب کاروں کے تربیتی کیمپوں پر حملہ کر کے ہم اپنے مقاصد حاصل کر لیں گے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ ایسے کسی بھی اقدام کا مطلب ہو گا کھلی جنگ۔ جیسے ہی ہم پاکستان کی سرحدوں کے اندر تعاقب کر کے تخریب کاروں پر ضرب لگانے کی کوشش کریں گے پاکستان بھارت پر جوابی حملہ کر دے گا۔

بھارتی عوام پوچھتے ہیں کہ پھر اس مسئلے کا آخر حل کیا ہے؟ کیوں نہ ہم ایک مرتبہ کے لیے اس جھگڑے کو ختم کر دیں لیکن یہ سوچ صحیح نہیں۔ بھارتی عوام کو جان لینا چاہیے کہ یہ ۱۹۷۱ء کی جنگ نہیں ہے۔ پانچ ایسی یقینی وجوہات ہیں جن کی بنا پر بھارت کو پاکستان کے خلاف جنگ سے ہر صورت پہلو ہچانا ہے۔

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی فوجی قوت پاکستان سے بہت زیادہ اور مضبوط ہے لیکن یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فوجی قوت منتشر ہے۔ اس مرتبہ بھارت کو چین کو کھڑے ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیے جس کے لیے ضروری ہے کہ بھارت کے ۲۵ ڈویژنوں میں سے کم از کم ۷ ڈویژن لازماً شمالی سرحد پر موزع رہیں۔ ۶ ڈویژن لازماً پنجاب اور پٹنجان کوٹ جملوں کے حساس ترین بارڈر پر صورتحال کو سنبھالے رکھنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے بعد جو فوج باقی بچے گی اس سے بھارت کو باقاعدہ جنگ لڑنی ہے۔

اس کے برعکس اگر بھارت حملہ کرتا ہے تو اسے اپنی افواج کو ڈیفنس سے نکال کر حملے کی صورت میں لانے کے لیے نفری بڑھانے کی ضرورت ہوگی۔ یہ تب ہی ممکن ہے اگر وہ چین کی طرف سے ممکنہ مداخلت اور پنجاب میں سمجھوتہ کی ممکنہ مداخلت اور بھارتی ٹرمپس پر حملوں کے خطرے سے بالکل بے نیاز نہ ہو جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ نیم فوجی دستے اس صورتحال کو کنٹرول کر لیں گے اور آرمی کے رسل و رسالہ کے راستے محفوظ رہیں گے۔ البتہ ہر پہلے ممکن نہیں کیونکہ بھارتی فوج اپنی جسامت کے لحاظ سے دو محاذوں پر لڑ سکتی ہے۔ تین پر نہیں۔

بھارتی فوج کی جنگی حکمت عملی کی بنیاد طویل لڑائی پر استوار ہے۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ جنگ طویل پھڑے گی اس حساب سے جنگی حکمت عملی کے بنیادی اصول طے کئے گئے ہیں لیکن ایسا عموماً ہوتا نہیں۔ بھارت کی سیاسی لیڈر شپ اتنی استعداد نہیں رکھتی کہ عالمی دباؤ کا سامنا زیادہ دیر تک کر سکے اور وہ جنگ کا جلد از جلد خاتمہ چاہتی ہے۔ فوج میں یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ ۶۸ء، ۶۷ء، ۷۱ء اور ۸۴ء کی طرح (بھارتی فوج کے خیال میں) اگر وہ جیت بھی رہے ہوں تو بھی حکومت جنگ بند کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے اگر نہیں ۶۲ء کی طرح چین میں ۸۹ء کی طرح سری لنکا میں مار بھی کھانی پڑے تب بھی صورت حال یہی ہوتی ہے اور بھارتی فوج حکومتی پشت پناہی سے محروم رہتا ہے۔ اس لیے جنگ سے بچنا ہی بہتر لائحہ عمل ہے۔ اس مرتبہ ۶۵ء اور ۷۱ء کی طرح نہ تو پاکستان کو امریکہ کی اخلاقی مدد حاصل ہوگی نہ ہی بھارت کو روس کی مادی مدد مل سکے گی۔ اس کے برعکس ساری مسلم دنیا پاکستان کی مدد کے لیے اٹھ کھڑی ہوگی۔

۲۔ بھارت ۹۰ء میں اپنی سالمیت کو زخم خوردہ کر دینے والی جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ۱۹۷۱ء میں بھارت کو ۱۳ روزہ جنگ کے لیے ۲۰۰ کھروڑ روپیے کا خرچ برداشت کرنا پڑا۔ ۱۹۹۰ء میں فوج ۱۷۷۰ کھروڑ روپیے کے دوگنا ہو چکی ہے۔ سامان حرب و ضرب کا خرچ ۱۰ گنا بڑھ چکا ہے اور جنگ اگر چھڑ جاتی ہے تو ۷۷۰ کھروڑ روپیے کا خرچ ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بھارت کو اس مرتبہ جنگ پر ۲۰۰ کھروڑ روپیے خرچ کرنا ہوں گے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

جو بھارت کے موجودہ کل فوجی بجٹ سے بھی دو گنا ہیں جبکہ امداد میں کل فوجی بجٹ کا ۱۲/۱ حصہ خرچ آیا تھا۔ اس کے باوجود اگر اتنی رقم خرچ کر کے پاکستان کے ساتھ مستقبل میں جنگ کا خطرہ ختم ہو سکتا ہے تو بھی یہ منہگاسودا نہیں لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ۱-۲۰ پھر ۱۱-۲۰ اور پھر ۲۰-۲۱ میں بھی بھارتی عوام کو ایک مرتبہ پھر البی ہی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر ایک نئی جنگ کی تیاری ہو رہی ہوگی۔

۴۔ یہاں بھارتی دانشور بھارتی فوج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل سندرجی کی کہی ہوئی بات کا حوالہ دیتے ہیں جس میں اس نے کہا تھا کہ مرلے والے چند جوان اور افسر مرنے ہیں۔ جو دراصل کسی بھی فوج کی سپہ سالار بن جاتے ہیں۔ یہاں روی رکھی جنرل سندرجی کو مخاطب کر کے کہتا ہے جناب آپ کا کہنا سبباً لیکن ہم آج وہاں نہیں کھڑے جہاں ۱۹۴۷ء میں فرانس کھڑا تھا لیکن ہم اس پوزیشن کے نزدیک ضرور ہو رہے ہیں۔ زیادہ عرصے تک کوئی بھی فوج اُنہیں بند کر کے اپنے افسران بالا کے حکم پر قربانی کے مجرم نہیں بنا کرتی۔ ۱۲ گھنٹوں اور فٹ سکھ یا پھر انڈین نیوی جس نے کراچی کو ۱۷ عرصے میں بے بس کر دیا تھا کی کہانیاں اب پرانی ہو چکی ہیں۔ آج صورتحال بہت مختلف ہے۔

۵۔ جنگ کے آغاز کا فیصلہ بڑی جرأت مندانہ اخلاقی بنیادوں پر کیا جاتا ہے بھارت کی کل آبادی کا شکل چوتھا حصہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جنہیں لڑنے والے کہا جاسکتا ہے جنگ کے بعد عوام کو سوائے ٹیکسوں کی زیادتی کے اور کچھ نہیں ملا کرتا۔ جنگ کرنے کے غیر اخلاقی فیصلے کا مطلب یہ ہے کہ دراصل ہم اپنی اندرونی شورش پر قابو پانے میں ناکام رہے ہیں اور اب اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ بھارت پاکستان پر پنجاب اور کشمیر میں گڑبڑ کرانے کے الزامات لگاتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے آخر لہستان اور گجرات کی سرحدیں بھی تو پاکستان سے ملتی ہیں کیا وہاں پاکستان بناوت کے بیج نہیں بوسکتا۔ ٹھیک ہے فوجی ریاست کا خادم ہے لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسے خواہ مخواہ مر جانے پر مجبور کیا جائے۔ محض اس لیے کہ وہ ریاست سے ماہوار تنخواہ لیتا ہے۔ یہ فوج کا دوسرا نہیں جن مسائل سے آج بھارت دوچار ہے وہ مکران اور سیستان لاول کے پیدا کردہ مسائل ہیں اور انکا حل بھی انہی کو سونپنا ہوگا۔